

دُنیا کی بہترین کہانیوں کا انتخاب

ڈائریٹ

ماہ نامہ

سب رنگ

فروری 2010ء



MASROOF

3367 66167

عشق کاشین

علیم الحق حق کی یادگار تخلیق
اندرونی مسخات میں عکاس کیجیے

عشق
کاشین

یقین آگیا۔ دو مکہ نہ نظر آنے لگا۔“ اور وہ جو دوسرے کمرے میں موجود ہے؟“

”ہم اسے نکال لیں گے۔“ میں نے گلکراف پر ہنسنے کو کہا۔ میں نے اس کی جینٹ کوئی اور کمرہ سے کے ہوٹل سے اس کی کن لکال لی۔ میں سن میں بہت متحاج تھا۔ کن میرے لیے بالکل تین چہرے کی اور میں جتنا چاہتا تھا کوئی خاص مشاعرہ نہ ہوا۔

”میں کن کو ٹھوکر مار چاہتا۔“ اب میری سمجھ میں آیا۔ اسی لیے تو وہیں جلد از جلد یہاں سے نکلنا چاہتا تھا۔ وہیں جا سکتی تھی کہ مجھے سب معلوم ہو۔“

”ہاں میں یہی بات ہے۔“

باہر کی گاڑی کے ڈرنے کی آواز ہمارے کالوں میں آئی۔ ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ میں نے بین کو بیڈ پر بیٹھنے کو کہا اور خود دروازے کے عقب میں کھڑا ہو گیا۔

مرکزی دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ پھر اسپتال نے پُرسکون پکارتی ہے۔“ ہائی بیس۔“ مجھے کسی سے الزامی سے ٹھہرا کر کہنے سے غائب دیکھے، مجھے یہاں بھیج دیو۔“

”لانے کے لیے۔“

”میں! این کہاں ہے؟“ پوچھا لکڑائی۔“ تم نے کیا کیا ہے اس کے ساتھ؟“

”وہ خیریت ہے۔ روٹی۔ گلکراف پریشانی سے بچانے کے لیے مجھے کہیں سے لے کر لیا ہے۔“

میں نے آگے بڑھ کر دوسروں کی سپاہ۔“ پھر دروازہ کھلا اور دو پورا کمرے میں داخل ہوئی۔ ”میں... میں انھم کو تھا ہوا“ اس کا بوجھ بڑھ گیا تھا۔

میں سر ہٹا کر ان کی اطاعت کی۔ اسپتال کے سب میں آگیا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کی کمرے لگا دی۔ ”لانا مت اسپتال۔ میں بہت قرض ہوں۔ ہاں، مٹھوں کا مجھے بالکل تجربہ نہیں ہے۔“

اسپتال نے کمرے کے کھانے کی بھی جرات نہیں لی۔“ ”ڈیو... تم؟“

”میں وہی سوال نہیں تھا۔“

”میں نے مگن سے اسے شہر کا دیا۔“ وہ پورا بے شک کر کمرے کو جوا دیا ہے کہ تمھاری ناک دوپارے تک ہوگی۔“

اس نے بڑے سناٹا مانا اور میں نے ہوش گلکراف کو لگا دیا۔ ”تم نہیں مندھرے ڈیو؟ پچھلے تم مسکی کی دوت پر ہاتھ صاف کیا۔“ پھر اس کی لوٹ پڑی۔

میں نے کن کا دست اس کے سر پر رسید کر دیا۔ وہ ڈوٹھ لایا۔ میں نے اسے دھکا دیا اور دوپارے سے ٹکرایا۔ میں نے ریو اور

[illegible][illegible]

آئی۔ سترے ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس پر ڈرامے
 کے لیے تیار۔“

اس نے بھانپا ہے تو میرے عمر کی قیاسی۔ میں نے تار سے
 اس کے دھولے گوز کو چوڑا کرنا باندھا۔ پھر اسی تار سے دھولے پھول کو
 بچھا کر باندھا۔ بارہا میں خود حالت میں تھا کہ چند گھنٹے اس حال
 میں رہنے کے بعد ان دن تک وہ میرا نہیں ہو سکتا تھا۔

پھر میں نے ٹکڑے کے پھول کو چپکے کر لیا۔ وہ بھی آسانی
 سے ہوش میں آئے۔ دلائیں تھیں۔ اس نے اپنی مٹی کی جتنی چیزیں
 اپنے چھوٹے بیگ میں ڈالیں۔ اس وقت اس تکلف وہ
 پڑھنے میں بیٹھا تھا۔ دیکھ کر ہاتھ ”ہاں ہاں“ کرتے نہیں سکو
 گئے۔

”دینی“ اس نے کہا۔

میں نے دیا اور نکالا اور اس کی طرف بڑھا۔ میرے تہجد
 دیکھ کر وہ خوف زدہ ہو گیا۔ ”یہ تمہیں کیسے پتا چلا؟“ میں نے
 اس سے پوچھا۔

اس نے جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے دیا اور دو ٹکڑے۔

میں نے سمجھا کہ اگر دوا اور کو جب میں رکھ لی تو اس کی جان میں
 جان آئی۔ میں نے اسے جتنا کہ ضرور پتھر پھینک دیا۔

”اگر تم نے اسے نہیں سنا ہو۔“ جہاں کہیں تمہیں کہتا ہو تو
 آئندہ وہی میرے راستے میں نہیں آؤ گے۔ اب تم ہر بار خوش
 قسمت ثابت نہیں ہو سکتے۔ اور یاد رکھو کہ سوراخ تو
 آؤ گے پھر دیتے ہیں لیکن دماغ کو سوراخ دینا کا کوئی دوا نہیں
 ہو سکتا۔“ یہ کہہ کر میں دروازے کی طرف پیٹھ بڑھا گیا۔

میں باہر نکلا تو بارش شروع ہو گئی تھی۔ مجھے اچھا لگا۔ جو کچھ
 میں چھوڑ کر آتا تھا کاش بارش اسے دھوے اور نکلے ہے
 بھی میں یہاں آؤں اور اس وقت حالات مختلف ہوں۔

میں ٹیبل سیٹ پر بیٹھ گیا اور اخبار کھول لی۔ میں اس وقت
 جنوب کی طرف جانے والی بس میں تھا۔ بسیں اندر کی
 مسافعات کے زور زور کی جھڑپ کے براؤسے سے متعلق کالم میں اس
 خبر پر میری نظر پڑی۔

مجھے یہی لگا کہ گاؤں پر یقین نہیں آتا تھا۔ میں نے بار بار
 دیکھیں لی کہ دیکھا مگر وہ حقیقت تھی۔ کھلی تھی:

تقریبی مقامات اور تفریح گاہوں کے سب سے بڑے
 ٹیکے دار مسرور حسین چپکے ٹیکے اور سرائی گورڈن کے
 نام سے لائے۔ یہی دے کے سابق چیف منسٹر مسام داہل
 نے کل مریم (یعنی سخی) سے شادی کر لی۔ واضح رہے کہ


مریم خضر، گلور، جینٹین، ڈینی شری کہیں ہے۔ بروما میں
 اتنی مومن منانے کے بعد دھما دھن سینٹرل پارک ساؤتھ
 کے علاقے میں اپنے نئے پیٹنٹ ہاؤس میں زندگی کا آغاز
 کریں گے جسے سام وانگن نے خاص طور پر اپنی دھن
 کے لیے بڑی محنت سے آماتہ کرایا ہے۔

میں نے اس خبر کو دوبارہ پڑھا۔ بھائی کے احساس نے مجھے
 غمگین کر ڈالا۔ جیسی اور مشہور نام ایہ کیسے ہو گیا؟ وہ کیسے ملے؟
 اور جیسی جو اپنے دفتر میں کام کرنے والے اس لڑکے کے لیے
 پاگل ہو رہی تھی اس لڑکے کا کیا بنا؟

بارش بس کی کھڑکی کے شیشے سے ٹکرا کر اسے میرے ذہن کی طرح وحید لاتی رہی۔ میں اونٹنے لگا۔ مینی اوڈر سڑام کی تصویریں میری آنکھوں میں چمکتی رہیں۔ لیکن وہ الگ الگ تصویریں تھیں۔ ایک راجہ فیروز۔ جب ایک یورپی طرح فوکس

وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی ایک ایک کر کے رو رہی تھی۔
اپنے آنسوؤں پر اس کا پس نہیں تھا۔ ہاتھ میں موجود وہال اس
کے منہ پر کھاتا تھا تاکہ کسیوں کا گلا گھونٹ سکے۔

کمرے کے باہر دھکیلا۔ ”جاؤ نا تم مہمانوں کی لڑکر۔“ ان سے لہجے میں قطعیت تھی۔ ”یہاں کے معاملات تمہارے سمجھنے کے نہیں ہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا ذرا دیر میں۔“



اس بات کو بھر اندازے ہوئے تھا۔
اس بات سے یہ بلیں جو کھانے وغیرہ ان کی آنکھوں میں دیکھا۔
”اب میں ٹھیک ہوں ماما۔“ اس نے غیر جذباتی لہجے میں کہا۔
”میں خواہ مخواہ بچپنا کر رہی تھی۔“

"اما ایسی باتیں نہ کریں۔۔۔ یہی نے ہدایتی لہجے میں کہا
"اب بہت دیر ہو چکی۔"
"ہرگز نہیں۔ ابھی وقت ہے۔ تم ارادہ بدل سکتی ہو۔"

پانی۔ یہ شادی مناسب نہیں ہے۔
 لاما کی آنکھوں کا دکھ اور گہرا ہو گیا۔ "ہاں" عمر بھر ناخوش رہے
 سے یہ بہتر ہے۔ تم مجھے اور اپنے پاپا کو اپنے ساتھ وہ کچھ
 کرنے دو جو ہم ڈینی کے ساتھ کر چکے ہیں۔" دیکھتے ہی دیکھتے

2 فروری 2010

میں نے اپنا تک جھک کر ماما کی پیشانی چوم لی۔ "آپ

پھر ہر سام کے بوجھ سے دبا۔ اس کے جسم کا تاج بڑھ گیا
 سے سردی کا احساس ہونے لگا۔
 ایک لمحہ خاموشی رہی۔ پھر سام نے فری سے اس کے
 سر کو کھینچا۔ اس نے فری کے سر پر ہاتھ رکھا۔

ہو۔ بہت سے لوگوں میں اسے جارج کا خیال آیا۔ وہ
 لڑتی رہی۔ اسے اپنی سوجھ بوجھ سے دور دھکیلنے کی کوشش
 رہی۔ وہ خود کو یاد دلاتی رہی کہ یہ تو سام کے ساتھ زیادتی
 جو کہ ہوا اس میں سام کا تو کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ سب

23

میں اس کی نگاہوں میں سارے کائنات کا چہرہ تھا۔
 "خدا! اس نے خاموشی سے دل میں دعا کی۔" کیا
 اس عمر میرے ساتھ تھی ہوتا رہے گا؟ کیا میں ہمیشہ یونہی

توئی تھی۔ اس نے سوچا۔ یہ بھی غیبت ہے۔ پھر وہ بکے پر عمر
یہ تھی اور انھیں بھڑکائیں۔ وہ بکے چپے دروڑی تھی۔
... وہ تو مجھے دھڑلے لگتی تھی۔ اور اب وہ پوری زندگی...

تھے تھے اور کیوں کے خیمے کی غنئی کو اور بڑھادیے

۱۵۱

وہ نے نہیں سنی۔ میں نے ایک ہل سے دیکھا اور ہلر اٹھیں
بندر کریں۔ ”نہی! انھیں سے خبر لے لیا۔
جہاں کے دو سر آتھوں نے دھڑالے جیسے جھج جھج
ہوا ہنر تھا۔ ایت نب اس بات کی بھی کاب میں نکا تھے۔
”ڈیڈی... ڈیڈی! اس کی نگاہیں میرے چہرے کو نکل
تھیں۔ ”خیر میں اس کیوں ڈیڈی ایک بار بھی پلٹ کر نہیں
دیکھا۔ ”خیر نہیں!“
میں آتھوں کی طرح اسے دیکھ رہا۔ میرے پاس کوئی
جواب نہیں تھا۔ وہ تو میری کچھ میں اب کاب میں سے کیا کیا
تھا۔ ذرا کھٹکلا تو میں نے کہا۔ ”میں بس تھاپے لی ا میں
مجھڑ تھا“
دو درہن تھی۔ اس کی سسکیاں مجھے ہلاری تھیں۔ ”ہم نے
تھیں دھڑلے کی بہت کوشش کی ڈیڈی... بہت کوشش کی۔
لیکن لنگھا تھا کہ کام دیا نے تھیں لنگھا ہے۔ میرا تو ہی چاہتا
تھا کہ مر جاؤں۔ ”مران ہوں کہ میں مر نہیں گی۔“
اس کی خوش ہو کے دھڑلے کوئی احساس نہیں تھا۔ میں نے
اسے لپٹا لیا۔ برسوں کے بعد مجھے ایسا سکون ملا تھا۔
”میں دوبارہ سب کچھ کھیں سہ سکن کی ڈیڈی۔“ اس نے
میرے سینے میں مٹھ چھپانے کہا۔
جب میرے لیے سب کچھ آسان ہو گیا۔ میں نے کچھ لاکر
کیا ہوتا چاہیے۔ ”اب اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ اب ہم
بہتر سا تھارہا رہا گئے۔“
اس نے چھل کی مصومت سے مجھے دیکھا۔ ”ج ک کہ
ہرے ہل ڈیڈی؟“
اس روز وہ پہلا موقع تھا کہ میں سکریا۔ ”انکل جی ٹیلی۔“
میں نے کہا۔ ”تم جی تو ہو کہ میں داکٹر جاننے کے لیے آیا
ہوں۔ نہیں ٹیلی اب کچھ ہو بھی ہو بہتر سا تھارہا رہے۔ جو کہ بھی
کر نہیں کر کر رہے۔“
وہ ہی کا سٹینڈر ریڈورٹ تھا جہاں ہم پہلی بار گئے تھے۔
وہاں بھی کچھ نہیں ہل رہا تھا۔
ٹیلی نے کچھ ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ ”تھیں اب
بھی رہے؟“
میں سکریا۔ ”بھلائی اب کچھ تھا۔“
اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ ”میں خواب تو نہیں دیکھ رہی
ہوں؟“ بتانے میں آکر سو کر تھی تو میری آنکھیں سرخ

ہوتی تھیں اور میری بہن کبھی تم کی منہ خواب میں رونے
 رہی ہوں۔“
 میں نے اس کے ہاتھ کو چوم لیا۔ ”دیکھ لو۔ یہ خواب
 نہیں ہے۔“
 ”اگر میں خواب دیکھ رہی ہوں تو میں جاگتا نہیں جانتی۔۔۔“
 اس نے خواب ناک سے کہا۔ ”میں جانتی ہوں کہ میں
 روتی رہوں اور یہ خواب دیکھ رہی رہوں۔“
 ”تم جاگ رہی ہو خواب؟“
 اس نے اور شہولی سے میرا ہاتھ چوم لیا۔ ”میں تم سے محبت
 کرتی ہوں ڈی۔۔۔ اس لیے سے جب میں نے پہلی بار تمہیں
 دیکھا تھا مجھے اسے بھونکنے لگا تھا۔ میں کسی کے ساتھ بھی
 نہیں گئی تھی۔ کیا دل ہی اسے چاہتا تھا۔“
 اسے احساسِ جرم نہ لگا۔ میں اس سے نظریں نہیں
 سکا تھا۔
 ”ج ک کوری ہوں ڈی، اما نے بہت کم کیا کہ کیا بھئی بھئی
 ہوئی عمر عمر مجھے یقین تھا کہ تم وہاں آؤ گے۔ اسے اچھا
 سے بات جانتی تھی۔ پھر کسی فیڈلز کے ہاں کام کرنے والی
 اس کی نے آ کر کہا وہ بارے میں بتایا تو میرے یقین کا
 تقدیر ہی کوئی۔“
 میں بری سرور چٹکا۔ ”کس لڑکی کی بات کر رہی ہو تم؟“
 ”میں صرف سن۔ تمہیں وہ یاد نہیں؟ یہ ہر حال
 اپنے بھائی کے ساتھ لیڈر کے چند روز بعد اسٹور میں آئی
 تھی۔ انھوں نے بتایا کہ تم ان سے ملے تھے اور تم خیر سے
 سے ہوا اور تم میرے لیے چار بچواں ہے۔ اس نے بتایا کہ
 تمہیں فیڈلز کی طرف سے پریشانی ہے۔ معاملات ٹھیک
 ہوتے ہی تم وہاں آ جاؤ گے۔“
 مجھے ڈیپر ہا چار آ گیا۔ وہ بہت اچھی تھی۔ دن میں ایسے
 پیارے لوگ میں۔ ہوتے ہیں جو اپنی محبت کو ہاں سے ہاں
 نہیں نکالتے۔ اس کی خوشی کی فکر نہ تھی۔ اس نے آکر ڈیپر
 نے مجھ پر احسان نہ کیا اور تو شاید نکلی اس وقت یہاں نہ ہوتی۔
 وہ مجھے غور سے دیکھ رہی تھی۔ ”وہ کہتے ہیں کہ تم نے اس
 رات کی فائٹ ہارنے کے بدلے فیڈلز سے آرام کی تھی۔ کیا یہ
 ہے ڈی؟“
 میں نے اس کے سوال کا جواب نہیں دیا۔ ایک بات اس
 سے کہی اور وہاں بھی۔ ”وہ کوئی۔“
 ”میں تمہیں خوفزدہ ہونے سے روکتے ہیں۔ اس کی تھی۔“

اے عجب ہونے کے ایک نئے تعجب کی بات ہے۔ تو میں
زیادہ سے مسز اوگن کے پاس گئے۔ مسز اوگن کو
دیکھنے پر یہ بات بتائی۔ وہ اب بھی مجھے نئے والی نظروں
کو دیکھ رہی تھی۔ ”کیا بچہ ہے؟“
میں نے انہماک میں سر ہلادیا۔
”کیا؟ تو یہ کیا ہے؟“
”میں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔“ میں نے دبی آواز میں کہا۔
”تم کی ضرورت تھی؟“ تاکہ پیادہ اور سوار بے سکیں۔ اور
بے بی بی بات پر کہ کھڑی بات نہ مانتا دو مجھے نقصان
کر مجھے فائدے کے قابل نہ چھوڑتا۔ اور میں نے فائدے
کی تلاش بھی کی۔ لیکن میرا حریف نہایت نااہل تھا۔
”جیسا کہ میں نے کہا تھا۔“
”لیکن میں نے بتایا کہ اس رات تمہارے والد نے تمہیں
میں گھسنے کی نہیں دیا۔“ وہ بولی۔ ”تو تم میرے گھر کی
آگے گئے۔ تم نے مجھے بے سب کچھ نہیں بتایا؟“
”مجھے تو یہاں سے بھاگنا تھا۔ فیملی میری جان کے
لیے تھا۔“
”اس نے اچھا نہیں بد کر لیں۔ یہ سب تکخوف ناک ہے۔
میں نہیں جانتا تھا۔“ اس نے روس بول کر رکھے۔ میں نے
”تم پر کیا گزری۔“ کیے کے سوسے میں سنا
”مجھ سے نہیں آتا تھا کہ کسی کی بات پر یقین کریں۔“
”اس کے دکھ اور لیے کی شکلی نے مجھے دہلا دیا۔“ بہتر ہوتا
”واپس ہی نہ آ۔“ میں نے دل لگی ہے۔ کہا۔ ”میں نے
”تم آلا آخر مجھے بول جا میں اور بے فکر ہو گیا ہوں۔“
”ایسا سوت کو ڈی۔“ اس نے سخت لیے میں کہا۔
”میرے کسی ایسا نہیں تھا۔ مجھے کیا بات کی یاد آئی۔“
”اس کی بھی یاد آ رہی تھی۔ اس کی بی بی سڑک تم میرے
وہ اب میں تمہیں جان نہیں دوں گی۔“ میرے ہاتھ پر
اکرت اور مضبوط ہوئی۔
”ہر نے ہمارا اندر دیکھا۔ یہاں سے صرف ہو گئے۔
”تم بہت ڈبے ہو گئے۔“ اہا کہاں سے کہا۔
”لیکن۔۔۔ ان دو برسوں میں ہمارے دل میں کتنی بڑھ چکا ہے۔“
”لیکن۔۔۔“ لیکن میں نے کہا۔
”اے! تم نے خیال نہ کیا۔“ ہمارا چہرہ کھل گیا۔ اس
”اے۔“

کچھ کیا۔ تمہارے پاپا کو کاروبار میں مدد دی۔“

میں نے ایک گہری سانس لی۔ مجھے سب سے زیادہ اسی بات کی فکر تھی۔ پچھلے چند برسوں میں مجھے یقین ہو گیا تھا کہ پاپا کسی سہارے کے بغیر کھڑے ہونے... چلنے والے نہیں ہیں۔ اچھا ہے انھیں سام کا سہارا مل گیا۔ اب یہ پتا نہیں کہ سام میرے بارے میں کس انداز میں سوچتا تھا۔ کیا وہ مجھ سے خفا ہوگا؟ یقیناً ہوگا۔ اور اس میں اس کا کوئی قصور بھی نہیں تھا۔ وہ حق پہ جانب تھا۔

”تم ان سے ملنے جاؤ گے؟“ نلی نے مجھے چوکا دیا۔

”نہیں۔“ میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”لیکن ڈینی یہ ضروری ہے۔ وہ تمہاری ٹیلی ہے۔“

”پاپا کے نزدیک میں گندہ انداز ہوں۔“ میں نے بے رحمی سے کہا۔ ”اور تمہیں وہ کیا سمجھتے ہیں یہ بھی مجھے معلوم ہے۔“

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔“ وہ بولی۔ ”میں جانتی ہوں کہ وہ لوگ مجھے پسند نہیں کرتے۔ لیکن پھر بھی تمہیں جانا چاہیے۔“

”میں نہیں جاؤں گا۔۔۔“ میں نے سختی سے کہا۔ ”میں تمہارے لیے آیا ہوں ان کے لیے نہیں۔“

ہم اس ڈور سے ایک دوسرے سے لپٹے کھڑے تھے۔۔۔ دو برس پہلے کی طرح۔ اچانک وہ رونے لگی۔ میں نے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے پالے میں بھر کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ”کیا بات ہے نلی؟“

”میں بہت خوف زدہ ہوں ڈینی۔ میں نہیں جانتی کہ اب تم مجھے چھوڑ کر جاؤ۔ اس بار گئے تو تم بھی واپس نہیں آؤ گے۔“

”میں جاؤں گا ہی نہیں۔ میں تمہیں کڈنا تک کہہ رہا ہوں۔“

”نہیں ڈینی، میں نے تمہیں جانے دیا تو تم کبھی نہیں آؤ گے۔“ وہ بچوں کی طرح پلٹنے لگی۔

”مت رو۔ نلی۔۔۔ پلیز!“

اس کے لہجہ کا خوف اور بڑھ گیا۔ ”تم مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ ڈینی۔ ورنہ میں مر جاؤں گی۔“

”میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑوں گا نلی۔“ میں اسے چمکاتا رہا۔

یہاں تک کہ اس کی سسکیاں ختم نہیں۔

وہ میرے سینے میں منہ چھپائے کچھ بول رہی تھی۔ آواز اتنی جیسی تھی کہ سننے کے لیے مجھے کان لگانے پڑے۔ ”کاش کوئی ایسی جگہ ہوتی جہاں ہم جا سکتے۔۔۔ جہاں ہم ساتھ رہ

سکتے۔ وہاں میں بیٹھ کر تمہیں دیکھتی رہتی اور کہتی۔۔۔ میرا ڈینی واپس آ گیا ہے۔“ اس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا۔ ”میں آج رات گھر نہیں جانا چاہتی۔ میں نہیں چاہتی کہ اپنی بہن کے ساتھ سوؤں اور صبح اٹھ کر سوچوں کہ تمہارا آنا محض ایک خواب تھا۔ میں چاہتی ہوں کہ تمہارے ساتھ رہوں تمہارا ہاتھ تمام کر بیٹھی رہوں اور جب صبح ہو تو کہوں کہ یہ خواب نہیں۔ میرا ڈینی اب بھی میرے ساتھ ہے۔“

”میں صبح تمہارے پاس آ جاؤں گا۔“ میں نے نرم لہجے میں کہا۔

”نہیں۔۔۔ تم نہیں آؤ گے۔“ اس کا لہجہ یاس آمیز تھا۔ ”اگر میں نے اس بار تمہیں جانے دیا تو تم واپس نہیں آؤ گے۔ کچھ نہ

کچھ ایسا ہو جائے گا کہ تم واپس نہیں آ سکو گے۔“ اس کی آنکھیں پھر بھر آئیں۔ ”آخری بار بھی تم نے یہی کہا تھا ڈینی۔۔۔ یاد ہے؟

”تمہیں؟“ تم نے کہا تھا حالات کچھ بھی ہوں۔۔۔ میں یہ نہ بھولوں کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔ یہی کہا تھا نا؟ پھر تم واپس نہیں آئے۔ لیکن مجھے تمہاری بات یاد رہی۔ میں نے یاد رکھا۔“ اب

آنسوؤں کے رخساروں پر پھسل رہے تھے۔ وہ مجھ سے پٹ گئی۔ میں نے مسکرانے کی۔۔۔ بات کو ختم بیانی سے ہٹا کرنے کی

کوشش کی۔ ”لیکن نلی! ہم اس ڈور سے میں پوری رات نہیں گزار سکتے۔“

”تو کوئی ایسی جگہ تلاش کر دو جہاں ہم رات گزار سکیں۔۔۔“

اس نے میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں جھپکنے لگیں۔ ”جہاں میں بیٹھ کر تم سے بات کر سکوں تمہارا ہاتھ تمام کر بیٹھی رہوں یہاں تک کہ آج گزر جائے اور کل آجائے۔ اور مجھے یقیناً آجائے کہ یہ خواب نہیں ہے۔“

کھڑکی سے در آنے والی دھوپ میری آنکھوں میں چھپی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ پہلو کے ٹل گئی تھی مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس

سرا نے ہاتھ پر لٹکا تھا اور نظریں میرے چہرے پر جمی تھیں۔ مجھے دیکھ کر کسکائی۔

میں ایک لمبے بے چینی سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر میں بھی مسکرا دیا۔ مجھے رات کی یاد آئی۔ میرے جسم میں توانائی سے

دوڑ گئی۔ ”دیکھا تم نے۔۔۔“ میں نے کہا۔ ”رات گزرتی۔۔۔ صبح آگئی۔ میں تمہارے سامنے موجود ہوں۔ یہ خواب نہیں

حقیقت ہے۔“

اس نے سر کو تھپتی جھپٹ دی۔ پھر کھڑکی کی طرف اور

”میں نے کہا۔“ ہاں میں نے کوشش کی تھی تاہم آئے گی۔“
 ”کیون ڈینی۔“ تبھی میرے کندھے پر سر ہرکھڑو کر دے گی۔
 میں اس کے احساسات پر ہنسا ہوتا تھا کہ وہ کیوں رو رہی
 ہے۔ لیکن کچھ فائدہ نہیں تھا۔ جو کچھ کیا وہ اب دلے دلاؤں تھا۔
 میں نے اس کے کنارے ہوئے کمرے کے کچھ جھکا۔ ”دو“
 مرتبہ اس طرح سے کوئی بہتری نہیں ہوئی۔ ”کہہ کر میں
 نیلی کی طرف چلا گیا۔ میں نے اس کا ہاتھ تھام کر دپٹ کر ان
 سوس کو دیکھا۔ ”آج میں یہاں آیا تو صرف اپنی بیوی کی
 خاطر۔“ میں نے ہنسی آواز میں کہا۔ ”اس کا ہاتھ کھانسی
 آپ کو کولڈ لازی طور پر مانتا جاوے۔۔۔ یہ کہہ کر آج صبح میرے
 شادی کر لی ہے۔“

میں نے ان کے چہرے کے تاثرات دیکھے۔ ماس کا دکھ
 باپ کی محنت اور مختار۔۔۔ اور میں اپنے اندر بھی کسم گما
 جیسے کسی نے مجھے کوڑا مارا ہو۔
 ”کیوں نہیں آتی جو چاہتی تھی۔۔۔ دل سے چاہتی تھی کہ میں
 داپس آ جاؤں۔“ میں نے کہا۔
 میں چند لمبے انگڑا کر تار پاد کشا دیکھ کر بولے۔ لیکن وہ
 سب چپ تھے۔ نیلی کے کمرہ والوں کو ہماری شادی کرتا پسند
 نہیں آتا تھا۔ لیکن اگر کم انھوں نے انسان ہونے کا ثبوت دیا
 تھا۔ انھوں نے یہ قہر ثابت کیا تھا کہ وہ اپنی بیوی سے بہر حال
 محبت کرتے ہیں۔ میرے کمرہ والوں کے پاس تو کہنے کے لیے
 ایک لفظ بھی نہیں تھا۔۔۔ مستقبل کی خوشیوں کے لیے ایک دعا
 بھی نہیں۔ کچھ بھی نہیں!

میرے اندر کی الفت ایک دم چل بسی ہو گئی اور اپنے پیچھے
 ایک خلا چھوڑ گئی۔ بیٹے کا ایک صدمہ جسے میں ہو گیا۔ میں نے
 ماس کے رخسار پر بوسہ دیا اور دروڑ میں۔ پھر میں نے کسی کا
 رخسار دیکھا اور اپنے پیچھے پاپا کے سامنے سے گزر گیا۔
 چہرے پر کسی کی ایک تابک تھی۔ میں بغیر کچھ کہے دروازے
 کی طرف بڑھا گیا۔

میں نے ستر پر بے چینی سے کڑھت بدلی۔ مجھے احساس تھا
 کہ میں سوئے سوتا رہا ہوں۔ لیکن اب میں جاگ گیا تھا؟
 اور میری آنکھیں بند تھیں۔۔۔ میں نے پرتھوون ہو کر نیلی کی
 کوشش کی تاہم نیلی ڈر رہی تھی۔
 ہم دونوں کے چھوٹے سے کمرے میں تھے۔ مجھ سے رہا
 نہیں گیا۔ میں نے کئی سے سمراتے ہوئے اس سے پوچھا۔

”قہر تو ابھی طرح جاتی تھی میں کس ان لوگوں سے نہیں
 چاہتا۔ جاتی تھی میں نا۔“
 اس نے اثبات میں ہلادیا۔
 ”اور پھر تم نے مجھے جانے پر مجبور کیا؟“ میرے۔
 میں نے ہنسی کی۔
 اس نے میرے کندھے کو تھپتھپایا اور میری آنکھوں میں
 دیکھا۔ ”تمہارا چاہنا ضروری تھا ڈینی۔“ اس نے غلاں سے
 کہا۔ ”میں نے تمہاری ازدواجی زندگی میں ایک خلا رو دیا تھا
 یہی نہ بھرتا۔ تم خوش گمانی میں جھلا رہے“ حقیقت یہی
 جان پاتے۔“

میں نے غصہ خیز جواب دے کر کہا۔ ”نیک کہتی ہو۔ اب میں
 نے حقیقت جان لی۔“
 ”اب جو کچھ بولا ہے بھول جاؤ۔“
 ”بھول جاتا ہوں۔۔۔“ میں نے کہا اور ہنسنے لگا۔ کچھ باج
 لکی جس میں وہ بھی نہیں جانتی تھی۔ ”کوئی کیسے بھول سکتا
 وہ سب کچھ جو ساتھ لیا کر گیا ہو۔۔۔“ مشترکہ سوچ میں
 خوف۔ بھلا ہمارے۔۔۔ تم سانی سے کہہ سکتی ہو۔ لیکن میں
 بھول سکتا ہوں۔ کیا میں اپنے جسم کا سارا بوجھ نہیں بہا دوں
 اچھا ہو یا برا خوش ہو یا غم میں بھول سکتا ہوں؟ کم
 اپنے والدین کو بھول سکتی ہو؟ کیا اچھا اور برا رشتوں
 زیادہ دہم ہو سکتے؟
 ”نہیں ڈینی۔ تم سمجھ نہیں۔“ اس کے لہجے میں
 تھی۔ ”یہ سب بھولنے کی بات نہیں بلکہ یہ تو یاد رکھنے کی بات
 ہیں۔ جو دکھ پہنچا ہے بھول جاؤ۔۔۔ وہ دکھ ہے جو اچھے
 بنا دیتا ہے۔۔۔ دکھ جو آدمی کو کھینچتا اور غصہ دور بنا دیتا
 ہے۔ تم اس وقت دور ہے۔۔۔ میں اس دکھ کو بھولنے کی بات
 کر رہی ہوں۔“

میں اس کی بات سمجھ نہیں پا رہا تھا۔۔۔ یہی کیسے بھول
 ہوں میں؟ ”میں نے بے بسی سے کہا۔ ”یہ اس شخص ہی
 حصہ ہے۔“
 ”نہیں ڈینی! انہیں ہے۔ یہ اور بات ہے۔۔۔“ وہ مجھ
 لپٹ کر اٹھ کر مجھے چمکے۔ ”میں تمہارا ایک دکھ بھلا دوں گا
 ڈوروں کی۔ میں تمہیں ایسا کروں گی کہ میں کسی طرف
 باتیں یاد نہیں۔“
 ”ان کو ان کی کیسے کر سکتا ہے؟“ میں نے حیرت سے کہا۔
 ”میں کتنی ہوں اور کروں گی۔“ اس نے سر کو ہنسی سے

”ہاں تمہارے لیے اپنی جہت ہے۔“ اچھی کہ تمہیں کسی
 اور کی بہت کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔“
 جب میں بھج گیا۔ میں نے غصے سے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے
 دس سے لگایا۔ اس نے ہمدردی کا تھا مجھ سے اور میں جانتا تھا
 کہ وہ گہم ہے۔ میں نے یہاں کیا کر کے والے وقت میں وہ
 اچھا ہو یا برا۔۔۔ ہر آکاش پر طرقات اور مریضی اس کے دھج
 تھکے۔۔۔ چاہے کچھ ہوگی وہ اب میں کتنی چاہتا ہوں گا۔
 تبدیلی کی 15 ستمبر 1936ء

میں نے یہ پڑھ رہا ہے۔ چوٹی میں یہاں ہمارے بوجھ سے
 ہر اسی میں۔ ہمارے لیے وہ حسرت آواز بھی دے رہی تھی
 میں جانتا تھا کہ تو کیا چھوڑے کو کھنچ آ رہا ہے کہ میں ہوں۔ مجھے
 یاد آ رہا تھی۔
 میں جو سوئس کسٹمس اٹھائے ہوئے تھا وہ زیادہ ہماری
 کھلی تھا۔ ہمارے پاس زیادہ کپڑے تھے یہ نہیں سوچا تھا
 کہ میں اس کا دس کا تو اپنے اور اس کے لیے کچھ ڈھنگ کے
 کپڑے خرید دوں گا۔ اچھی تو جو عورت بہت رقم دے کہ وہ
 کسٹمی کا سامان خریدے۔ میں صرف ہوتی کئی بلکہ اس کے
 لیے کئی ناکا کی تھی۔

چوٹی میں وہ دروازے کے سامنے ڈکی اور لپٹ کر
 سمراتے ہوئے دیکھا۔ چالی اس کے ہاتھ میں تھی۔
 میں تھکا سہلا ”دروازہ کھولنا ہے ہمارا کمرہ ہے۔“
 اس نے چالی میں غصے والی اور اسے گمراہ دروازہ آہستہ
 کھولا۔ میں نے سوئس میں ایک طرف رکھے جھک کر اسے
 دیکھا۔ اور پھر پانچ پانچ پانچ کے پانچ میں رہا ہو گیا۔
 وہ اب بھول چکی تھی۔ میں نے اس کا اپنا دیا۔

”فدا ہمارے کمرہ کو خوشیوں سے بھر دینی ضرور۔“ وہ بولی۔
 وہ چھوڑا سا پانچ تھی۔ تجلیوں ڈور ہانڈ کر کے میں بھی
 بھول رہا تھا۔ میں کر کے اور ایک ہاتھ میرے گھر میں

لف فیدرنگ تھا۔ لیکن بہر حال وہ صاف تھرا تھا۔ گرم مٹی
 کی ایک تھپکی۔
 اس وقت کے لیے میں نے فوڈ اور کھانا خرید کر لیا تھا۔ پارٹر
 میں اب ڈور کسٹمس ایک بڑا ڈنڈ ایک ڈور
 میں اب ایک کھانا تھا۔ جینٹ وینڈ وینڈاں برقع اور دوسری
 میں اب ایک کھانا تھا۔ جینٹ وینڈ وینڈاں برقع اور دوسری

تھام رہا تھا۔ ہم قہر میں نہیں تھے۔
 ”جاک۔ سامان یاد کرو میں نے ک۔“ نیلی نے مجھ سے کہا۔
 ”کئی بھڑام۔“ میں نے خوش دلی سے کہا اور دروازے پر
 کاربوئٹس کسٹم اٹھا لیا۔ ”میں نے بیڈ پر بیٹھ دیا۔“
 ”ڈینی یہ گندے سوئس بیڈ پر ہے جانا۔“ اس نے ستر
 لہجے میں کہا۔ ”یہ دل نہیں ہمارا گھر ہے۔“
 چاہے وہ بیٹے ہو۔ دیکھا۔ عورت کو مجھے یہ غصہ
 جانتا تھا۔ وہ سن جاتی ہے۔ میں نے جلدی سے سوئس
 کچھ دیکھے۔ پھر میں بیڈ کے نرم کلا سے پر قلابازیاں لگانے
 لگا۔ ”ڈو یہاں تو آؤ۔“ میں نے اس سے کہا۔
 ”کیوں؟“ وہ کھنچا۔ میرے غصے کو دیکھ رہی تھی۔
 ”تمہیں کچھ دکھانا ہے۔“

وہ ایک دم میری طرف بھڑک گئی۔ میرے لیے اتنا
 تو کافی تھا۔ میں نے اسے اپنے پاس لیا۔
 ”یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے ڈینی۔“ وہ میری گود میں
 بے حال ہونے لگی۔ پھر میں نے اس سے میری جسامتوں پر
 احتجاج کیا۔ ”کیوں ہو گئے ہو؟“
 ”آئی تو یہ بی۔“
 وہ ایک دم مجھ سے ہو گئی۔ ”ڈینی تمہیں کوئی بچتا نہیں
 ہونے دے گا۔“
 ”کیسا بچتا؟“
 ”اس کے کمرے نے مجھ سے شادی کی۔ میں بہترین بیوی
 ثابت ہوئی۔“

میں نے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں سے پیالے
 میں ڈال دیا۔ ”میں اس کا تو مجھے یقین ہے۔ کاش میں تمہیں بھی
 پائیں نہ کروں۔“

میری انگلیاں جھپکیں تو مجھ اس کے آنسوؤں کا احساس
 ہوا۔ ڈینی۔ پانچ میں نہیں نہم سے پائیں ہوں گی اور نہ میں
 کسی بچتا ہوں گی۔

میں نے لگا کر غصے کی جیٹے کی اطلاقی ہنسی کی۔ ”میں
 دیکھتا ہوں۔“ میں نے دروازے کی طرف بیٹے ہوئے کہا۔
 پھر میں نے دروازہ کھول دیا۔
 نیلی کی لاما ایک پادری کے ساتھ کھڑی تھیں۔ ان کے
 ہاتھ میں ایک چھوٹا شاپک بیک تھا۔ وہ مجھ سے دیکھ کر

منکر نہیں۔ "ہیلو ڈینی؟"
 "ہیلو ماما۔" "میں نے کہا۔" "آجے۔" "تشریف لے جائے۔"
 وہ ایک لمبے گوشہ سر کی سے چھپا گیا۔ "میں قادر برحق کو
 ساتھ لائی ہوں۔"

"میں بادی کی طرف ہوا اور اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔
 "پلیز فار امان"
 میری سانس کے چہرے پر سکون نظر آیا۔ شاید انہیں مجھ سے
 یہ امید تھی۔ قادر نے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "ہیلو
 ڈینی۔ تم سے مل کر خوشی ہوئی۔"

"جن کی طرف سے نیلے نے کہا۔" "ممن آیا ہے ڈینی؟"
 "تمہاری ماما قادر برحق۔" "میں نے جواب میں کہا۔
 وہ مجھ کی ہچکی باری آئی۔ اس کا چہرہ منتشر ہوا تھا۔ اس نے
 ہاں کے رخسار کو چہرہ قادر سے ہاتھ ملایا۔ "مجھے آپ کی آمد
 سے بہت خوشی ہوئی ہے قادر۔"
 "میں تمہارا بڑا دوست ہوں میری بیٹی۔ مجھ سے رزی
 باتیں نہ کرو۔"

مزے مینے نے جتنا نظروں سے میری طرف دیکھا اور
 شاہک بیک زمین پر کودیا۔ "میں مگر کے لیے کچھ چیزیں لائی
 ہوں۔" وہ بولیں۔

نیلے نے شاہک بیک کھول کر اس میں ہاتھ ڈال کر
 اعلیٰ زبان میں جلدی جلدی کچھ لے لے لگی۔ اس کا بچہ بیٹائی
 تھا اس کی ماما نے بھی اعلیٰ زبان میں جواب دیا۔ پھر نیلے میری
 طرف مڑی۔ "ماما کھانے کی چیزیں لائی ہیں ہمارے سنے
 کمرے کے لیے تاکہ اس کمرہ میں بھی بموک نہ آئے۔" اس نے
 وضاحت کی۔

میں سبیلہ کی طرف مڑا۔ لوگ ایک دوسرے سے مختلف
 ہوتے ہیں لیکن ان کے بنیادی لکھنات مشترک ہی ہوتے
 ہیں۔ مجھے یاد ہے جب ہم بزرگ تین دالے کمرہ میں مبتلا
 ہوئے تو میری ماما کی وہاں بس سے پہلے بڑے اور کھٹک
 لے کر گئی تھیں۔ "شکر ہو ماما۔" "میں نے بے حد مدحوں سے کہا۔
 انھوں نے ہر ادھر غصہ پھیلایا۔" اس کی ضرورت تھیں۔
 اب تو مجھ سے بیٹے اور اکٹھے ہیں وہ اب کچھ محسوس دے پائی

جودے کو دل چاہتا ہے۔
 "کافی کے بارے میں کیا خیال ہے۔" "نیلے نے کہا۔
 "ڈینی تم جاکر ایک لے کر آنا۔"
 ماما بھی نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں ان مجھے کچھ نہ کر سکتا تھا۔"

ہے اور قادر برحق نے مجھ کو دعا دیے کے لیے آئے ہیں۔"
 نیلے بادی کی طرف مڑی۔ "شکر ہے قادر۔ مجھے جج بہت
 خوش ہوئی۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مجھے خود تھا کہ۔"
 بادی نے اس کی بات کا رد دی۔ "اور میں نہیں نیلے ایک
 کوئی بات نہیں۔ مجھے یہ شک اس پر باقی ہوئی کہ تمہاری
 شادی میرے انھوں نہیں ہوئی۔ لیکن اس کے باوجود میری
 خوشی واقعی ملے۔"

نیلے کے چہرے پر سایہ ساہم آگیا۔ "لیکن میں تو بھی کئی
 ہمارا شادی چچ میں ہوئی تھی۔"
 بادی بولیں پر مسکراہٹ سمجھنے سے مجھ سے جاملے۔
 "اگر جج محسوس میں چچ میں تمہاری شادی ہو تو تمہیں
 اپنی شادی میں بھی کہنے۔"

میں کمرے میں گئے۔ پہلی ہی نیلے پر مڑی۔ "یہ اچھا
 سوال نہیں ہے قادر ہمارے درمیان اس پر بات نہیں ہوتی۔"
 بادی نے اسے دیکھا۔ اس کی مسکراہٹ دوبارہ تھی۔ "تم
 جانتی ہو میری بیٹی کہ چچ تمہاری شادی کو کوئلہ تو نہ کرے لیکن
 اسے مستحکم نہیں کرتا۔"

نیلے کے چہرے پر زور کی کھینچ گئی۔ "میں جانتی ہوں
 قادر۔" وہ آہستہ سے۔
 "اور تم نے بچوں کے بارے میں سوچ۔" قادر نے مزے
 کہا۔ "وہ کئی بڑوتوں سے کئی مراعات سے محروم ہوں۔"
 اس پر جواب میں نے بڑا۔ "میں نہیں سمجھ کر والدین کے
 عقیدے کی وجہ سے چچ بچوں کو کوئی عریٰ دے گا۔"
 "یعنی تم اس بات کے خواہشمند ہو کہ تمہارے بچے چچ
 کے سامنے کچھ پروان چھڑا دیں۔" قادر نے کہا۔

"میں یہ کہہ رہی ہوں قادر کہ سچے اس لیے عقیدہ منتخب
 کرنے میں آزاد ہوں گے۔ اور جب تک وہ فیصلے اس کی عریٰ کو
 پہنچیں گے مجھ ان کی اپنی ماں کے چچ سے واضح نہیں ہو سکتی
 اعزاز میں میں گاہ۔"

نیلے مجھ سے قریب آئی اور اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ "میرا
 خیال ہے اس کی باتیں بہت نقل و منت ہیں۔ اچھی تو شادی
 ہوئی ہے ابھی۔"

بادی نے باری بادی ہم دونوں کو دیکھا۔ "نیلے ایک
 کہتے ہوئے کی حیثیت سے تم آئیے ڈینی وہاں سے
 واقف ہو۔ بعد میں ناخن ہونے سے بچنے کے لیے آئی کو
 پہلے ہی ضروری فیصلے کر لینے چاہئیں۔"

"آپ کے حلقے خاطر کا شکر ہے قادر۔" نیلے نے مضبوطی
 ہر ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ "لیکن یقین رکھیں کہ میں وہ
 سے میں کوئی دشواری نہیں ہوں جس میں ہم دونوں کی
 اور بچہ بچری ہو۔ اور اس کی طرف جب بھی آپ کا آنا ہو
 سکر ضرور آئے گا۔"

بادی کا چہرہ بے حد قہار تھا۔ "ایک بادی کی زندگی میں تو
 کا مقام آتے ہی رہتے ہیں۔ اور وہ بھی انسان ہی ہوتا
 ہے۔ ایک بات تو گور رہنا ہی اور دعا کے لیے اس کی طرف
 ہے۔ نیلے نے مجھے امید ہے۔ اور میں تمہاری خوشیوں کے لیے
 ہاں کی گردن گاں۔"

"آپ کے شکر گزار رہیں گے قادر۔" میری بیٹی نے
 کہا۔ وہ اب بھی میرا ہاتھ تھامتے ہوئے تھی۔
 میں قادر برحق کو رخصت کرنے کے روزانے تک گیا۔ وہاں
 اس نے میری طرف ہاتھ بڑھایا۔ "تم سے مل کر خوشی ہوئی
 ہے۔" "انھوں نے کہا۔ لیکن اس بار اس نے کچھ میں
 چچی کی آمد کو اس کے ہاتھ کی رخصت۔"

اور روزانہ بند نہ تو تھا نیلے ماں سے اعلیٰ میں شروع
 کی کراس باس کا لہجہ تھا قادر ماں کا انداز ناگہان تھا۔ بلکہ
 نیلے کی انھوں میں آہوا گئے۔ میں بے اس کو مار دیکھا اور سنا
 دے میں کچھ بھی نہیں ملتا تھا۔ مجھ کو ملکہ کہہ دو تمہاں نے ماما نے
 کی رحمت سے لپٹا کر بچا کر لیا۔

نیلے میری طرف مڑی۔ "ماما خرمنہ ہیں کہ قادر کو یہاں
 اس کی اس مقصد ہی نہیں تھا۔ یہ بیٹی ہیں کہ کہ انھیں کا
 کو اسے خرمنہ ہیں۔"
 میں ایک تھیں دیکھ کر ہلکا کر دیا۔ "آپ کو خرمنہ
 کی ضرورت نہیں ماما۔" میں جانتا ہوں کہ آپ صرف
 کی سبکی لگ کر گئی ہیں۔"

"کے انھوں نے مجھے لپٹا لیا اور میرا رخسار چوم لیا۔" تم
 مجھے دیکھو۔ "انھوں نے زبردہ زور دیا کہ میں کہیں نہیں
 کی کا دل رکنا۔ میں اور بچہ نہیں چاہتی۔"
 اس کی لگنے نہ کریں ماما۔ میں نے نیلے کی طرف
 اس سے وعدہ کر لیا۔ "یقیناً میں یہ کام میں زندگی
 اس کی خدمت کروں گا۔"

وہاں سے بعد میں نے اپنا منہ موٹ کر لیا۔ اس میں
 وہاں میں جا بیٹھا اور لیو پر ہوسٹیک سنگلے۔

نیلے آئی اور میرے سامنے کھڑی ہو گئی۔ "یہ بتاؤ میں کیا
 پسند کروں گے؟" اس کے لیے میں چھپتی تھی۔
 "تمہارا مطلب ہے کہ میں کھانا کھانا کھانا آتا ہے؟"
 "یہ بات کا بائیں میں نہ کروں۔" اس نے منہ سے کہا۔
 "میری کاپ کا جواب دو۔"

"نیلے! مجھ کو! آج کھانا باہر کھا گئے۔" "یہ لے کر
 کر گیا۔"
 "ہرگز نہیں۔" بہت مضطرب تھا۔ گاہ جب تک تمہیں جواب
 نہیں ملتی۔ میں اپنی بیٹی بھی نہیں دے گا۔ اور کھانا ہوگا۔ بعد میں
 چچی چاہے کر لیتا۔"

"نیلے! ہمارے احرام کی نظر سے دیکھا۔ ہر روز مجھے
 احساس ہوتا تھا کہ وہ کچھ اور بڑی ہو گئی ہے۔ میں اٹھا اور میں
 لے کر بیٹھ کر کودا۔ "چچی چاہے کیا۔" میں جانتا ہوں کہ تم
 یہاں بھی مجھے حیران ہی کر دئی۔" میں نے کہا۔ "میں ذرا کام
 کی تلاش میں تھا ہوں۔"

باہر نکلا دوپٹے میں میری آنکھیں بندھا گئیں۔ میں چند
 لمبے گھبراہٹ اور چٹا رہا۔ ہر عجب سے انھیں اس کی طرف چل
 دیا۔ میرے سامنے ایک جاکب ایک سایہ آگیا۔ بغیر دیکھے
 اس سے تکرار کر رہا تھا کہ کسی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ
 دیا۔ مجھ کو پہچانی ڈاؤن میری سماعت میں پھٹی۔ "اب جب
 کہ تم یہاں آ گئے اور میں ملے ہوئے کو ڈینی تو میری عروس
 کہتا ہے کہ تمہارا کچھ بڑا کر گیا ہے۔"

میرے رخسار کو دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ "میں جانتا تھا کہ وہ
 کون ہے بلکہ میں اب اس کے انصاف کی توقع کر رہا تھا۔ میں
 جانتا تھا کہ اس طرح کے لوگ کبھی مجھ کو بھولے نہیں۔
 اس پر میرے سامنے تن کر کھڑا تھا۔ اس کے انھوں پر
 مسکراہٹ تھی۔ اس کا طبع بدل گیا تھا۔ وہ ایک تھیں قیامت
 سوٹ پھرتے ہوئے تھا۔ اسے دیکھ کر ایک لمبے کوٹھے میں ایک لاکھ
 میری آنکھیں دھوکا کھاتی ہیں۔ "میں ذرا جلدی میں ہوں۔"

"میں نے کہا اور گے بڑے کی کوشش کی۔"

اس نے میرا بازو مضبوطی سے تھام لیا اور اس کا دوسرا ہاتھ
 جبکہ کی جیب کی طرف کیا مجھے اس کی کن کی ایک کھٹک نظر
 آگئی۔ "میرا خیال ہے اب تمہیں کاپ جلدی میری ہو گئی ڈینی؟"
 میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "اب ایسی جلدی مجھے نہیں
 ہے مجھے۔"
 اس نے سبیلہ کی طرف اشارہ کیا جہاں ایک کار کھڑی

تھی اس کا منہ جاگ رہا تھا۔" میں قہقہہ ہنساؤں۔

سے جھک گیا۔

میں نے دروازہ کھولا اور غصے کی لشت پر بیٹھ گیا۔ وہاں کھڑے پہلے سے موجود تھا۔ "ہیلو ڈی! اس نے آہستہ سے کہا اور پھر ایک قوت سے میرے پیٹ میں ٹھنسا ٹھنسا ہلنے کی کیفیت کی شدت سے دہراؤ کر کے فرش پر بیٹھ گیا۔ کار حرکت میں آئی تھی۔ "یہ سب کچھ نہ کرو۔" اسپتال نے کہا۔ "اس کو برا لگے گا۔" "یہ جرم زادہ میرا بہت مشرق ہے۔ کچھ حساب تو بکالوں۔" اسپتال نے کار سے قدام کھینچے اٹھایا اور پیٹ پر بٹھا دیا۔

اب میں ان دونوں کے درمیان تھا۔ "میں یہاں سے حساب کے بارے میں ہاں سے کچھ نہ کہتا۔" دوسرا لگی باراس سے زیادہ غصے میں پڑ گئے۔ "اس نے مجھے دھمکی دی۔"

میں نے سر کو بھیجی جھنجھ دی۔ اس وقت تو میں کچھ کہنے کے قابل نہیں تھا۔ چند من بعد میری نگاہ میں اس کی بات آئی۔۔۔ انگلی باراس کا مطلب صاف تھا۔۔۔ بچہ چاہے کچھ بھی ہو۔ لیکن اس بار میری بخشش ہو گئی تھی۔ کیوں۔۔۔ کیسے؟ یہ میری نگاہ میں نہیں آ رہا تھا۔ کیوں کہ میں فیلفیڈ جیسے کین پر دروازہ حراست لوگ کی کوئی آسانی سے معاف نہیں کرتے۔

کار فیلفیڈ کے اسٹور کے سامنے ٹکی۔ ہم اترے۔ اسپتال میرے آگے تھا اور کھڑکے میرے پیچھے۔ ہم اسٹور سے گزرے اور میڑھی چل کر وہ کار فیلفیڈ کے اپارٹمنٹ تک پہنچے۔ اسپتال نے دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے؟" اندر سے فیلفیڈ نے پوچھا۔ "میں ہوں ہاں۔ ڈیوٹی فز کو کھانا ہوا۔" اسپتال نے جواب دیا۔

"اندروں کے۔" فیلفیڈ نے چیخ کر کہا۔

اسپتال نے دروازہ کھولا اور کھینچے اندر دھکیلا۔ میرا پیٹ اب تک ڈھک رہا تھا۔ میں پہلے کھینچ کر باہر نکلتا تھا۔ اب کم از کم میں سیدھا جا کر آکر ہوسکتا تھا۔

میں کی فیلفیڈ اپنی ڈھیک کے عقب میں ہماری ستون کی طرح کھڑا تھا۔ اس کی دکان ہوئی تھیں۔ یہ میری نگاہ میں۔ تو تم یہاں سے دور نہیں رو سکتے تھے؟ تمہیں دکان بھی آتا تھا۔" یہ کہہ کر وہ کمرہ میری طرف آیا۔

میں نے جواب نہیں دیا۔ اس نے دیکھا رہا۔ اب میں خوف زدہ نہیں تھا۔ اسپتال نے ان جانے سے کہ میرے کمرہ کی بات بتائی تھی۔ پھر میں نے فیلفیڈ کے ہاتھ کو تنہی شکل میں کھوم کر اپنے چہرے کی طرف آئے۔ دیکھا تو جہلی طور پر میری بھرتی



کھی نے خفے سے اسے دھڑکایا۔ "اب تم دوسرے سے مل جاؤ۔" وہ دہرایا۔

ایزرا میری طرف دیکھے بغیر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ ایک لڑکے کو دروازے پر اس کے قدم ٹھکے تھے۔ وہ پلٹ کر دیکھ کر بھاگتی ہو۔

فیلفیڈ میری طرف حرا۔ "میں کی فیلفیڈ کی گرفت سے کوئی نہیں نکلا۔" کوئی نہیں۔

میں اسے دیکھ کر ہاتھ کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ تو اس کا لڑکھانہ تھا۔ میں سوچ رہا تھا۔۔۔ ڈیڑھ ایکوں دانیوں کی؟۔۔۔ میں کیا کیا؟

فیلفیڈ نے دیکھ کر پیچھے ہٹ کر میری پیٹھ پر ہاتھ رکھا۔ اب وہ کھینچ رہا تھا۔ "ایک فیلفیڈ جیسی فیلفیڈ سے کوئی نہیں نکلا۔" کوئی نہیں۔

"میں دیکھوں گا۔"

اس نے اپنا جام خالی کیا اور مجھے کھوئے ہوئے ہوا۔ "اب تم پاسکتے ہو۔"

مجھ ابلی امت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ میں اب بھی غصے میں آئی آتی تھی۔۔۔

تم نے کیا نہیں کیا۔ وہ دہرایا۔ "وضع ہو جاؤ اور مجھ سے الگ رہو۔ کسی تمہارا نہیں دے گی۔" اگلی بار اس کا ہاتھ نہیں ہوگا۔ "اسی وقت میرے رکے فون کی

کھینچی۔ اس نے ریموڈر اٹھایا اور مادھہ میں میں دہرایا۔ "ہیلو۔" گھڑوری طرف کی آواز سننے میں اس کا کچھ اس کے چہرے کا تاثر اور اس کی آواز بھی کچھ بدل گیا۔ "ہیلو سام! اس نے بولی تھیں۔ یہ کہا۔ مگر وہ دوسری طرف کی بات سنتا رہا۔ ایک ایک اسے میرا خیال آیا تو اس نے مادھہ میں پڑا ہاتھ دھوئے ہوئے کہا۔ "اسپتال اگر یہ خود سے نہیں جانتا تو اسے اٹھا کر باہر بھیج دو۔"

مجھ اب کسی دھت نامے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں تیزی سے وہاں سے نکل گیا۔ ہارمز پر ہا کر مجھے احساس ہوا کہ میں آزاد ہوں۔ یہ میں اب بھی نہیں تھا۔ بار بار آکر فیلفیڈ نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ ایک ہی بات مجھ میں تھی کی کڑی دہرائے اس کے لیے فیلفیڈ سے ڈیل کی ہوگی۔ شاید اس لیے وہ مجھے سے نظر نہیں لادری کی۔ ہاں۔ یہی بات ہے۔ اب کچھ تو میری مجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

میں نے کھڑکی میں وقت دیکھا۔ ڈھائی بجے تھے۔ مگر جانے کا کوئی ٹاکہ نہیں تھا۔ سوچا۔ کیا میں نے کچھ کرنا نہیں کیا تو اس وقت کے بارے میں بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔

میں بار بار بھینوں میں گیا۔ مگر بات نہیں تھی۔ انھوں نے مجھ سے لگے روز کے وقت آنے کو کہا۔ چار بجے کے قریب میں کمرہ کی طرف چل گیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ گنگ روز میرے

مزا سنائیڈر۔ میں سونے کے لیے جلدی لیت گیا تھا۔ مکررات
عجب ہی بے چینی رہی۔ اچھی خینڈ نہیں آئی۔“

لایا۔ ”کیا ہوا میری شخصی گزیا کو؟“ میں نے انگلی سے

۴۔ میں نے سہا بھی نہیں تھا۔ غلی کو خود ایک ہفتے سے

ہے۔ گلے آئے ہوئے ہیں۔ نزلہ ہے اور بخار ہے۔ میں سو لکھ
ماہوں۔ حسب ہدایت استعمال کرتی رہیں۔ جلد ہی ابلوں

پھر دیکھتے ہی دیکھتے، میرے ہاتھوں میں اس کے جسم میں کھنکھو سا آیا۔ اگر ان کی پیدا ہوئی، اور اس کے چہرے کی رحمت ملی ہوگی۔

پہلی، دوسری اور تیسری بار اس کی پیٹھ پر ہاتھ مارا۔ وہ مجھ سے ایک قدم آگے تھکی گئی۔ میں اس کی پیٹھ دیکھ رہا تھا۔ سیدھی اور سخت کر۔ وہ مضبوط تھی... ہمیشہ مضبوط رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، نہ ہونٹوں پر مسکایاں، نہ اپنے دکھ کوئی نگاہ۔ میں اس کی سیاہ آنکھوں میں اس کا دل غرق تھا۔ افسوس، یہ وہ دن تھا جسے بھلا نہ کر سکتا تھا۔

ام کی ضرورت ہے۔ "میں نے کہا۔
 وہاں سے میری طرف مڑی۔ "مجھے بالکل محسوس نہیں ہے
 میں اسے اس کا ہاتھ قلم لیا۔ وہ برف ہو رہا تھا۔ "بہتر
 ہے کہ اسے ہٹا دیا۔"
 اس کی آنکھیں پھر دم کے دروازے کی طرف اٹھیں۔ پھر

”قادر برین نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔“ میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ”آج چچ میں بھی انھوں نے یہی کہا کہ خدا ہماری بچی کو خوش آمدید کہے گا۔“ میں نے اس کے چہرے کو دو ٹوک جوابوں میں تمام لایا۔ ”ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، اب بھی کرتے ہیں۔ بس خدا اس لیے اتنا ہی

اسے لگا اور پھر ایک جینٹ اہلکار لہڑی میں لڑکے لگا رہے۔
 قدموں کی چاب بھری اور ایک سر دانا ڈالے گا۔" یہی
 ہے۔۔۔
 میں نے غصہ کر دیکھا۔ پارکسے روانہ ہو چکا وہ دوسروں
 کے ساتھ کھڑی تھی۔ اس کا چہرہ زرد اور سٹاؤ تھا۔ میں جلدی
 سے اس کی طرف بڑھا۔ اس لیے میں نے دونوں مردوں میں
 سے ایک کو پکڑا لیا۔ وہ ویلفیرڈ پائنٹ کا وہ ادرسی ٹیکر
 تھا جسے وہ پہن کر کھڑے رہا تھا۔
 اس کی ناک پر ایک بیڑنگ بیڈنگ تھی، ایک آنکھ سوچی
 ہوئی تھی، اور اس کے بچے کھلے تھے۔
 دوسرا آدمی میری طرف بڑھا۔ اس نے مجھے پولیس کا ٹاج
 دکھایا۔ "تم ڈیوٹر ہو؟" اس نے مجھ سے پوچھا۔
 میں نے اثبات میں سر ہلایا۔
 "مسٹر مورگن نے تم پر مار پیٹ اور تشدد کا اہرام کا حکم کیا
 ہے۔ مجھے تمہیں حراست میں لینا ہے۔"
 میرا سہم نکلا۔ واقعی... اس دن میں نہ جانے اور کیا کچھ
 ہوتا تھا۔ وہ اتنی شخصیت ہوا تھا۔ پھر میں نے ٹکلی کو دیکھا اور
 میرے جسم کا سارا تانہ ایک نکتہ دوڑھک رہا۔ "میں اپنی بیوی سے
 چھوٹا ہٹ کر نکلتا ہوں؟"
 اس نے ایک لمبی سر سے پاؤں تک مجھے دیکھا اور پھر سر
 ہلایا۔ "غصہ۔" اس نے نرم لہجے میں کہا۔ "میں باہر حرا
 مینڈا کرتا رہا۔" یہ کہہ کر اس نے مورگن کا ہاتھ اٹھا اور اسے
 دیکھا تو اسے اڑھائیت سے ابرے لے گیا۔ دروازہ بند کرنے سے
 پہلے اس نے پلٹ کر مجھے دیکھا۔ "وہ زبردہ ہو گیا ہے۔"
 میں نے ٹھکرا کر غصہ خیزوں سے اسے دیکھا۔
 نیلی خاموش کھڑی اپنی نظروں سے میرے چہرے پر کھینچ کر
 رہی تھی۔ پھر وہ میری باتوں میں سانس لے کر میرے کندھے پر سر
 لگا کر کھینچنے لگا۔ "ڈیوٹی۔" میرے ذہنی ادب کا ہوا کہ اب ہم کیا
 کریں گے؟
 میں نے فزی سے اس کے پانوں کو چھو پچھایا۔ کیا کہوں، یہ
 سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ میں نے بھی نہیں جانتا تھا کہ ہوا اور دھم
 کیا کریں گے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ چاروں دیوار پر میں
 گھیرے میں لیے آگے بڑھی آ رہی ہیں۔ دراصل میں ہم ان
 کے درمیان گھٹ جائیں گے۔
 "یہ لوگ تمہارے ساتھ کیا کریں گے؟" میں نے انہیں دیکھا
 لہجے میں پوچھا۔

میں نے کندھے سے جھک دیا۔ "مجھے نہیں معلوم۔"
 نے کہا۔ مجھے کوئی پروا بھی نہیں تھی۔ ایک عجیب سی سہ
 میرے جوش میں کھل چکی تھی۔ شاید مجھ پر میں بنے گا اور
 سات تک کے لیے مجھے مار کر ہچکا جائے گا۔
 "لیکن اگر انھوں نے تمہیں حالات میں بند کر دیا تو؟"
 میں نے سر کے ایک گوشے کی۔ "میں نہیں جانتا۔"
 صرف اسے نہیں، خود کو بھی ہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔
 اتنی اہمیت نہ۔۔۔ میں میں چرخوں میں داپس آ جاؤں گا
 "لیکن مسٹر مورگن بہت پرے رہے ہیں۔ وہ کبھر
 کہ جس میں جیل میں رہا ہوں۔"
 "وہ ڈیوٹ آ رہی، وہ پکڑ گیا نہیں جانتا۔ جب میں
 تیار ہوں گا تو وہ مجھے چھوڑ دے گا۔ تم گر نہ کرو۔"
 میں نے تمہارے لیے کھینچا بہت بھاری ہون ڈیوٹی کا
 تم داپس میں آئے ہوئے۔"
 "اگر میں داپس آتا تو اس وقت دیوٹی کا کیا سب
 نعمت سے ختم ہوتا۔" میں نے کہا۔ "جو کچھ ہوا ہے، اس
 نتیجہ دار کوئی قصور ہے نہ میرا۔ یہ قسمت کی بات ہے۔"
 اہلکار ہمارا سامنے کھڑے رہے۔
 وہ روانہ ہو گیا۔
 "میں ابھی ایک منٹ میں آیا۔" میں نے پکارا اور پھر
 کی طرف دیکھا۔ "تم قریب جاؤ، آرام کرو۔ میں چکر
 میں داپس آ جاؤں گا۔"
 اس نے کھب بھری نظروں سے مجھے دیکھا۔ "جی۔"
 رہے ہو؟
 "ہاں، جیسا۔" میری غیر موجودگی کا احساس تک نہ
 پائے گا اور میں داپس آ جاؤں گا۔" میں نے لہڑی میں
 جینٹ نکالے ہوئے تھا۔
 میں ان دونوں کے ساتھ باہر مڑک آیا تو مورگن
 ڈانٹا نظروں سے مجھے دیکھا۔ "میں نے تم سے کہا تھا
 ذہر پر لہجے میں ہوا۔
 میں خاموش رہا۔
 پولیس والا میرے درمیان تھا۔ اس نے اے سے ہڑک
 "ڈنٹ! مورگن، یہ لڑکا پہلے ہی بہت پریشان ہے۔
 سناؤ مجھیں۔"
 میں نے ان ہتھیوں سے پولیس والے کو دیکھا۔
 نگاہ تھا کہ وہ مورگن کو پونہ نہیں کرتا ہے۔ انھوں نے

میں نے وہ جاک کا معاملہ لے کیا ہوا کہ میں نے پولیس
 سے پوچھا۔ "عام طور پر اس طرح کے معاملات میں کیا
 ہوتا ہے؟"
 "میں نے میری طرف دیکھا۔" ہم پچا کا نہیں تھے، اور پھر
 "ہاں۔"
 "جو سماعت تک قیاس آؤ اور ہوں گا؟"
 "بشرطے تمہارے پاس ضمانت ہو۔" پولیس والے کے
 گاہ میں رہ رہی تھی۔
 "ضمانت؟" میں اپنی حیرت چھپا نہ سکا۔ "کتنے کی
 ضمانت؟"
 "500 ڈالری تو ہوگی۔"
 "اور کسی کے پاس اتنی رقم نہ ہو تو؟"
 "تم تو سماعت تک جیل میں مڑے ہو گے۔" مورگن نے
 بہت تیزی سے جواب دیا۔
 میں پہلے پلٹ کر آؤں میں نے پولیس والے کی طرف
 دیکھا۔ "میں میری بیوی چارے سے اور آج وہ سہ چوری کتے
 دھالوں سے نکل رہی ہے۔ آج ہی تو میں نے اپنی بیٹی کو دیکھا
 جس نے رات میں اسے اکیلا کچھ پھوٹا کھا۔"
 اس نے ہم دونوں سے مجھے دیکھا۔ "مجھے انھوں سے
 ہے۔" اس نے نرم لہجے میں کہا۔ "لیکن میں کچھ نہیں سکا۔"
 "اگر وہ شخص پولیس اسٹیشن پہنچا ہے۔"
 "میں نہیں۔" میری بیوی۔ وہ اکیلے کیسے رہے گی۔ وہ بچی
 "اگر کسی کے پاس اتنی رقم نہ ہو۔"
 "لیکن اگر کسی کے پاس نہیں ہے تو؟"
 "میں اس کے ساتھ چل رہی ہوں۔ میرے ہاتھ پر اس کی گرفت
 ہے۔ وہ ہوتی تھی۔" میں نے اخبار میں پڑھا تھا کہ بھی تو پہلی
 میں اس میں بھی کی پٹنے لگ جاتے ہیں۔ میں نے مورگن کی
 نگاہ دیکھا۔ وہ پولیس والے کے اس طرف تھا۔ اس کے
 حالات بدتر تھے، لیکن اس نے نہیں بدترنے لگا۔
 وہ بچی پڑھا۔
 "میں سنا ہے کہ تم کچھ نہ ہو گے۔ لیکن پہلی سماعت تک
 سماعت سے بچنا ہے۔ میں اس دن تک لیا کر لیا کہیں
 نہیں معلوم کہ وہ اس دوران کیا کر بیٹھے۔ لیکن
 میں کیا کر سکتا ہوں۔"

میں نے اس کی روشنی میں دیکھی۔ ہمارے سامنے کے گاؤں
 گزرتے تھے۔ اسی کے راستے یا پھر پائس والے نے
 میرا ہاتھ چھو دیا۔ جیسے طور پر میں نے آگے کی طرف چلا گیا
 لگاؤ۔ ایک گاڑی کے برعکس چلا گئے۔ مجھے گھبراہٹ لگا
 پھر اٹھ کر میری طرف مڑک پارک کر گیا۔ حیرت ہے کہ میں
 کسی گاڑی کی پلٹ میں تھا۔ "آ۔۔۔ پھوٹ۔۔۔ پھوٹ۔۔۔ بڑک جاؤ۔"
 مورگن پکارا۔ پھر پولیس والے کی سیٹی کی آواز سنائی دی۔
 مگر اس وقت تک میں اسے لگے گا کہ پڑھ چکا تھا۔
 وہاں کچھ کر میں ڈکا اور میں نے پلٹ کر دیکھا۔ مورگن
 فٹ ہاتھ پر ابھرا تھا اور پولیس والا تن کر کھڑا تھا۔ وہ میری
 طرف دیکھ رہا تھا۔ مجھے دیکھا کہ اس نے ہاتھ ہلایا۔ اس کے
 ہاتھوں کی پکڑیں میں بھائی پڑیں۔ وہ تھک چکے تھے۔
 کبہ ہاتھوں میں تھا۔ مجھے ہمارے جانے کا اشارہ کر رہا تھا۔
 میں نے جان لیا کہ وہ اسے اڑھائیت میں بھی نہیں
 نہیں سمجھتا تھا۔
 میں لپکا پکڑ کاٹ کر اپنے گھر گیا۔ اس سے ملنا اسے
 سمجھا بہت ضروری تھا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ پریشان نہ
 ہو۔ مگر جب میں وہاں پہنچا تو پولیس کی کشتی گاڑی ہلانے
 کے سامنے کھڑی تھی۔
 میں نے مڑک پارک اور مخالف سمت میں چلنے لگا۔
 میرے پیٹ میں انھیں بھری تھی۔ میں نے کھڑی میں
 دیکھ دیکھا۔ سواں بچے رہے تھے۔ اب میں سوچ رہا تھا
 کہ میں نے کہا کہ گرفت کی ہے۔ اب خود کو پولیس کے
 حوالے کرنے کے سامنے ہے۔ پولیس کی راستہ میں تھا۔ پولیس
 ہمارا روتاؤ زندگی اسی طرح بھانے ہوئے تمام ہو جائے
 گی۔ داپس آنا نہیں آتی نہیں رہے گا۔
 میں سوچ کر میں کھڑی طرف چلا۔ گھر مجھے یاد آ گیا کہ میں یہ
 معلوم کرنے کے بعد گیا تھا کہ ضمانت مجھے حالات سے بچا
 سکتی ہے۔ میں رگ گیا اور سوچنے لگا۔ کہیں نہ نکلتے تھے۔ ہم
 کا بدلتا رہتا تھا۔ لیکن گھر والے اگر چاہے تو میری بیوی
 دہلیش کر سکتے تھے۔ اتنی بڑی رقم کا تو ان کے پاس قصور بھی
 نہیں تھا۔ میرے جانے والوں میں ایک ہی ایسا شخص تھا جو
 رقم دینے کی اہمیت رکھتا تھا۔ اور وہ تھا سام۔
 مجھے وہ گھنٹوں یاد آتی تھی۔ آخری بار ہمارے درمیان ہوئی تھی۔
 میں نے سوچا تھا کہ اتنا ایسے ہوتے ہیں مجھے کسی

چہ سال سے رنگ سے دور۔ میرے لیے کوئی چاش نہیں تھا۔ تو کیا ہوا۔ یہاں تو اس نے میرے ساتھ بیٹھ کر کہا۔
 چاہے وہ دو۔
 "میں، پریشان۔" اس نے صاف انکار کر دیا۔
 "میں وعدہ کرتا ہوں کہ آج رات یہاں جو چھوڑا دیکھا ہے، اس کے بارے میں کسی کو بھی بتاؤں گا۔"

اس کے چہرے سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ شاید آج ہی تھا۔ یہاں ایک نیا بان کی جوڑو جھٹکتا تھا۔ اس نے شرافت سے بات کی۔ انتہائی کی بجائے، وہاں انداز اختیار کیا۔ مجرے پیش آیا کہ اس نے دیا میں آگے بڑھنے کا اپنے لیے راستے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ یہ کہ جو چاہے، ہاتھ بڑھا کر لے لو، نلے تو جتن لو سام کا پانچا بھی نہیں تھا۔ تاہم اگر یہ اس کے لیے جائز تھا تو میرے لیے ناجائز نہیں ہوتا۔

"اب بھی اوروں سے ہی ہونے لگی۔" اس نے کہا۔ "مجھے دیا پر لازم ہے کہ تمہاری ہر ضرورت پوری کر سکوں۔"

"میں، اب میں وہ نہیں ہوں۔ سام۔" میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے منہ نیچے کیا۔ "جو اس وقت تمہارے سامنے کھڑا ہے وہ ایک نیا ڈنڈا ہے۔ مجھ پر جو بھگدڑ رہی ہے، اس کے بعد میں بدلے بغیر وہ بھی نہیں سک۔" وہ چار سال میں ریلیف پر رہا ہوں۔ صرف انہو اور مختلف لوگوں کا پیٹ بھرنے میں ہی میری توجہ تھی۔ اس طرح، یہ ایک ریلنگ کر گیا۔
 آج میں نے ایک ریلیف والی ٹیبلٹ پر صرف اس لیے ہاتھ اٹھایا کہ وہ مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ اپنی بیٹی کی ڈھنگ کے لیے میرے پاس تم کہاں سے آئی، اور میں نے اتنا نہیں جانتا تھا کہ میرے غریب پردہ پوش نے میری مدد کی تھی۔ اب وہ الوٹسٹیکل پیرس نے کر آگیا۔ میں ان سے جان چھڑا کر بھاگا ہوں۔ یہی میری بات ہے اور اب میرے لیے کٹر قیامت ہو گئی۔ اب اتنا کہہ دوں گا کہ میرے بعد کی زندگی جیسا رہا ہے، "میں سام، اب میں بھی پہلے جیسا۔"

اس نے شاید کچھ میری بات کاٹ دی۔ "اتنا کچھ اپنی بات کہو۔"

"تم نے سن لیا تو سب۔" میں نے سخت لیے میں کہا اور سرد نظروں سے اسے گوارا۔ "اب میں بھی پہلے جیسا تھا۔ ہوں گا۔ ہونا چاہوں گا کسی نہیں۔ اب تم، میری مدد کرو گے یا میں تمہاری تعلیم سرگرمیوں کے بارے میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔"

اس کی نظریں جھک گئیں۔ چند لمحوں میں وہ چھوڑا تھا اس کی نظریں کھانے جھکا کر کہا۔ "اے کون سے تم کہہ کر لیا۔" اس کے لیے میں تجسبی نہ تھی۔
 "تم مجھ پر احسان مند ہو۔" میں نے کہا۔ "میں نے کہا۔" وہ چہرہ پر ہنس کر گوارا کرنے کے اس دیا میں جھپٹنے کے لیے تھی۔ مجھے سمجھا ہے۔

میں بھی اس اندر داخل ہوا، اسے اتار لیا۔ لوگ نے ہنس کر کہا۔ "میں نے فراموش کیا۔" وہ چہرہ پر ہنس کر کہا۔ "میں بھی مسکرا رہا۔"

میں بڑے نفس پال میں داخل ہوا۔ وہاں سب کاموں میں مصروف تھے۔ میں کارٹر میں کھڑکی کے سر پر اپنی ڈیک کی طرف بڑھا۔ کرسی پر بیٹھ کر میں بائیں سے بائیں سے ہٹنے سے رکھتا تھا۔ اس کے سامنے میں نے دیکھا تھا۔

وہاں بیٹھے چہرے میں ہونے سے کہ میرا پرانا سا نظارہ کیا ہے۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔
 "لوٹنی۔" کھٹ نے بات شروع کی۔

میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔ "میں جانتا ہوں۔" لی۔ پاس مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔

"میں نے ثابت کیا ہے۔" اور میں نے سوچا۔
 "اور میں نے سوچا۔"

"تو انتظار کرو کہ بات کا ہے؟" وہ زور پلے لے کر کہہ رہا تھا۔ اس طرف میں مجھے دھوکا دیا۔ "یہ کہہ کر وہ اپنی ڈیک کی طرف ہٹ گیا۔"

کھٹ کو میں چھینڑا اور سنا تھا۔ اس کے باوجود وہ ابھی بھی تکی سے نڈوہ دینا کی کھلی بندیز میں اور سنا تھا۔ اس نے اس کی ساری اس کی کھلی جان کی بات کی۔ اس نے صورت حال میں ہونے کو اس کے تحت میرے لیے اپنا پتہ دیکھ کر غصہ کیا۔

میں اس بات کو یاد کر کے مسکرایا۔ اس رات کو گوارا نہ مال ہو سکے تھے۔ اس کے بعد سے اب تک بہت کچھ تھا۔ جب تک شروع ہوئی تھی۔ بہت لوگ جنگ کر تھے۔ میں ایک ایسے جسمانی عیب کی بہت سے ضرورتوں میں سے ضرورتوں سے جو تھا اور پچھلے تھا۔

میں نے ضروری کا نقدات کیے اور اٹھ کر ایٹو اس کے سامنے کھڑا ہوا۔

اس کی نظریں میں نے ریسوا ڈھالیا۔
 اس کی نظریں آگے لپٹنے کے دار پلانٹ سے فون کر رہی تھیں۔ وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نہیں لاٹری کے بارے میں کہہ سکتا۔" وہ کہہ کر تھیں۔
 "میں نے یاد ہے۔" میں نے کہا۔ "اور سناؤ، تمہاری بات ہے۔"

وہ کہہ کر تھیں۔ "پلانٹ میں شہر پر 90 درجہ ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "اب اس کی ضرورت بھی نہیں۔ میں نے یاد ہے۔"

اس نے کہا۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔"

اس نے کہا۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔"

اس نے کہا۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔"

اس نے کہا۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔"

اس نے کہا۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔"

اس نے کہا۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔"

اس نے کہا۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔"

اس نے کہا۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔"

اس نے کہا۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔"

اس نے کہا۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔"

اس نے کہا۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔"

آگے کی تھیں۔ اب وہ پینڈول بائیں ہاتھ کے مٹاتے ہیں رہنے والا تھیں بیٹوں کا ہاتھ۔ میرے کا کا فادر میں تھا۔ "اور ہاں، یہی ہے کہ میں آج رات تمہیں اور اپنی کو فخر پر دیکھوں۔"

"لیک ہے۔" میں نے کہا۔ "اب یہ بتاؤ کہ اس کی آفت آگے ہے۔"

"میں جانتا ہوں کہ سلاٹ مشین کے کچرے کو بھول جاؤ۔" میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "کیوں بھی؟ میرا تو خیال تھا کہ اس پر میری طرح فضا ہو۔"

"میں نے ارادہ نہیں دیا۔" وہ بولا۔ "اب ہر امر خیرا بہت ہوں گے۔ اور جب وہ خراب ہوں گی تو سب ختم۔ جنگ کی وجہ سے تو ان کے پاس دست یاب ہوں گے، نہ ہی قیام قبول نہیں ہو سکتی ہیں۔"

"اس بھی وجہ ہے؟" میں نے اس سے پوچھا۔ "یہ اس لیے ہے کہ کسی فیلڈ میں اس میں دل چسپی ہے۔"

اس کے چہرہ پر ہنسنا تھا۔ مجھے تو کہہ دیا کہ وہ اپنی بلڈ پر پٹر کا کر لیں بن گیا ہے۔ وہ کہہ کر خطرناک مجھے میں تھا۔ "مجھے کسی فیلڈ سے کیا۔" اس نے کہا۔ "میں نے یہ کہا کہ اچھا نہیں لگ رہا ہے۔ کسی ہوش کا ناٹ کلب کا ٹیپا میرے لیے زیادہ موزوں ہے۔ مجھے لوگوں میں دل چسپی ہے۔ میں نہیں سمجھتا ہوں ان کو خوشی فراہم کرنے کے ذرائع تخلیقی کر سکتا ہوں۔ لیکن میں میری زندگی میں اس سے نہ ہی بچتا ہوں۔"

"لیکن میں اس سے اب اس بات کے لیے ایک ہفتہ بھر رہی کی ہے۔ اور صرف چند ہزار ڈالر میں یہ تہمت منفع بخش سرائی کار کی ہے۔"

"تو یہ کیوں فیلڈ کو مارا کہ ہو۔ مجھے اس کوئی دل چسپی نہیں۔ میں ان جاتی فیلڈ میں نہیں کھتا جانتا۔ چند ہزار ڈالر کوئی معمولی رقم نہیں۔"

میں اس کے طرف جھکا۔ میری دانست میں وہ ایک بڑا موقع گنوا رہا تھا۔ اور یہ پہلا موقع تھا کہ میں اس سے اختلاف کر رہا تھا۔ "تم بہت اچھا موقع گنوا رہے ہو سام۔"

میں اس پورے سینٹ اپ کا جائزہ لے چکا ہوں سام۔ یہ میں نے سمجھا ہے کہ جانے والی چیز ہیں۔ جنگ ختم ہونے کے بعد دیکھنا، گرم کافی سے لے کر آکس کریم تک ہر چیز ان میں سے کسی۔

"ہوتا رہے۔" اس نے بڑی پوچھی ہے۔ "میں نے یاد ہے۔"

اس نے کہا۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔"

اس نے کہا۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔"

اس نے کہا۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔"

اس نے کہا۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔" وہ کہہ کر تھیں۔ "میں نے یاد ہے۔"

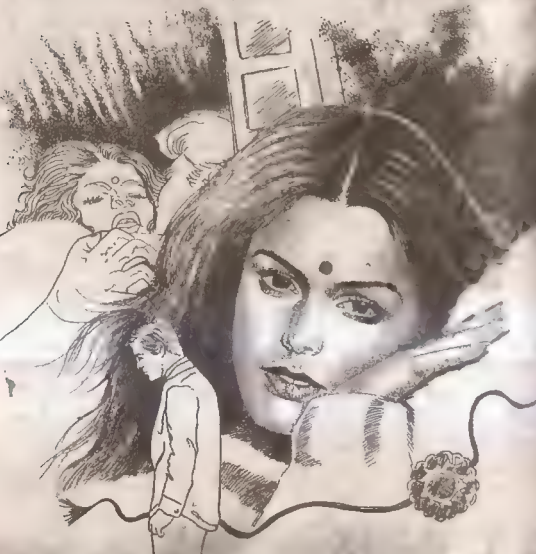
رکشا بنانا

اشیائے فاطمہ عظمیٰ

بہتر ہے کہ وہ شہر کے لوگوں کو ایک بگاڑ کے فاصلے...

نہایت ہی سنجیدگی سے اس کے لیے بہترین بندوبست کیا گیا تھا۔

"سنو! اوچس کی تیز سرکشی کوئی۔" بس ذرا سی
"ہوئی! تمہاری اس ذرا سی دیر کو میں خوب جانتی
ہوں۔" نے غرے بھری آواز میں جواب دیا۔
"تم نہیں آئیں تو میں آ جاؤں گا؟"
اوچس نے ذرا سا ہنسنے کی چار پائی زور سے چرائی۔
"اے! میں اتنی دھجکا کرتے ہو چنگی جاگ پڑے گی۔"
"کون سے بولے گئے میں اور اتنی ہوئی آواز میں کہا۔
"بھو، آ جاؤ۔ من بہت ہے کل ہو رہا ہے۔"
"کیوں نہیں آ آواز میں احتجاجاں لیں۔"



اپنے طور پر فیصلہ کر چکا ہے۔" ابھی تو وہ صرف سگریٹ اور کا
کولا کا کام کر رہی ہیں۔ اور مجھے ان کی ضرورت نہیں۔" اس
نے میز پر رکھے ہوئے کھانا دھر آ کر رکھے اور جائزہ لیا۔
"میرے پاس تمہارے لیے ایک اور کام ہے۔ الاکھا میں میں
مادری کو متفرج کا ہیں ڈاک ہو رہی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ تم
وہاں جا کر چپک کر گے۔"

میں اسے دیکھ کر جا رہا تھا۔ "ان ہینڈنگ مشینوں کے
بارے میں تمہارا فیصلہ کتنا ہے؟"
"تم جانتے ہو۔ اب تم بھول جاؤ۔"
"مگر مجھ میں دل بھی ہے سام۔"
"ہوئی۔ لیکن چپا تو میرا لگ رہا ہے۔ حتیٰ فیصلہ بھی میں
ی کر دوں۔"

"میں ابھی خریدتا جاؤں گا سام۔"
اس نے ایک دیکھ کر میں اس کی۔ "مال ہے تمہارے پاس؟"
اس نے چپے ہوئے کھانے سے سوال کیا۔
میں اس کی آنکھوں میں دیکھا ہوا۔ وہ غریب واقف تھا کہ
میرے پاس مال نہیں ہے۔ "تم جانتے ہو۔ تم مجھے 75 ڈالر فی
ہفتہ خواہو دے۔ میرے پاس اتنی بڑی رقم ہوئی نہیں سکتی۔"
وہ صراحت سے اس دیا۔ "لیکن تمہارے باہر جاتے ہو
تو اخراجات کی حد میں تم بھاری رقم وصول کرتے ہو۔ جب
کہ وہاں کیا ہو ان میں میرے ہوتے تھے تو مجھے کچھ
معلوم ہی نہیں۔"

میں سر ہلا کر۔ "تم جانتے ہو کہ تکلیف اٹھا کر چھوڑا چھاتا
ہوں میں۔ تم کسی ٹکڑے خرچ کر دیتے ہی نہیں ہونگے۔"
"تو پھر کتنی بڑی رقم کہاں سے لے کر آئے گا؟"
"میرے پاس چھ سو ڈالر ہیں۔ آج ہی رقم تنیک سے مل
سکتی ہے۔ باقی آج ہی رقم میں تم سے لوں گا۔"
سام آٹھ لکڑا کر لیا۔ "مجھے؟" وہ ہلکا سا "تم مجھے
بے وقوف سمجھتے ہو۔ تمیں رقم دے دوں تو قیامت تک وہاں
نہیں ملے گی مجھے۔"
"میں تمیں ایک ایک پتلی لوٹاؤں گا۔ یہ وعدہ ہے میرا۔"
میں نے نہ سوچا کہ مجھے میں کہا۔

"ایک بار تمہاری زبان پر میں اپنے پانچ ہزار ڈالر کا
ہوں۔" اس نے زور سے کہنے لگے میں کہا۔ "تم مجھے ہو وہ وہاں
مجھے بے وقوف ٹھہراؤ گے۔"

"اس وقت تم نے ایک لاکھ خریدا تھا سام۔ وہ میں نہیں

دروازے سے لگی رومٹی کی سائیں بھی بکھرے گی۔ جس سے وہ پانی پھرتے دوپٹی کے پاس لگی تھی۔ وہاں سے وہ بارونی اورادو عیاش کے کمرے کے سامنے سے گذری تو ان کے کمرے سے آنے والی کبھی مٹھی آوازوں سے اس کے قدم جکڑ لیے۔ بڑی مشکل سے وہ اپنی متفرق دھڑکن کو یک جا کر کے دلانا پس بیٹھتا ہے۔ بہتر تک آگئی۔ اب تک اس میں ایک سسٹنا میں جاگ اٹھی تھی۔ نیند انھوں نے غائب ہو چکی اور ہر پڑے جیسے کانٹے آگ آئے تھے۔

پانی رات وہ اٹھ اٹھائیں تھیں اور درویش بقی رہی۔ ان کا دور برونٹی رہی۔ اپنے سے باہر اچانک ہی اس کے من میں یہ خیال جاگا کہ اس وقت اندر کمرے میں بارو عیاش کی پائوں میں پاؤڑی کی جگہ اگر وہ ہوتی تو؟

اور ان کی بھٹی جتنی کے منڈ بڑے بھائی اور جن روم کی بھی تھی۔ اور جن درو اور ان کی بھٹی ایک جا رہے گا۔ ان کا دکھ اور کمرے میں چلے بیٹے تھے اور مرے وقت وہ اپنی لنگوٹی میں رومٹی کو دوشوں ٹھاکر اور رومٹی کے حوالے کر گئے تھے۔ اس وقت رومٹی صرف پانچ برس کی تھی۔ تب سے دوشوں ٹھاکر اور رومٹی نے اسے اپنے بچوں کو دوشوں اور مرپ کی طرح ہی پیار سے پال کر بڑا کر دیا تھا۔

جہاں تک گھر کے اکیلے لڑکے اور دوش کا تعلق تھا تو وہ اسکول کے زمانے سے ہی دلی میں پڑھتا تھا اور وہیں ہوٹل میں رہتا تھا۔ سال چھ تھے۔ میں ہمیں پختہ دنوں کے لیے گھر آتا تو بھی اپنی ہی دیکھنا سن رہا۔ رومٹی کی طرف دیکھی اس کے بولے سے بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کی ایک ہجر تو بھی کہ وہ عرصہ میں خاصا بڑا تھا۔ اس لیے گھر کے چھوٹے بچوں سے لیے پیرہنے میں ہی بڑا پڑا تھا۔

دوسرے بچپن سے ہی گھر والوں سے ڈور بننے کی وجہ سے سب کے لیے اس کے دل میں ایک غیر محسوس ہی ڈوری اور لائق ہی پیدا ہو گئی۔ وہ اپنی کسی نہیں مرپ سے بھی کم ہی بات کرتا تھا۔ رومٹی تو پھر اس کے ہاتھ پانچ کی طرف ہی تھی۔ رومٹی اس کے لیے گھر میں کام کرنے میں لگا لگا پانی یا اس کے ڈور پر رہنے میں کوئی بھی نہیں تھی۔

ابنہ مرپ کو رومٹی سے چھوٹی بہن کا سا بھارتھا۔ رومٹی نے بھی کسی مرپ اور اس میں کوئی فرق نہ سمجھا تھا۔ اسے رومٹی بھی مرپ کی طرح ہی نظر آتی تھی۔

مرپ رومٹی سے عرصہ عرصہ غاصی بڑی تھی۔ اس کا یہاں ہو گیا

تھا۔ مرپ اور رومٹ سے اس انوکھے اور ان جانے حلقے کے بارے میں پہلی پہلی بار رومٹی کو اس وقت معلوم ہوا تھا۔ مرپ دیکھی بیاہ کے بعد پہلی بار اپنے کوئی تھی۔ پختہ گھر سے کے لیے۔ اور وہ دونوں ہی ان کے دلہا پر اچانکوں میں اسے آئے انھیں واپس لے جانے کے لیے آسمو دوڑے تھے۔ "رومٹی! ڈرا سن تو۔" بیچیا نے سوچ کر کہا کہ مرپ سالار رومٹی کو گریب چلایا تھا۔ جب سے وہ اسے عجب دیکھ کر دیکھ کر اٹھ کر اپنی بند بیک چلا گیا تھا۔ کھلانے پلانے اور ڈاک بھگت کے بعد انھیں وہیں باہر سے کمرے سے ٹھہرا دیا گیا تھا۔ ان کی کسی دیکھنے کے قابل بھی تھی انھوں نے آگن میں ہل دوڑ گئی تھی رومٹی کو پاس بلا دیا تھا۔

"درواہی دیکھو! کوٹھا۔" انھوں نے دوش آواز میں بتی کی "دیکھو۔ کو۔" یہاں اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں جھرا لے کر پھینکیں۔

"اوسے تو یہاں آئے ہیں کیا حیرت ہے؟" بیچیا کی فکر ہوئی۔ "یادو شاہ اس بچے چوٹی دلوں کا۔"

اور چوٹی کے لاغ میں وہ دیکھ کر پلانے چل دی تھی۔ مرپ دیکھ کر بھی جیسے ہی بلا دے گی وہاں تک رہی تھی۔ وہ دھڑک سب کی نظروں سے بچتی چلتی، دلالان کی بچوں کو ادھ دیکھ کر جبک بیچیا کے کمرے میں جا چکی۔

بیچیا کی آنکھ دیکھنے ہی دیوانوں کی طرح ان کی طرف لپکے تھے اور انھیں یہ بتانا پڑی پائوں میں بھرا ہوا تھا۔ "بھل! کیا کرتے ہو؟" مرپ دیکھ کر بے بسی سے ان کی پائوں سے لپکتے ہوئے شرمیلے گاہوں سے رومٹی کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"بھلے پال۔" بیچیا کی کو یاد آیا، جب میں ہاتھ ڈال چوٹی نکالی۔ "رومٹی جاو تو پتا چلتا تھا۔" انھوں نے جلد سے رومٹی کی طرف دیکھی۔

رومٹی نے چوٹی پکڑ کر لی تھی مگر وہ ابھی وہاں سے جا نہیں جاتی تھی۔ مرپ دیکھ کر بیچیا کی گاہوں میں پائوں میں بکھریا دیکھ کر اٹھ گیا تھا۔ اور بہت دیر دل میں۔

"پلو پلو پلو پلو۔" بیچیا نے سر ہار دیا اور ہاں کی طرف لپک گئی تھی مگر کچھ دیر کا روہ اور لوٹ آئی۔ وہی دیکھ کر یہاں کمرے سے کوڑا بند ہو چکے تھے اور بڑے بڑے کے دیکھ کر وہ بھی گریب دیکھ کر اٹھ گیا تھا۔

"بھٹی! اس بھٹہ دیکھ کر پاس میں ہیں۔" مرپ دیکھ کر

کری کا دواڑ میں کر رہی تھی۔

"کیا کرتا ہوں مرپ؟" بیچیا کی بیٹھی سر گھٹی میں اس نے بتانے کے کھوں کی تک اور بے گلی میں شامل تھی۔

بھائی کا عادت ہو چکی ہے کہ ہمارے پنا دو دن بھی نہ دے۔" بیچیا نے گاہوں کی طرح دوڑا دیا۔

"بھٹی! کیا کرتے ہو؟" مرپ دیکھ کر بے بسی سے ان کی پائوں سے لپکتے ہوئے شرمیلے گاہوں سے رومٹی کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"بھلے پال۔" بیچیا کی کو یاد آیا، جب میں ہاتھ ڈال چوٹی نکالی۔ "رومٹی جاو تو پتا چلتا تھا۔" انھوں نے جلد سے رومٹی کی طرف دیکھی۔

رومٹی نے چوٹی پکڑ کر لی تھی مگر وہ ابھی وہاں سے جا نہیں جاتی تھی۔ مرپ دیکھ کر بیچیا کی گاہوں میں پائوں میں بکھریا دیکھ کر اٹھ گیا تھا۔ اور بہت دیر دل میں۔

"پلو پلو پلو پلو۔" بیچیا نے سر ہار دیا اور ہاں کی طرف لپک گئی تھی مگر کچھ دیر کا روہ اور لوٹ آئی۔ وہی دیکھ کر یہاں کمرے سے کوڑا بند ہو چکے تھے اور بڑے بڑے کے دیکھ کر وہ بھی گریب دیکھ کر اٹھ گیا تھا۔

"بھٹی! اس بھٹہ دیکھ کر پاس میں ہیں۔" مرپ دیکھ کر

بھٹی! اس بھٹہ دیکھ کر پاس میں ہیں۔" مرپ دیکھ کر

بھٹی! اس بھٹہ دیکھ کر پاس میں ہیں۔" مرپ دیکھ کر

بھٹی! اس بھٹہ دیکھ کر پاس میں ہیں۔" مرپ دیکھ کر

تھا تو قہجے کی پکھری میں اسے سرکاری وکیل کی نوکری مل گئی تھی۔
 سبھی سے اس کی ماں رجنی کو اس کے بیاہ کی چٹا لگ گئی تھی اور
 اس سلسلے میں انھوں نے قہجے کے ایک کھاتے پیچے اور پڑے
 لکھے گھرانے کی لڑکی پاروتی کا انتخاب کر لیا تھا۔

بھرے بھرے گداز جسم کی، گدراے ہوئے امرود کی سی
 سانوئی سلونی بھوئی بھائی پاروتی اویناش کو بھی بے حد بھائی تھی۔
 پاروتی کا اکلوتا بڑا بھائی آکاش میڈیکل کے فائنل ایئر کا
 طالب علم تھا۔ سنجیدہ، باوقار اور کم گوسا۔ آکاش رجنی کو رسونقی
 کے لیے بہت اہم تھا تھا۔ آخر برس دو برس میں رسونقی بھی بیاہ
 کے لائق ہونے والی تھی، اور رجنی، سرورپ اور اویناش کی طرح
 رسونقی کا بیاہ بھی، اپنے سامنے اپنے ہاتھوں سے کروینے کی
 خواہش مند تھی، مگر اس کی خواہش پوری نہ ہو سکی۔

پاروتی کے بہو بن کر گھر آنے کے تین مہینے کے اندر
 اندر اپنے بچی دشواس شا کر کے بعد وہ بھی پرلوک سدا ہو گئی۔
 اس نے اپنی زندگی میں ہی پاروتی کے ذریعے رسونقی کے
 لیے آکاش کا رشتہ مانگا تھا۔

پاروتی اور اس کی ماں کو اس رشتے پر کوئی اعتراض نہ تھا
 مگر خود آکاش نے جوے سلیقے سے منع کر دیا تھا۔ وہ اپنی
 کلاس فیلو شائق اور برائے کو پسند کرتا تھا۔ وہ پچھلے پانچ سال
 سے ایک ساتھ پڑھ رہے تھے، ایک دوسرے سے ملتے ہی
 ان کے سن میں پریم کی جو کوئی پھوٹی تھی، اب وہ ایک چھٹنا
 رد رشتہ بن چکی تھی۔

رجنی مرتے سے رسونقی کا ہاتھ پاروتی کے ہاتھ میں دے
 گئی تھی۔ سرورپ تو سپارن پور میں بیٹا ہی تھی، یہاں رسونقی کے سر
 پر تو صرف پاروتی ہی تھی۔

پاروتی اچھے دل کی نیک عورت تھی۔ اسے رسونقی سے بہنوں
 جیسا پیار تھا۔ اپنی سو رنگ ہاسی ساس کی خواہش کے پیش نظر، اس
 کے دل میں بھی رسونقی کو اپنے لاکھوں میں ایک بھائی کی دوکھن
 بنانے کی آرزو تھی۔ وہ اسی کو شش میں گئی تھی کہ کسی طرح اپنے بھائی
 آکاش کو اس رشتے پر راضی کر لے مگر آکاش تو صرف اور صرف
 شائق اور برائے کو اپنا بیٹن ساسی بنانے کا ہنہ کیے بیٹھا تھا۔

سے کا کچھ بھی مخصوص رفتار سے اپنی آذان بھر رہا تھا۔ دیکھتے
 ہی دیکھتے چار برس بیت گئے۔

ان چار برس میں خاصا کچھ بدل گیا تھا۔ کام والی پوڑھی
 مڑکا پائی کے انتقال کے بعد رسونقی نے رسونقی سنیوں لی تھی۔
 پاروتی ایک کے بعد ایک چار بیٹوں کی ماں بن گئی تھی۔ ہر رات

جتنی کا ہست گرم کرتے اور سال کے سال بچے جتنے، وہ
 دیکھتے اس کا جین ڈھل گیا تھا۔ تاہو بدن ڈھیلا پڑ گیا
 نازک کمر پھیل کر کمر ہو گئی تھی۔ کو لمبے بھاری اور پیٹ
 تھا۔ چہرے اور گردن پر بھی خوب گوشت چڑھا تھا،
 رس سے بھری، نوہر چھو کر کی بجائے ایک بلی عمر کی تھی
 عورت لگنے لگی تھی۔

اب رات کو ان کے کمرے میں چار پائی کی گر
 جے چڑھا، تیز سانول اور دھیمی سرگوشیوں کے بجائے
 اور خاتون کی صدا میں گونجیں، یا پھر بیٹوں میں سے
 رونے اور ٹھنکے کی آواز سنائی دیتی۔

”اول ہوں!“ اویناش کی بے زار سہجہ اُبھرتی اور
 حصن سے بھرے غنیمتیں ڈوبی تھی کو سلانے میں جھٹ جاتی۔
 اب بھی اویناش صبح سویرے نہاد ہو کر خوب چٹار
 پکھری کے لیے لکھا تو وہ رسونقی گھر کی کڑی سے اسے
 جاتی۔ اس میں ذرہ بھر فرق نہ آیا تھا۔ وہ آج بھی پہلے کی طرح
 سند اور چھیلا لگتا۔ وہ اس کے سینے اور کھانوں کے سارے
 بالوں کو دیکھتی تو جانے کیوں اس کے دل میں مٹھی مٹھی
 گسماٹ جاتی۔ اب وہ چودہ پندرہ برس کی دہلی چلی
 چھو کر نہیں رہی تھی، بل کہ اٹھارہ انیس برس کی بھرپور
 کے رس میں ڈوبی تو خیر اور دل آویز حسینہ بن چکی تھی۔

اویناش اب بھی اپنی سابقہ روش پر برقرار تھا۔ وہ اب
 کبھی اس کی طرف نظر بھر کر نہ دیکھتا تھا۔ وہ گھر میں ہوتا
 سارا وقت بیٹے کی طرح اس کے آس پاس منڈلاتی رہتی
 اسے، اس کی موجودگی کی خبر تک نہ ہوتی۔

”آئے ہائے، پارو! بیٹو نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے۔
 برسوں بعد پاروتی کی موی اجیر سے آئی تو اس سے ملنے
 کے گھر بھی آئی اور پاروتی کی حالت دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی۔
 ”اس کی باتاؤں موی، اوپر سے کی چار بیٹیاں پیدا کر
 پالنا کوئی آسان ہے؟“ پاروتی نے الٹا سوال کیا۔

”تو یہ رسونقی کس مرض کی دوا ہے۔ اپنی کچھ فٹے دوا
 تو اس کے سر لگا۔“ موی نے پھولوں سے بھری شاخ کی
 چٹکی رسونقی کی طرف تاپنہ پیندگی سے دیکھا۔

”ہائے نہیں موی! گھر کا سارا کام تو وہی سنبھالتی
 اب میں بچوں کا بوجھ بھی اس پر ڈال دوں!“ پاروتی رسونقی
 پیار سے دیکھ کر گھٹا بھرے لہجے میں بولی۔

”اس چھوڑی کے پھن کچھ ٹھیک نہیں لگتے۔“ موی

شاہ نظر

سیاور

منذلیہ سلطان محمد تغلق کے آخری عہد کے شاہنشاہ شاہ غلام محمد کا منظر ہے اس کا حوالہ
اولاد محمد اولاد محمد غلام محمد کے اسلسلہ شاہنشاہ کا اندازہ لگادہ کہہ لیا ہے یہ تھا

سید دنیا طرح کی ایک بساط کے مانند ہے جس پر وقت اپنی
شاہ نظر چال چلتا رہتا ہے۔ بھی دنیا کو شام اور صبح کی بنیے کو زور
دینا۔ کی موت کے سوز سے نکال کر زندگی کی طرف لے جاتا تو
بھی زندگی سے بھر پور رہتی کو موت کی گہری خنجر سلا دینا۔ وقت
کا یہ کھیل ازل سے جاری ہے اور ہر ایک جا رہے گا۔
وقت بھی نہیں ٹھکتا، بھی نہیں رکتا۔ نہ ہی وقت کو
مضمینوں میں جکڑا جاسکتا ہے۔ وقت کی چال میں بھی
کیسا نیٹ نہیں ہوتی۔ بھی اس کے مزاج میں خدو ناں کی سی
تیزی آ جاتی ہے اور بھی وہ سب پاؤں اس طرح گزرتا جاتا
ہے کہ کسی کو پتا ہی نہیں چلتا۔ وقت ہمیشہ جاکتا رہتا ہے
وقت کو فیض کی نہیں آتی۔

وقت کو اپنے تیر بدلنے ذرا دیر بھی نہیں لگتی اس کی شخص
ایک جیش، چشمِ زدن میں دنیا بھر میں نکتہ افشے برے
واقعات اور خوف، ناک حادثات کو غم دیتی ہے۔ وقت کی
گرہیں بھی تھک کر دم لیتا نہیں جانتیں۔ اس کی ہر حرکت سے
جہم لینے والے واقعات اور حادثات تاریخ کے صفحات پر درج
ہو جاتے ہیں۔ وقت کی طرح تاریخ بھی کبھی نہیں ٹھکتی۔ اس
کے صفحات بھی وقت کے پیدا کردہ ہر واقعے پر بے واقعات کو
اپنے اندر پیٹنے ہی رہتے ہیں۔

وقت اور تاریخ کی یہ کارستانی اس وقت تک جاری دہیں گی
جب تک یہ دنیا قائم و دائم ہے۔ وقت نے تاریخ کے صفحات پر بے
شمار داستانیں رقم کر دی ہیں۔ ان داستانوں کو دیکھ کر جاننے کے
لیے کہیں اس پر خون کے چھینٹنے والے گئے تو بھی حیت کے رنگ
نہیں بھرنے۔ وقت کی یاد ادا کی ہوئی عجیب ہے۔

اب سے تقریباً پانچ سو صدی قبل دہلی کی سرزمین پر شاہی
محلات کی اونچی اونچی دیواروں کے درمیان میں جب دہلی دلی
آزادوں میں ایک کھیر کا ڈکڑا ہوتا شروع ہوا تھا تو اس وقت بھی
وقت کی چال یہی تھی۔

ایسے ہی کوئی پانچ سو سال قبل 1857ء سے بھی میں



میں پلے وقت نے ایک ایسی حرکت بدلی کرنا نہ دیکھ رہا
دہلی کی ایک چھوٹی سی سرائے کے دروازے پر لگا ہوا
کاغذ پر سارہ وہاں گرفتار ہوا ایک ہی اندر مل ہوا تھا
کسی کی بھر پور جوانی کو دیکھنے کے اشتیاق میں۔ کسی کی خوب
آنکھوں کے اشاروں کا مفہیم سمجھنے!

سرائے کے ایک نیم تاریک چھوٹے سے کمرے
محل وصال کا ایک مجسمہ گما کی حالت میں ہوا تھا جس
دول سے اس کے چہرے کی انوکھی شای گل کی دیواروں میں
نائل دینے کی شایہ پر بات درست ہے کہ چرائی کی آنکھوں
اشارے وقت کی چال میں بھی گہرا پیدا کر رہے ہیں۔
دلی کے ایک بہن ہاندہ علاقے کی اس معمولی سے سرائے
کے سامنے جب شای پاکی آ کر زکی تو یوں لگتا تھا کہ پیسے
زمانہ ہی اس سرائے کے دروازے پر کھیر گیا ہوا اور وقت
کروٹیں جیسے سانس لینے کے لیے سستے لگی ہوں۔

وہ شای پاکی غالی تھی۔ اس میں کوئی شای سوار
نہیں تھی۔ لیکن اس کے ساتھ شای محافظ اور چوب
موجود تھے۔ غالی پاکی کو جب سرائے کے دروازے
سامنے رکھ دیا گیا تو محفلوں نے اسے گلے گم کے لیے چہ
دار کی طرف دیکھا۔

اس سرائے کے ایک کمرے میں کوئی اور چیز غور و عرت
ہوتی تھی۔ ایک عام سی معمولی گورت جس کے ساتھ ایک چوب
اور بے دھن لڑکی بھی تھی۔ محسن کا یہ مرقع اس کی بچی
آستان پر چلتے ہوئے ستاروں کی شرم اس کو جوان دھڑلے
آنکھوں میں گھر کرنے کے لیے تڑپ رہی تھی اور سورج کی
پھلنے سے پہلے کھلتے ہوئے پھولوں کی تازگی اس کے جسم کی
جلد کے پاس آئے ہوئے گھبراہٹ کی۔

سرائے کے پر کمرے ہوئے لوگ دیرت بھری نظر
سے شای پاکی اور شای محافظوں کو دیکھ رہے تھے۔ ان
سے کسی کی بھی بہت نہیں تھی کہ وہ شای محافظوں سے

زیربات وغیرہ طلب کرنے لگے۔ انجینی اور بعد معاش چہرے
والے لوگوں کو دیکھ کر شاہ نظر ڈر گئی۔ اس نے جست اپنے چہرے
پر نقاب ڈال لیا اور انجینی کو اپنی گود میں سمیٹ لیا۔ وہ بے حد
خوف زدہ اور گھبراہٹ ہوئی تھی۔

شاہد اظہر کے خاندان سے جان بچا جانے کی امیدیں لگادی گئیں۔ اس
ایک مصروف دنیا کی جانب اشارہ کر کے ان لیرڈوں نے کہا: "اس
مصروف دنیا میں فخر ہم اور میراث ہیں۔ آپ کوئی کام جو چاہیے
کے لئے لیکن ہماری جان نہ لیں۔ ہماری جتنی بہت چھوٹی ہے۔
آپ کو جو کچھ لیا ہے اس کے چپ چاپ چل جائیگا۔ بس
ابھی پریشان نہ کریں۔"

منصوب کو مل لیا گیا۔ لیکن لبروں کے ہاتھ جو مال لکھوہ
انہوں نے لوٹ لیا۔ اس کے علاوہ انہیں وہاں جو بھی چیز نظر
آئی، سب سے اپنے قبیلے میں شونے لیا۔ تب اچانک یہ لبروں
کے بڑے سردار نے اچانک جھپٹا کر شادانہ لڑکی چادر باندھ لی۔
شادانہ اچانک چل کر گھڑی ہوئی۔

اس بوڑھے مرد کو یہ شک نہ رہا تھا کہ اس عورت نے اپنی چادر کے نیچے کوئی چیز چھپا رکھی ہے۔ اسی چیز کو دیکھنے کے لیے اس نے شانہ نظر کی چادر ہٹائی۔ بوڑھے کی اس حرکت پر شاہہ نظر کے شوہر کو غصہ آ گیا اور وہ چیخ کر بولا۔ ”یہ ہودہ بوڑھے ختنے کے شوہر نہیں آ گیا میری بیوی ہے۔ یہ بتا رہے ہیں کہ اس کو ہمیں بھی اپنی بیوی سے کچھ خیال کرنا چاہیے۔“

اور وہ چیخا۔ "میرا دل ہے خیال کیا ہے جو میں کبھی کا خیال کرتا ہوں۔" یہ ککر اس کے ہاتھ کے شہر کے بنے ہوئے ایک زوردار کھوٹا مارا۔ جواب اس نے جوڑے ہی چلا کر لگادی۔ "ہو یا جی کک زور نہیں تھا۔ اس نے بھی لاقوں کھوٹوں کا جواب لاقوں کھوٹوں سے ہی دینا شروع کر دیا جب کہ اس کے دوسرے ساتھی اس لڑائی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے زور زور سے ہنس رہے تھے اور اپنے سر دار کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔

لڑتے لڑتے دونوں نے خود سے دور جھانسنے کے لیے ایک دوسرے کو دھکی دیا۔ وہ جس کے پیچھے میں شاعر کا خاندان کا پناہ لیجئے تھے ہونے کی چیز سے گریباں اور دوسرا دے قریب کا گرامر اور دوسری طرف ہیڑھا سردار بھی اس دور دار دھکی کر برداشت نہیں کر پایا تھا۔ اس کے قدم برقی طرح سے ڈھکائے اس نے فرش پر گرے مرنے سے پہلے کہا

کفری ہوئی شاطر کے کندے کو کھڑے کی کوشش کی
 لیکن اس نے اس کا تھکنا نہیں دیا اور اس کا ہاتھ
 کے کندے سے پکڑ لیا اور اس کی کوئی بھی ہوئی
 کروان پر اس کی اس وجہ سے سختی ہوئی کی کروان پر
 شاطر کے کندے سے ایک زوردار جھٹکا کر کے
 اوجھ سے چڑھ گیا۔ وہ شاطر کی جتنی کوشش کر
 لوں یا کھوں میں اس پر تمام کڑے لگے۔ ٹیکہ اس وقت
 لگایا بندھ کر پڑی جو درد مٹا دے۔ یہ اس کی
 بڑی نگرش تھی اس میں ایک ہی طاعت کی

تو بندہ قاضی اٹھائی۔ جب بندہ قاضی کی تال ان لیروں
 پر بھی تو وہ دروازے کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے
 گئے تھے کہ ان کے دو چاقو اور دو خنجر بندہ قاضی سے نکلے
 وہ کہیں روک سکتے۔ بھاگتے وقت ان لیروں نے
 ہر دروازے کی بھی پروا نہیں کی تھی۔

[illegible]

ہم سے شیطان! آپ مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ! شاہانگر
نے گرج واز آواز میں کہا۔ "میں نے تمہ سے
کبھی کسی کارامال اسباب لے جا کر اس بیار عورت
میں بھی کاشی لے لیکن تو نے تو اس معصوم بچی کی جان ہی
لی اور ساتھ اس کی بیار کو بھی بچی کی جلائی کی آگ میں
دبا دیا ہے۔" یہ محضاف نہیں کر رہا تھا۔

میں خود بھی چاہتا ہوں کہ مجھے معافی نہ ملے۔
 میرے دل کا جیٹا ہوا آواز یہ تھا۔ "میں ساری زندگی صحرے
 میں رہا ہوں۔ میری اس زندگی سے موت ہی بہتر ہے۔ میں تم
 لوگوں سے زندگی کی بجائے نہیں مانگوں گا۔ میں تیار ہوں۔ بے
 لگن مجھے کوئی مار دو مگر میری ایک آخری بات سننا کہ مرنے
 پہلے میرے دل کا جو یہ کچھ بھکا ہو جائے۔" اتنا کہہ
 کر مجھے نے دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ دھچپالیا اور پھوٹ

ہوئی۔ اس کی سبب سے کہیں کی حالت میں کھڑی ہوئی
 ہاتھ کو جیسے بھینچو رہا اس نے دھیرے دھیرے اپنی ٹیکس
 اس کا رخ خود کر پڑے کی طرف دیکھا۔ پڑے سے
 لی کر ان اٹھانی اور خاکٹر کے خاکہ کی جانب بڑھ کر کے چلا۔
 'میں ایک بہت ہی فاضل شخص ہوں۔ اس کا عالم اور دنیا مجھ
 سے کہیں کہیں بلند ہے۔ میرا عمر میری عمر کو دہائی سے
 ہاں ہی مضمون بن جائے۔ وہ کہے دہندے سے جو میری اعلیٰ
 کی اور کر کے لے گئے تھے۔ اس کی چھائی کے کشم کشم اس کی ہاں
 ہے۔ میرا گھر میرا ہو گیا۔ اور میں ہاتھوں کی طرف چلنے لگی ہوئی
 مولانا جگر تارک کر میری عمر اس کے ہاتھوں کی سرگرمی
 کو دیکھ کر کہہ آجاتا۔ مگر جگر تارک نے اس کے کاغذ ہاں سے
 تو لے گئے ہیں۔ یہاں سال ہاں سے انشاء میری ہاں کی طرح
 اسے دے کر نہ رہا ہے۔ اس میں اس وقت میری بچی ہوئی اس کی
 اس کی سبب وہ کہیں سے کہیں گئے غائب ہوئی کی۔' پڑھا

[illegible]

پنجاب کے ایک غریب محنت کش کسان کی بیٹی تھی۔ اس وقت شافطہ کی آنکھوں کے آگے وہی نووس برس کی بچی شیرازی آکر کھڑی ہوئی تھی اور شافطہ کی آنکھوں میں ماضی کا وہ منظر ایک فکر کی طرح چلنے لگا تھا۔

شیرازی دھان کے سر پر نہایت میں ایک رنگ دیکھ رہا تھا۔
صورت تلی کو بکڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس وقت اس کا بابا
اس سے ڈرنا اور بڑھ چلا۔ اس وقت رات تھی۔ پھر ایک دن نہ جانے
کہاں سے دو آدمی آئے اور شیرازی کا کھنڈہ دار کے اٹھالے
کئے۔ اس وقت شیرازی کھنڈے سے کھنڈے سے ہنسی میں نکلی
تھی۔ کیوں کہ وہ کھنڈہ بندھوئے ہے ہوش بندھوئے ہے۔
جب شیرازی کو ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو ایک چنگ
پر لپٹا ہوا پایا۔ ایک خراب صورت جوان کو اس کے سر پر تیار
رکھا۔ وہ بھڑک رہی تھی۔ دو کون سے شیر میں کس کے پاس کس
اسے چنگ کی معلوم نہیں تھا۔ یہ حرکت حیلان اور مال باپ کی
تھی۔ کھنڈے سے ہنسی میں نکلی تھی۔

اس دن کے بعد سے اس کے دن طوائف کے گھر سے
گزر رہے تھے۔ اس طوائف کا نام تھا ہوا رنگ۔ انہو ہار
جنگ سے شیرازی کو بڑی دھڑی تعلیم کے زریعہ سے آمادہ
کیا اور اسے شیرازی سے ہاؤور ہار پیر شاہ نظر بنا دیا۔
ہاشمی کے سہارے مانتا ایک کر کے آ کر رہے اور
جائے رہا۔ شاہ نظر کی ڈیڈائی ہوئی انھوں کے
سامنے بڑے محض کا چہرہ تھا۔ وہ اس چہرے سے کسی کا
چہرہ دیکھ کر بھی اٹھ اٹھائی۔ اس کی جگہوں پر گھر سے تھے
وہ کہہ کر بولنا جانتی تھیں مگر کھلے سے ان کا دیکھنا نہیں سہی۔ اس
کا خاندان بدعتی تھا۔ یہ تھیں بہت سے شاہ نظر کی بدعتی
کیفیت کو دیکھ رہا تھا۔ کافی دن بعد شاہ نظر کے ہونٹ
دھیرے دھیرے چمک رہے تھے۔

”ابا... جانا...“ دو نوٹے ہونے الفاظ اس کے منہ سے نکلے
اور پھر وہ سسکتی ہوئی اپنے پیچ سے اپنا پتہ لے لی۔ بے چین ہوا کی
دھڑکیں اس کی پیٹھ پر لگ رہی تھیں۔

”شیرازی! میری بی بی میری جان! ہو، حباب! اسے اپنے سینے سے لگائے بولتا ہوں۔ لیکن اب اس کی کسی بھی بات کا جواب دینے کے لیے نہ وہاں شیرازی موجود تھی نہ ماہ نور! اور نہ ہی شاہ نغمہ موجود تھی۔ وقت کی کر دہت سے اپنا کام دھکادیا تھا اور اب وہ

[illegible][illegible]

کھول دیں۔ گو وہ یاد بھی خواب تھا۔ ذرا کڑوا کر بیان اچھی تک
میرے ہاتھوں میں تھا۔ میں نے چولی سے چھوڑ دیا اور اس کی
طرف مفرد طلب نظر دل سے دیکھا۔
فرمایا میرے ذہن میں گزرے واقعات تازہ ہو گئے۔
گزری باتوں کا بھول گیا۔ تصور میرے وجود کو نے لگا۔ یہ بھی
یاد آگیا کہ گورکھ کی عیاشی میں مل کر ہوں۔ علاقے میں میرے کسی
دشمن نے جو کھٹکے پانی کے ذریعے زہر پڑی سولی سے میری جان
لینے کی کوشش کی تھی۔ کھٹکے پانی کے آدھے گالے کی زہرناشکی کی آواز
سننے کے بعد ہوا تھا، اس کے کسی ساتھی نے خورے کا کھٹکے دیا
تھا۔ اس نے کہنے یا شاید میں نے عمل کرنے میں کچھ تاخیر کر دی
تھی۔ انعام کا میں اس وقت کی اپنا جان بڑا تھا۔ وہ دینا
جاگ کھینچتی تھی آدھی رات ہو گیا۔ جس نے ہاتھ بڑھائے کھینچنے کے لیے
انکال پھینکنے کی غصان دی ہوئی۔ ایک نائے تک میں ان کے ارادہ
کو اس کے درمیان رکاوٹ بنا کر۔ میری ہوتے ہوئے دھوکا کر کے قریب
نہیں چلے گئے تھے۔ جاگ کھینچنے کے ایک شخص کی آواز میں
مولوی شیخ کے برابر میں گزرے ہوئے لوگوں دیکھ کر چلا تھا۔
”خدا کا شکر ہے کہ تم بھوکے نہ گئے۔“ اہاجان کی آواز سن
کر میں نے کھٹکوں کا زانو پھینک دیا۔ وہ دھوکا کر کے ساتھ
کھڑے تھے۔ مجھے پھرتی نظر سوں سے دیکھ رہے تھے۔
”میں نے تم دونوں سے پہچال ہو؟“ میں نے تم کو نہ پہچانے
میں سوال کیا۔
”اب چھپا چھپا صاحب کتاب لگائے سے کیا حاصل؟“ اہاجان
مجھے ہانا چاہا۔ ”جسم اپنا لگائے سے تو ڈاکروں نے
بجلی مار کر اگلے دریا تھا۔ کیا میں ان میں سے ایک نہیں ہوں؟“ میری
پرتھواری کے دریا میں ڈھلکا ہوا میں نے بے فکر فیض مان
رہی تھی، تم پہچال سے میں نے دیکھا۔ ”جدا چھپ رہی تمھاری
صحت خدائی کا جشن منا رہی ہے۔“
میں نے انھیں سوئے نہیں۔ اہاجان کے منہ سے جشن
منانے کی بات سن کر مجھے کچھ خوشی کا احساس نہیں ہوا۔ کوئی اور
ہوتا میری جگہ تو نہ کی نہ کی سنے کی سہمنا سے بے حال کر رہیں
سکتی۔ میری زندگی کا ایک سب سے قیمتی روز دراز بھی جو
میرے پاس آئے۔ اس کے کل گزرنے میں نے جلد بازی سے کام نہ
لیا ہوتا تو شاید کو اس کے قاتل اس جا میں نہیں بھٹکتے جاتے جو شکار
کے گھر کا رہا۔ میں نے پہلے سے بجا رکھا تھا۔ یہ بھی تھا کہ
وہ ایک ایک ایک کے زہریلوں بیجوں کا کھلا ہو جاتا تھا۔
ہوتا نہ کہتا نہ ہوتا۔ اب ان باتوں کے چھوٹے سے کوئی فائدہ نہیں

نے حصول کی خاطر مجھ سے تعاون کی درخواست کی۔ اسے کئی گھنٹوں کے بارگزار میں زندگی گوارا کرنے کی شرط ملی وہ دھتھول کے پھولوں میں چلی گئی تو اس کی زندہ ہو کر کہا کرتا: میرا بھی سرجانا بہتر ہوتا ایک سہارہ ہے۔ کچھ کچھ کیلے چلے جانے کا لاشعاری سلسلہ چل رہا ہوتا ہے۔ سارے بھگتوں سے تعلق ہے۔

میرے چلنے والے، میرے سامنے، میری جان کی روح گردانی والے کسی گواہ ہوں گے کبیر اور گوارا کا رشتہ ہے۔

میں اور جو ذرا برات کی چمک دمک میری نظروں کو بھی نہیں کر سکتی۔ کرشنا کی یہ بھی میری بے لوث خدمت رہا۔ یہی قضا جائیداد میرے نام کر دی گئی۔ کرشنا کی کاسب و فاضل اہل جس نے شکلا نے جب میرے والے کی جائیداد ملاتے ہیں اس کے لئے اس وقت بھی میں نے بڑا شکلا سے گھبرائے تھے اس کا تعلق تھا۔

کرشنا کی آتما حمارے پیسے سے خوش نہیں ہوئی۔ "میرے کپڑے سو لکھ کرلو۔ میں نہیں مشورہ نہیں دوں حکومت کی جانب سے دی جانے والی اس قدر سے انکار کرو۔ میں نہیں ٹھیک، سو لکھ ہی کرشنا کی گوان میں اور خدمت کے عوض دی گئی ہیں۔" بھی اس کے سختی سے جی نے کہا تو پادار پھر فرما دیا ہے۔

میں نے اس کے سارے کپڑے ہونے کی بجائے کہا کرتا ہوں۔ میں ہوں ہوتی تو حکومت کی کرشنا کی دور دراز سال میں میری پیش پادار پھر اسے ہونے مجھے پولیس میرے بھی غولیش کرنے کی کوئی کمی۔ میں انکاراں میں چلا آتا تھا اس وقت بھی کرشنا کی موت پر کسی کو احساس نہیں ہوا تھا۔ آج بھی میری زندگی بچ گئے ہوں۔ میرے کپڑے میرے لئے پھر سے میرے میرے۔

میرے وہ بھی نہیں آج بھی میری زندگی، میری روح، میرا کرشمہ! "جا جان نے بھی میری موت کا جشن منانے کی قسمی! شاید تمہیں بھی یادیں ہوگا کہ زندگی کی عالی شان سے بے فائدہ میں نے جو ذرا برات سے مجھ سے بڑے۔ میں سب کی نظروں سے چھپا کر محفوظ رکھے تھے، کئی کئی سالوں سے جو میری ملکیت تھی؟ خود ایاں اور کیا تھا؟ کھینچ لیا، ہونے اور کھینچ لیا میں ان میں ہر من و جان موجود ہیں، وہ سب ایاں سے ہیں پہا میں ہر من و جان میں جو کورا کے دم سے اُن کے

سے واقف ہے اس کے بعد یوں ہی بیٹھیں گے ڈرہیں۔۔۔
 "مخل سے ساتھ تھوڑا زوردار ٹکڑی ہوئی ہے؟" میں
 نے سیدرین کی طرف دیکھا، ڈاکٹر نے فہم کر لیا۔
 "اور کی بہت سارے لوگ اسپتال کے لان پر موجود ہیں۔"
 "لیکن انی اہل آپ کو کسی سے ملاقات کی اجازت
 نہیں دے سکے۔" ڈاکٹر کی زبان پر بے قابو ہوئی۔ "آپ کو
 ابھی کچھ دنوں صرف آرام اور سکون کی ضرورت ہے۔"
 اس نے اپنا ہاتھ مکمل کر کے قریب کھڑی نرس کو اشارہ کیا،
 وہ انجین لیے پہلی سے منتظر تھی۔
 "ڈاکٹر!۔۔۔" میں نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روکا۔ "میں
 مجھے صرف مکمل سے بات کرنے کی اجازت مانگ رہی ہے؟"
 "اس وقت مکمل صاحب کو فینڈر سے دیکھنا مناسب
 نہیں ہوگا۔"
 "ڈاکٹر! آپ مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے
 ہیں؟" میری آواز بڑھتی گئی۔
 "ایسا نہیں ہے۔۔۔" سیدرین نے میرا ہاتھ قہر سے تھام
 لیا۔ "اس کی نظریں گواہی دے رہی ہیں کہ مکمل ٹھیک
 تھا۔"

"تمہارے اوپر جو زور لگتی، ہم سب کو اس کا احساس
 ہے۔" اباجان مدغم کیجے میں گویا ہوئے۔ "قسمت میں
 شاید یہی لکھا تھا۔"
 میں نے جواب دینے کے بجائے انھیں سوچنے لیں،
 سیدرین نے میری آستین اوپر کی، ڈاکٹر نے مجھے انجین لگاوا
 دیا، یہ کیونکہ ہم پہنچنے کی خاطر تیز گاڑی کو انجین تھامنے کے
 عملوں نے جسم میں دالیں ہوتے ہی دماغ کو دبا دیا تھا۔
 خبر کرو!۔۔۔
 میری آواز بارہ گھنٹے بعد بجی۔ سیدرین میرے قریب سی
 کھڑی تھی۔ اس کی گالی انھوں نے تیز کار خراب کیا رہا
 تھا۔ ڈیوٹی پر موجود نرس آرام کری پر ڈالے تھو جھنجھکی۔
 سیدرین کو بتا دیکھ کر میرے ہونٹ پکپکاے لگے۔ رات
 کے دو گھنٹے تھا۔
 "نرس کو میں نے ہی کچھ دیر آرام کرنے کو کہا تھا۔" وہ
 میرے سر کے فرائٹ بھانجی تھی۔ "آپ کی بیمار داری تو
 میرے لیے بے غصہ کی بات ہے۔"
 "اب نرس کو بچا کر تم۔۔۔"

"مجھے میرا حق نہیں چھیننا۔" اس آواز ڈاکٹر نے
 اس کے لیے سنا۔ "اب یہ بات تھی، خوش تھا۔"
 "مخل اب کیسا ہے۔۔۔؟" میں نے غصہ سے کہا۔
 غصہ سے دیا۔
 "خون دینے کی وجہ سے کم زوری لاحق ہے۔ وہ
 دن میں جاتی رہے گی۔" اس نے بڑی خوب صورتی
 موضوع پر گفتگو کی۔ "آپ کی بیماری کی تفریح
 ہمیں سے اور بھی کچھ لوگ آگے ہیں۔ سب کو آپ کی
 فکر لاحق ہے۔"
 سیدرین کا جواب سن کر میں نے کسی تاثر کا اظہار نہیں
 کیا۔ ان کے ہاتھ پر نہیں۔ سب تو ازان کا مسئلہ ہے۔
 اباجان میں تو ازان منتشر ہو جائے تو ساری مستقبل ساری
 اندیشہ ریزی کی رہی رہے ہو پائی ہیں۔ وقت کی گزری
 اوقات انسان کو بھی بندوں کی طرح بچا کر دیتی ہے۔
 میں ان کی یاد سے کیا ہو جاتا ہے، بڑے سے بچہ بن جاتا
 ہے۔ اے دیکھ کر تامل میں آجاتے تھے۔ میں نے آنکھیں
 دوسرا نام ہے، خوشیاں ساتھ وہیں تو ہوسا آدمی
 ہو جاتا ہے۔ ایک ڈاکٹر کو گھسیٹنے کے تو آدمی توپ افتاد
 معذرت ہو جائے گی، آدمی کیسا نہیں تھا، وہاں کا
 جاتے تو زوردار اور مردوں کی تفریق دیکھ ہی کر نہیں آتے
 آدمی کا حالات پر اعتماد نہ ہے، تو ازان دنگ لگنے کے
 آدمی سے نہیں ہو جاتا ہے۔ بیماری سے برا غصہ دیکھ کر
 نہیں۔ دانشور کہتے ہیں کہ سب سے بڑی ذلت غربت
 بیماری اور بستر پر اباجان کی طرح بڑے رہنا، ڈاکٹر
 مشورے پر کڑی دل دلائی میں نے کبھی اپنے ہاتھ سے
 کم ذلت نہیں۔ اور ایسی بیماری کہ آدمی سے دست و پا
 دوسروں کے گم و گم پر زندہ رہے آدمی کی اس سے زیادہ
 اور کیا ہو سکتی ہے۔

میں کی ایسی دست و پا دیکھ کر قہر و دامن میں مکمل
 دیا اور مکمل، مکمل دوسرے کر کے میں نے زندگی کی قوتوں
 منتظر تھا۔ ہم دونوں زندہ تھے مگر میں نے نہ اپنے میرے
 آنے کی طاقت دیکھا تھا، نہ مجھے بستر سے اٹھنے کی
 اجازت تھی۔ ڈاکٹر جھٹ پڑے ہیں، دوسرے کوئی سے
 سے انداز اختیار کر کے مکمل کو پانی لے کر خوشی میں
 دے دو چار رکھتے ہیں، مکمل یا میری بیماری سے دنیا
 سے زوردار اور بستر پر زندہ رہنے، نظام بدل رہا ہے
 میں نے

اباجان دوسرے کام جو آج ہونے نہیں ہوئے کہ ہوجانے کی
 پہاڑی خواہے آپ کو غربت میں جتا رکھتا ہے زندگی
 کے سارے معاملات تنہا دیتی سے مشروط ہیں۔ زندگی کا
 تمام کتاب لگانے والے کسی ہمیشہ زندگی مارتے ہیں، فینڈ
 ہوا دینے کو بھی زندگی میں شام کر لیتے ہیں۔ کیوں کہ اس
 کو خیریت تو نصف موت ہوتی ہے، اگر سوتے ہیں موت کا
 رشتہ آدرا ہو جاتا تو صاحب کتاب، اعداد و شمار کی
 مگر میں کی۔ ریاضی میں دانی کا بارے کا مکمل ماننے کی
 حد اور سب سے پہلے وہ تو ازان اور دے دے بھی موت اور
 موت کے فاصلے کی پڑوں کو الگ الگ کرنے سے قاصر ہی
 ہے۔ آئی جانی ساس کا نظام کب اور پوائے کی مرضی کے
 انداز سے دیکھو؟ کو کون، کہنے، منتظر اور کینڈا صاحب
 کا۔ کاندہ کی غارتی کی وہاں تو آدمی کا نام دینا مکمل
 آپ ہوگا۔ دھوکے بازی سے نہیں کیا جائے گا۔

"کیا سوچ رہے ہیں؟" سیدرین نے اپنا ہاتھ میرے
 سر پر رکھا تو ہم کچھ حرارت کچھ اور فوں ہو گیا۔ میں نے
 فوں میں سیدرین کی آنکھیں دیکھی وہ بھی نرسوں کے
 فوں میں ہیں، اباجان کے ساتھ مکمل کی خاطر رات بھر
 اس کے زوردار آدمی کی۔ آج میرا ہاتھ میرا دل بھلانے کی
 دیشوں میں مصروف تھی۔ کسے خبر کچھ وقت وہاں اسے
 میں نے ہمارے ساتھ زندگی کے زور سے روز و شب کے ساتھ ایک
 میں ہی پرودے گئے۔ گھر پہنچ کر میں نے اپنے کی طرح
 کی اور مکمل کی تفریق پر اپنا حق نہیں لیا۔
 "اور سوچنے کی پانی کیا ہو گیا؟" میں نے وقت سے
 ڈاکٹر۔
 "میں دیکھوں کہ سراج ہمیشہ روشن رہتے ہیں۔" وہ
 فوں میں بھی آواز کو محسوس کر کے جانے کس امید کے
 سے بولی۔ "ہو سکتا ہے کہ آنے والا لالہ آپ کے
 ہاؤس لگے۔"

تو قہرات، سراج سے جو دم میں فہر اترنے لگا۔ تو قہرات ہی
 ان کو زندہ رہ سکتی ہیں، تو قہرات دامن چھوڑ دیں تو آدمی
 اس سے نہ کھانا نہ کیا رہ جاتا ہے۔ تو قہرات باقی رہیں
 ان دالیں پہنچے محسوس ہوئے ہیں۔ زمین سے سر
 کی طبعی کو نہیں اور آدمی کی فانی فرقی ہے۔ دونوں برابر
 ہاں ہیں، دونوں تو قہرات پر۔ مکمل کا سر دن طلوع
 ہونے کی امید پر زندہ ہیں۔ اباجان نے بھی مجھ سے بڑی

بڑی تو قہرات ہاندہ کر بھی تھی۔
 مکمل سے جس سے ملاقات نے میری زندگی کے بہت
 سارے رخ بدل دیے تھے۔ اس کے ہاتھوں نے مجھے جانو
 دینی کے کرب، ہمیں لکھی کے گوارا جیسا ہی ڈانچ بکھا ہے۔
 جہن میں ملان کر دیا، ہمیں ایک بار کیا رہے ہیں نہ مکمل سے
 جہن دے کر ایک ایسی بھی کر دیا اباجان میری تعلیمی قابلیت
 سے بھی مالی استعداد حاصل کرنے کے بارے میں غور و فکر
 کرنے لگے۔ انھوں نے کہا تھا کہ میں آدہ ہوں تو وہ کی
 بیس لکھ لکھ دیا، میں نے کر کے میں بیٹھا ہے کہ دونوں پر حکم
 چلاتا رہوں، لیکن ان کے کھاتے دار دو دو دار کر کے
 رہیں، دولت میں اضافہ ہوتا رہے، مختلف بینکوں میں گیس
 چھڑی کرنے کی غرض سے مختلف ناموں سے علیحدہ علیحدہ
 کاؤنٹ کھولے جائیں، وہ بارہ لکھ لکھ، جو ایسا مختلف
 شیروں میں خرید کر کرانے پر چڑھا دی جائیں تاکہ آدمی کا
 گراف تیزی سے بڑھنے لے

ارادہ آدمی کی صلاح ہے۔ اس کے بغیر کچھ بھی نہیں، میرا
 قصور ہے اپنا جو ہے۔ میں نے اپنا تو اباجان اپنی توقع کا اظہار
 کس سے کرتے؟ زندگی کے ہنگاموں میں لوگ ایک دوسرے
 سے جھگڑتی جاتے ہیں، مگر کوئی دیکھ جائے ہی ہوتا ہے، سراج
 جاس۔ جس کے بغیر آدمی خود کو اوجھڑا محسوس کرتا ہے۔ جسے
 زندگی کا مرکز جو دھنر ان لیا جاتے، اس کے بغیر زندگی ہی
 ہو جاتی ہے۔ میں کروا کو فراموش کر دیتی؟ میں نے، اس کی زندگی
 ہو جاتی ہے، جیسا سوچا نہیں لگتا تھا، وہ اپنی زبان بولتے ہیں، دوسرے کے
 دوسرے کی ضرورت، اس کی طلب اور بے چینی کا دوسرے
 اعزاز وہ نہیں لگتا تھا، وہ اپنی زبان بولتے ہیں، دوسرے کے
 دل میں ایک نظر پھانکنے کو وقت کا زیاں تصور کرتے ہیں، خود
 غرض اور کہتے تھے

عزت، شہرت، دولت اور اقتدار کی ہوس میں دوڑتے
 دوڑتے آدمی کی صلاح میں کس زور ہوتی چلی جاتی ہیں، اسے
 احساس نہیں ہوتا کہ کیا کوئی کیا لپٹا اباجان نے کسی گوارا کے
 خزانے زوردار جہازات سے میرے ہونے صندوق کے حصول
 کی خاطر زندگی کا ذکر پر لگا دی تھی۔ بچوں کو بد رہی سے دیا
 کر دیا تھا۔ جہاں میں غافل سے ہاتھوں نہ لگا تو اسے کما تصور
 بھی کر دیا تھا۔ میں نے اسے جاننا تو وہ کسی ڈالے کے بارے
 داوا کھلاتا۔ مجھے، میری فی، بیروں میں محکمہ و نامہ
 کو شے تک جانچی، غلام جان، ان کی، فیض آباد میں جہاں

میں زندگی اور موت کے دو آپس پر کھڑا ہوں۔ علم نامی نالی
مغنیہ کی بھی میری وصوم ظن، ڈنگے تھے، جس کو دیکھ کر بیٹا
بن کر اس کے کوٹے تک پہنچا۔ وہ دراضیب میل کاٹنے سے
بیس ہو کر تمام تر حرام سامانوں کے ساتھ لڑائی تل کھائی،
چودوں کے چاند کے مانند غلظ ہوئی، محفل میں رنگ
جمانے کی خاطر اس کو... اس کی ساری کھوپڑیاں، تمام رنگ
ہوں گی، مجھ پر نظر پڑے تو... تو قوت کا کوبرا دھکے مارے اس
کے لذت پھیلے پر چڑھے۔ تو قوت کا کوبرا دھکے مارے اس
خواب میں ہی نہو پا جھکا۔ مجھ پر غیبت پر گناہ ڈالے ہی اس
کی غیبت جاگ اٹھی، ایک نظر اس نے مجھے ہی بھر کر دیکھا
پھر غیبت اُڑے اُٹھا۔ اس نے بالا خانے کی کوئی کرسی پر
آن لائن بیٹھ کر پھر جھلا کر دیکھ کر اس کا جو کمرہ چوں
کے دیکھنے پر دیکھنے پر پڑا کر رہ گیا۔ اہ جان کی خواہنے
پالنے کی پوری ہو گئی۔ اور اس وقت... میں دین مجھے
تو قوت پر ہنر مند رہنے کی اس اور لڑائی میں نے جواب میں
غاشی اختیار کی تو اس کے کیوں میں دوبارہ واقع ہو گیا۔
”میں آپ کو لا سکتا ہوں۔“ وہ بولی۔ ”اپنے بھروسے کے
دوران میرا ہاتھ بڑی احتیاط سے دبا کر گیا ہو گا۔“ ”اچھا ایک
ادبیہ ہے...“

”اے امید تمھاری جاگیر ہوگی۔“ میں ہلکا اٹھا۔ ”دوایق
فرزون دلائی کیسے میرے رشتوں پر تمک ناشی کرو۔“
میں نے اپنا ہاتھ پکڑ لیا۔ ”میں یوں کو زندگی کی امید لانا بھی
تھکا ہے کہ ان کا نام تھا خدا کی اس وقت۔۔۔“
”اس وقت بھی میں نے کبھی صاحب اور آپ کے ساتھ
اپنے رشتوں اور اس کے میں کبھی کا جویت کیا تھا، اس
وقت تو صرف اور صرف آپ لوگوں کے دم پر رہتا
ہوں۔“ سیورن بھی کسی پتھر کا بے جان نہیں، گوشت
پست کا لک جیتا تھا جو جسے اس کے سینے میں دبی تھا
جو جرم سے لپکے کی کاوی ضرب نہ پھیل کا اور پھر پھرا
”میری لائی کوئی جاگیر نہیں ہے۔“ جو کچھ اٹھا ہے وہ آپ اور
صرف آپ کے ہر زندگی کی ہر باتوں کو دم لانا نہیں
آپ کی خادم ہر ہاتھ تمام کو روتی ہے ہر گورے تو میں
پھر اپنی وقت ہے۔۔۔“

”جی ہوا۔“ سیورن نے، بند کر لائی زبان۔ ”میں نے
کچل کر کہا۔“ میں اس وقت اپنے ہوش میں نہیں ہوں،
میری لائی بہت بری ہو گئی۔“

کے لئے اگر وہ مولوی شفیق کو موت کے منہ میں جانے سے نہ
 دھمکتے تو پھر ہمارے سلسلے میں بھی اُن سے کوئی تفریق
 پہلے سے ہی محبت تھی اگر ان کی کوئی گزرتی ہوئی تو
 ہمیں بھی یہی بات یاد تھی کہ کوئی نہ کہیں کہ ہمیں
 اطلاع کی ضرورت نہیں۔ یہ شخصوں کی جیسے۔ یہ چونکہ چھپانے
 سے کچھ کچھ ہوا۔ برہنہ اہل و عیال ہمیں بھی پہلے ہی سید پرین
 کی اطلاع ہو چکی تھی چنانچہ اس کا بھی ذکر نہیں کیا تھا۔
 باقی قہر کا ہی محبت، مجھے اس کا کوئی ذکر اندازہ نہیں تھا۔
 مال و برہنہ کی اس اطلاع نے ایک دوسرے کو سمجھنے کا سہارا
 دیا۔ سید پرین نے اپنے کو بھی معلوم کیا۔ دوسروں کی طرح یہ بھی
 اتنا پر عقل و ذہنی ذاتی قوت سے شاید اس اطلاع سے بھی
 بڑھتا۔ میں نے سید پرین کی زبان پر ایسا کلام لفظ سن کر
 نہ پایا۔ وہ ہم کو، آب و ہوا، جوئی۔ میں اس سے
 کہہ کر اکٹھا کر کے اپنے سے ملوچا ہوا تھا کہ ڈاکٹر
 کو ڈاکٹر آنا ڈاکٹر دیا۔ میں نے یہ گجھت کر دت کہ
 سرور ملے گا۔

احیاء مالک شرافت

ایک تری سے گزرتی تھیں دوسری ہم راہ تری سے کہا،
 ”ڈاکٹر! تم بڑے شریف اور مکمل انسان ہیں۔“
 دوسری تری نے پوچھا، ”کیسے؟“
 پہلی نے کہا، ”اگلے اشرفی سے ہم دونوں تیار ہو گئے اور ہم کلاں کی گلی میں ایک ساتھ اکٹھے بیٹھے رہے۔ ہمارے دو ایلیز میں کوئی اور تھنا تھن کی اس کے باوجود ان تھن تھنوں کے دوران انھوں نے مجھ سے کسی قسم کی غیر ضروری بات اور نامناسب بات نہ کی۔“
 اس دوسری نے پوچھی ہے کہا، ”اس طرح کی شرافت کبھی کبھی ڈھنکے تاک اور میرے آتما ہوتی ہے اس سے تو تمہارا ڈاکٹر صاحب اکیلی ہے سہارا چلے گا۔“

قانون و عمر و مدنی گجراتی

2010 -

سے بچا ہوتا تھا آیا ہے۔ آج کے خیال میں کل کی باتیں نظر انداز کر دی جائیں تو پھر بہت ویڈیا کا پیسہ جام ہوا تھا۔ بہت سود آور زندگی، جیت اور بار کے دھڑار گزارا اسٹیشن میں قدم قدم پر بیچ رہے تھے۔ لیکن انسان ایسی باتیں سن کر ہوتا۔ جو آج کو کیا وہ کل اچانک بل بھی سکا ہے۔ جو آج ہاتھ آ گیا۔ کل چوتھی صبح بھی ہوا تھا ہے۔

گورامیری زندگی، میرا میرا ہی جانتی تھی اس کے حصول کی خاطر کیا کیا بگاڑے ہوئے برائیاں ہوئے۔ جہاں بھی اس کے ملنے کی ایک موبہ سی ایسے نظر آتی، ہم جڑاں میں مل پڑتے۔ سبوی فٹین سے اس وقت میری مدد تھی جب میں کرا کو لے کر گھر سے نکلا تھا۔ اس کے مشورے میرے لیے مفید ثابت ہوئے۔ رہے۔ اس نے ہم دونوں کو پناہ دی تھی۔ حالات کے پیچ و دم سے کچھ کر کے کی خاطر ہم دونوں کو کھانسی کے نزلوں سے آگاہ کرتا رہا۔ ایک میوز پر جاگ کر کھیلنے کے کھوئی جارہے آڑے آگئے۔ میں نے جا چکوں کر لیا۔ لگا کر انہوں کو بچانے کی خاطر میں نے اس کے خوف میں آئے والے تین آدمیوں کو گریڈ پر بندھن میں دو اور کیا تھا۔ کل اور کلاب کرنے والے مصلحتوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ میں بھی مصلحتی فرد سے بچاؤ نہ کیا۔ انھوں نے مخالفین سے بھتر جائے پتہ کر اپنے فرائض پورے کرنے گئے۔ مولوی شیخ کو کو لے کر نکلا۔ وہ میری خاطر زکا تو خود بھی پیٹ میں آجاتا۔ اس نے بعد سات سال کا وقت درمیان میں حال ہو گیا۔ دو دیاں بڑھ گئیں۔

جیل میں ملٹل نسلاب ہوتا تھا یہاں کے بندے بچے دھیل و خوار کرتے رہتے۔ کھلونے کی طرح طے رہتے۔ جو کہ جاتے کرتا، میں ان کے لیے تڑواؤں بن جاتا تھا۔ وہاں لوگ کھیت تھے، اڑے پاڑے سے تعلق رکھتے تھے۔ جیل ان کے لیے مہمان خانہ تھا۔ پولیس خانہ پر کرنے کی خاطر کچھ گڈوں انھیں مہمان بنا لیتی تھی لیکن وہ سب اپنی مرضی کے ناک تھے۔ ایک سے بڑھ کر ایک بدصالح تھا۔ وہ میری بوٹیاں پوچھ توچ کر کھا جاتے تو کسی کی مجال بھی جو ان سے باز کر کے دیکھنا نہیں شصا تھا۔ اس کی نظروں نے مجھے شائد کیا۔ میرا لیکن میں گیا۔ میری نظروں کے سامنے ملٹل کا دل نہیں لگتا۔ ابھرے لگے۔ وہ کھیل کے نام سے پھرتا تھا۔ اس کی آواز کی گنجشک میں کھیں پسوں والے بھی کی کھڑا تھے۔ اس کے کب و لچکے کاٹتے بڑے بڑے سوداگر کا پانی کرتی جیل کے اسٹریٹ بھی

اس کی خوش فہمی حاصل کرنے کا پھانسیاں کرتے تھے۔ کی بدولت اس کے آدمیوں نے بھی میری تربیت شروع کر دی تھی۔

میرے ذہن کے پردے پر ایک فلمی منظر تھی۔ اس مرکزی کردار، مصلحتی قابلین کو کرا میری زندگی کا حاصل تھا۔ میرا جاتا اور بات کی تھیں جب تک آتی جانی سناؤں کو قائم تھا میں اس کی یاد سے غافل نہیں ہو سکتا تھا۔ مجھے جانی کرنا تھا۔ وہ جہاں بھی تھی جس حال میں بھی تھی، اگر کسی دو بھی میرے خیال سے غافل نہیں ہوئی۔ مجھے آواز سے اس کے اسٹریٹ کرنا تھا، وہ عرصہ تھا میرا دل کہتا تھا۔ زندہ ہو کر میری راز کھ کر دیتی ہوگی۔ میں اسے فراموش کر گئی۔ اپنی نظروں سے گزر گیا، اس لیے ملٹل کو یاد کرتا تھا۔ پھر نے خربنی کا نام لے کر میرے دل میں امید کی جوش دیا تھی وہ اس میں جہاں خزانے سے کھلی زیادہ تھی تھی جو میں نے بہت سیخت کر چکا کر کھا تھا۔

انسان پر ظاہر تھا مجھ سے لیا ہے لیکن اس کے وجود کے ساتھ آگن تھا کیا باتیں بھی تھیں۔ راکہاں کا ایک الگ الگ ہوتا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان کیا تھیں میں رنگ میں ہیں، کچھ کچھ دھوڑے دھاتے ہیں، ان کی باؤنٹیں ہو کر ان کی اپنی مصلحتی خاطر میرے ہونے دھاس پر بندہ ہو کر دیا گیا اس کے رنگ میں کچھ نہیں پڑ سکتے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ میں اس کو ٹھیک کر سکتا ہوں۔ میرے دروازے پر ہم چکر ایک دور سے خردوں میں تھی۔ خوش تھیں، میں نے ان کی بات بات کی تھی اس نے کہا تھا کہ جاگ کھیلنے کے سرور کے لیے میرے پاس ہے کہ وہ تھیں تھیں دستاویز کی حفاظت کرے۔ ان بچہ وہ مکمل سمجھا تھا کہ کرا کی زبان سے بھی ہوئی تھی کہ ایک ایک بات میرے ذہن پر نقش ہوئی۔ اگر بڑھا میں انھیں زندہ ہوا تو وقت آئے تو کرا کے نازک باتیں ملٹل کی طرف تیار ہوا۔ کچھ کچھ کے دروازے کے ساتھ میں اس کو سرداری کے منصب سے دست بردار ہو گیا۔ جو کرا کو سمجھ لے گئے تھے وہ بھی اپنے ذمہ و دروہان توافقت نہیں ہوں گے۔ اقتدار کی ہونے غلاموں کے



کھلی کر سکتے ہیں۔

”بابا کے بارے میں آپ نے کیا نتیجہ اخذ کیا ہے؟“

”سیورین نے مصلحت کے بارے میں دو باتیں کیا۔“

”اس کی مصلحت کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے۔“

”نہ بڑے بڑے اغاظ میں سوال کیا۔“

”تم اس مریض کو بابا کیوں کہتی ہو؟“

”دونسا میرا کوئی نہیں ہے۔“

”سیورین کی آواز ہمزہ لگتی۔“

”انھوں نے مجھے بابا کا پتا دیا ہے۔“

”میرا سراسر اس کا اقلیت ہے؟“

”دروازہ میں ملٹل موزم ہیں۔“

”سیورین نے کہا کہ پھر موزم دہلا جا۔“

”آپ کا کیا خیال ہے، ڈاکٹر؟“

”بابا کے ذمہ زیادہ خطرناک تو نہیں؟“

”اب انھیں بندھے سیورین اور ڈاکٹر احسان کی باتیں سننا رہا۔ میرا ڈاکٹر اس وقت انھیں کی آواز بگاڑتا ہوا تھا جو میرے سامنے کھڑے ہوئے۔ ڈاکٹر سیورین اغاظ میں سیورین کو کرید کر ہاتھ دے اس کے پیچہ ورات تھیں کے معافی تھا۔ سیورین نے مصلحت کے ذمہ کے بارے میں سوال کر کے میرے وجود میں ایک ایسی ہی چاندی کی مختلف سوالات سر ا بھارتے گئے۔ وہ ڈنگی ہو گیا کہ اس کے ساتھ کیا حادثہ پیش آ گیا؟ کرا کی تلاش میں وہ میرے شانہ پشاندہ میں بات بڑھائیں گے۔ نیچے نیچے تھیں تھیں تھیں تھیں۔ ڈاکٹر سیورین نے جوابی کاروائی کی شائدت۔ وقت بقی مناسب خیال کیا ہو کہ راستے کی بڑی کالوں کو ایک ہی جے میں ڈور کر دیا جائے تو ان کی ڈور میں بھی کی ہو جائے گی۔ ان کی جگہ میں اور مصلحت

ہوتے تو ہم بھی اسی انداز میں جوابی کاروائی کا فیصلہ کرتے۔ اگر میرے اندازے درست ہوں تو پھر پھر میں جو کچھ بتاؤں اس میں بلوری بھی لگا کر دکھائی دے گی۔ اس سے مولوی شفیق کے علاوہ میں اور انجینئرز کا بھی ذکر کیا تھا۔ ممکن ہے، بعد میں اور بھی آگے ہوں، بلوری انھیں دیکھ نہ پائی ہو۔ ایک میرے سامنے مولوی شفیق کے ساتھ ہی پرازدستی سے اپنا تاننا چکا تھا۔ دوسرے نے گورا کو اسے سامنے لے کر قبضے میں جانے کے بعد مجھے ٹھنڈا بنانے کی کوشش کی ہوگی۔

اگر سید مرین کا بیان درست تھا کہ جزیج میرے ساتھ ہی خولی سے نکلا تھا تو پھر ذرا سن بھی اس سے غافل نہ رہے ہوں گے۔ کچھ ہمارے قناب میں گئے ہوں گے، ایک وہ دیکھ کر گئے ہوں گے جنھوں نے بعد میں آنے والوں کو ٹھنڈا بنانے کی کوشش کی ہوگی۔ کیا درست تھا کہ انھیں غلط فہمیتوں سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ سید مرین نے بھی میرے کیا تھا کہ ان کی حالت تھکے زیادہ خون دینے سے سب بڑی ہو گئی۔ جب کہ خود دخل خراجوں کے بارے میں ڈاکٹر احسان کو یاد رہی ہوگی۔

”ہسپتال کے لان پر افراد جمع رہے ہیں وہ بھی مجھے اچھے لگتے نظر آتے تھے۔“ ڈاکٹر نے قناب کے دھڑوں کی بات نظر انداز کر کے ایک سوال کیا۔ ”کیا تم انھیں کسی جاتی بھی پتہ کی وادار کا خیال ہے کہ وہ کچھ پھلتے سے تعلق رکھتے ہیں؟“

”نہیں کیا کہہ سکتی ہوں۔“ سید مرین نے ڈاکٹر کو خوب صورتی سے ٹال دیا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ قناب کے جاندار سامنے آئے۔ اس کے بعد بھی کسی حد تک طبع حالات کی تھوڑی بہت بھٹکتی رہی ہوگی۔ قناب اُسے پاؤں سے لوگوں کے لیے بھی باب کا درجہ رکھتا تھا۔ ہسپتال میں اس کے داخلے کی اطلاع پا کر وہ بھی جین سے نہیں بیٹھے ہوں گے، ادھر ادھر سے سن کر لے رہے ہوں گے۔

”میں جانتا ہوں کہ سید ایف اور جرج کارنر ہوں۔“ ڈاکٹر احسان کا لہجہ بھی خیر ہو گیا۔ ”لیکن کی ہسپتال کی ساتھ کسی اپنی جگہ بڑی شہیت رکھتی ہے۔ میں ہسپتال کی بنیادی صورت پسند نہیں کروں گا۔“

ڈاکٹر احسان کا وہ عجیب جملہ بھی میری باتوں سے دل میں اتر گیا۔ اب آپ انھیں بند رکھنا میرے لیے حال تھا۔ میں نے انھیں کھینک دیں۔

”پانی...“ میں نے سید مرین سے کہا۔ وہ پانی کے لیے بھی تو ڈاکٹر میری طرف متوجہ ہو گیا۔ ”اب آپ ایک شخص کو کرے

ہیں؟“ اُس کے لیے میں یقیناً تیزی آئی۔

”جی ہاں آسانی سے سمجھ میں نہیں آئے گی ڈاکٹر۔“ میرے لیے میں نے کوشش کی۔ ”آخروں وہ آپ زندگی سے کنارہ کش ہسپتال کے ستر پر پیش خود بھی اعزاز کر سکتے ہیں کہ مولوی انجانی اور بھاری کا احساس انسان کو اندر سے کھولتا رہتا ہے وہ بڑے لگتا ہے۔“

”ذوق دریا اس سے خوش مزاجی سے جواب دیا۔ ”آپ تیزی سے رگڑ کر رہے ہیں۔ ہوسکا ہے کہ میں وہ روز میں آپ کو گھر جانے کی اجازت دے دوں۔“

سید مرین نے کھانسی آئی۔ میں نے دو گھونٹ ملا کے پیچھا کر رکھا اسے واپس کر دیا۔

”قناب کی حالت اب کبھی ہے؟“ میں نے ڈاکٹر سے سوال کیا۔

”انھیں ابھی کم ذمہ لائق ہے۔ شاید ابھی انھیں ایک ڈیز بھٹا دھپان کر دینا پڑے۔“

”میں اس سے فوری ملنا چاہتا ہوں۔“ میں نے اپنا خواہش کا اظہار کرتے ہوئے ڈاکٹر کو یاد کرانے کی کوشش کر دی۔ میرا سب سے عزیز ساتھی ہے۔ ”جو کسی کی زندگی بچانے کی خاطر اپنی زندگی داؤ پر لگا دے۔“ آپ کی زبان میں کیا کہیں گے؟

”میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں۔“ ڈاکٹر کا دوبارہ انداز میں بولانا۔ ”لیکھ لو کہ قناب کی قدر تو ہے ہیں۔“

میں جواب میں کچھ اور کہنا چاہتا تھا لیکن اب جان کے آجانے کی وجہ سے خاموش ہو گیا۔ شاید میرے چہرے پر غم کی علامتیں دہن لوٹ آئی تھیں، اب جان لے لے لے کر ہم انھیں میرے قریب آگئے۔

”خدا کا شکر ہے کہ آج تمھارے چہرے پر بیماری کا داغ کھلا نظر نہیں آتا۔“ جیج ایک منگھو جھڑپا۔

”مجھے بھی خوشی ہے کہ ستر باباب خبر سے باہر ہیں۔“ ڈاکٹر احسان نے کہا۔ ”ہوسکا ہے کہ میں دو چار دنوں میں...“

”میں یہاں کی محنت سے اس کا کیا کہوں۔“ میں نے باجوان کے کہنے کا ”شکر ہے وہ چار ہوئے ڈاکٹر اور جرج کارنر سون کا انتظام کر رہی ہیں اب جاسکتا ہے۔“

”کیوں نہیں...“ اب جان سے بڑی شفقت سے میری چٹائی پر ہاتھ پھیلا کر۔ ”میں آج ہی خولی کے ایک حصے کو لے کر دواؤں گا۔ کچھ ملے اجمل میں تمھاری صحت پر زیادہ خوشی کر

دھڑبھڑ ہوں گے۔“

”میں نے سید مرین کو مخاطب کیا۔ ”میرے قناب میں کچھ کا بندھنا کر وہ میں اس وقت قناب سے ملتا ہوں۔“ سید مرین میری بات سن کر بخیر سے باہر کی دھڑبھڑ کرنے لگے۔

”ڈاکٹر احسان کے پیچھے سے اُتر کر داخل ہوئی۔ ”میرے قناب کو ہم اس کی حدوش حالت میں خیر مسکن ادویہ کے اثر رکھتے ہیں۔“

”میرے قناب میں، میں اسے بخیر چھوڑ چکا ہے کہ ترش نہیں

”کی۔“

”میں قناب میں چل چلے آئی۔ وہ جی جرج کا پیشہ، میری دلی دعا کا اعزاز وہ بھی خیر ہو گیا۔ بات آخر خیر کے رہ گیا۔ وہ بھی میرے قناب میں چل چل کر دھڑبھڑ کا کام دیا۔ ڈاکٹر احسان کی مدد سے مجھے یہ مشکل مشکل قناب میں لایا گیا۔ ڈاکٹر احسان کچھ زیادہ سیڑھی نظر پر

”میں نے قناب کی دکنیت میری سمجھ سے باہر تھی۔“

”میں نے پتہ پر کھیل چھوڑنا دیکھا تو ڈاکٹر احسان نے دیکھا۔“

”میرے قناب میں کچھ۔“ ستر باباب میرے قناب سے کچھ دیکھنے کی بات سے قناب میں۔“

”بات ہے ستر احسان۔“ اب جان نے بھی ڈاکٹر کی بات سنائی۔

”کی۔“

”ڈاکٹر احسان رات سے بہت گیا۔“

”میں نے قناب چھوڑ کر سے باہر کیا۔ میرے دل میں خیر ہوئی۔“ ڈاکٹر کو پیش اور قناب کے بارے میں کچھ دھڑبھڑ ہونے والے ستر سے ذہن میں گنڈھ لگے۔ ”وہ خد کے قناب سے پروردگار کرتا۔ اب جان نے قناب کو دیکھا۔“ سید مرین مجھے کے اندر داخل ہوئی تو قناب پر سے ہی میں لنگ ہو گیا۔ ذہن پر سوال کی لینا اور قناب میں کیا تھا۔ قناب میں ڈاکٹر احسان کے متبع کے چارہ دیکھنے کی خوشی دیا تھا لیکن اس کے سر پر وہ قناب کی باتیں بھی گئی ہوں گی، چہرے کی رگت زرد ہو گئی ہوگی۔

”قناب میں کچھ ہے کہ چہرے پر چم کر دے گئیں۔ اس وقت ہاتھ بڑی کاغذ پر اور گوندہ دوا ایک اہٹ پر چمک لے کر دوا کا دیکھا۔“

”اب جان نے بڑی شفقت سے

”ان کا خیال ہے کہ ایک دودھ میں سر کی بیانی کل جائیں گی۔ اس کے بعد دھم پر منحصر ہے اس کے برعکس میں کچھ وقت تو لگے گا۔“

ہمارے درمیان بات ہو رہی تھی کہ بتا کر آئے اور دوسرے کمر جو کہ باہر بیلا رہا۔ باہر سے دھن گاڑیوں کے زنگ کی آواز آئی۔ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا وہ سب پولیس کی گاڑیاں تھیں۔ میں نے انکچر بلرام کو جب سے آترے دیکھا تو میرا قہار شکلا وہ دیش آباد میں ڈی آئی میں سریندر کے کمرے کے ساتھ کمرہ کدھا تھا۔ میں نے یاد کیا کہ وہ پہلے وہی تھا۔ میں نے اس کے علاوہ کچھ اور بھی یاد کیا تھا۔ وہ دھن گاڑیوں میں باوری پولیس والے بھی ساتھ تھے اس کے آگے کا کوئی خاص مقصد ضرور ہوگا۔ دوسری گاڑیوں سے دس یا پندرہ پولیس والوں نے نیچے کود کر اس طرح پوزیشن سنبھال لی جیسے پوری چوٹی کو گھیرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ سید کریم میرے پاس آئی۔ میں سمجھے کہ سہارے پشت سے ٹپک لگا کر بیٹھ گیا۔ میری نظریں انکچر بلرام پر مرکوز تھیں۔ وہ بڑے عسکرانے سے ”کڑک وادی“ پر میرے پاس کمرے کی طرف آیا تھا۔ باہر جہاز بلرام جو دو دھواہ لیا جان کو خبر دینے دوڑا۔ بلرام قدم مارا اندر آ گیا۔

”میں نے سنا ہے کہ آپ جس اسپتال میں تھے وہاں کی میڈیٹریں کسی نے زہر سے کمرہ کر دیا؟“

”انسان مرنے کے لیے پیدا ہوتا ہے۔“ میرے لیے میں کی کہنے لگی۔ ”جب وقت آیا جاتا ہے تو بات انسان کے بس نہیں رہتی۔“

”نیک کہاں ہے؟“ بلرام نے اگلا سوال کیا۔

”میں اس کے آگے اس صلیب تک نہیں جاتا تھا بدستور کھڑے رہے کیے ہیں۔“ وہ دوسرے کمرے میں ہے۔“

”خاندان بھی کچھ ڈنڈی ہے؟“

”آپ کس مقصد سے آئے ہیں؟“ میرے ممبر کا بیانیہ لہجہ ہونے لگا۔

بلرام کے جواب دینے سے قبل تر لیا جان بھی قد بار سے اندازہ پولیس کی آمد کی اطلاع نہ تھی۔ میں نے اس کی حواس باختہ کر دیا تھا۔ ”کیا بات ہے؟“ انھوں نے بلرام پر آنچلی نظر لگائی۔

”میرے قہار صلیب کیا۔“

”ہمارے واقعہ کار ہیں۔“ میں نے طر کر کیا۔ ”شاید میری اور مصلح کی خیریت دریافت کرنے آئے ہیں۔ یہاں

آنے سے پہلے میں ہی تھوکتا ہے۔“

”آپ کمرے کیوں ہیں۔“ تحریف دیکھے۔ ”ابا جان بلرام کی طرف گھوم گئے۔“

”میرا۔“ بلرام نے اچانک پھٹل بدلی۔ ”آپ شاید کسی وجہ سے ناراض ہیں۔ پولیس اور جٹ کے درمیان غلط فہمی پیدا ہونا کوئی نیا بات نہیں تھی۔ لیکن اس وقت میں آن ڈوٹی ہوں۔“

”کیا چاہتے ہیں؟“ میں نے وضاحت چاہی۔

”آپ نے اسپتال پہنچنے کا فیصلہ اچانک کیوں کر لیا۔“ کیا وہاں کی تکلیف تھی؟

”میں سمجھا تھا۔“ میں نے بھی اسے حق دیکر اسے گھورا۔ ”کیا اسپتال کی تبدیلی کے لیے بھی اب پولیس کی اجازت ضروری ہوتی ہے۔“

میرے سوال کی تکی کا رنگ اگلے کو بلرام کے چہرے پر نمایاں ہوا لیکن دوسرے لمحے ہی وہ انشیز پوزیشن میں آ گیا۔ باہر پرکشی گاڑی زنگ کی آواز ابھری تو میری نظریں پھر دروازے کی طرف چلی گئیں۔ بلرام اور پولیس والوں کی جھگی آدھ کی وجہ تھیں میں سمجھے درپیش تھی۔ لیکن یہی چھپائی کا گڑھی دروازہ ایک پولیس والے نے کھولا پھر اس میں سے جو شخصیت نمودار ہوئی وہ ڈی آئی میں سریندر کی کمرہ تھی۔ میں نے اپنے اعتماد کو توڑ کر اس میں درپیش لگائی۔ اس وقت وہ قمری چری سوٹ میں ایک خاصا عجیبی ٹھکر میں نظر آ رہا تھا۔

سریندر کو پورے ایک گھنٹہ میں ملا تھا اس کا ایک ایک ممبر میرے ذہن پر پھٹا تھا لیکن اس وقت وہ میرے ہوش حواس میں ایک مذہب اور دوسرے دماغ اور نظر آ رہا تھا۔ باہر کمرے سے پولیس والے اسے دھڑا دھڑا دھلیٹ مار رہے تھے۔ انکچر بلرام میں اس کے استقبال کی تیزی سے آگے بڑھا۔ میں نے پھر اٹھا تھا میں ابا جان کا اس کے بارے میں بتا دیا۔ وہ بھی سمجھ گئے۔

سریندر کبوتر میں بیٹھا اچانک میرے قریب آ گیا۔ میں نے ابا جان سے اس کا تعارف کر لیا۔ سریندر کبوتر نے بڑے احترام سے آگے بڑھ کر ہاتھ ملایا پھر میرے قریب ہی بستر پر بیٹھ گیا۔

”نیک تم۔“ اب کسانیل کر رہے۔ ”اس کا اعلان دوستانہ۔“ مجھے کبوتر پہلے شکلا کی قانون طاقت زیادہ دے نہیں ہوئی۔ وہ جلدی میں تھا ایک دودھ بھرا لے کو کھڑا

اور بلرام کے دوسرے مجھے ہمارے ایک اسپتال سے گھر کی اطلاع ملی تو مجھ کو اس کا اچانک فیصلہ کی کوئی خاص بات ہوئی۔ ”وہ روانہ ہے۔“ میں نے جی نہیں بھلا کر کہہ دیا۔ لیکن ایک میڈیٹریں کو زہر سے کمرہ مارا گیا ہے۔ ہمارے کے پیش میں تھے، میں ہمارے خیریت دریافت کرنے میں سے سکون کا سانس لیا۔ انکچر بلرام، ڈی آئی کی کا کھنکھن کر کمرے سے کمرے سے چرمانے لگا۔

”آپ کی ذمہ داری ہے جو آپ نے ذمہ کی۔ میں اب کھنکھن کر رہا ہوں۔“

سریندر کبوتر کا ابا جان کی آواز نام سب کے لیے ٹپک ٹھکانا۔ ”وہ کوئی سول شخصیت کا لک نہیں تھا۔ میں آواز کا ڈی آئی میں تھا۔ بادشاہ تھا اس نے گھر سے نکلنے وقت نہیں کہا ہوگا کہ اس اہم منیجک میں جانا ہے، اس کی حیثیت کے مطابق پولیس کے باوری اہلکار برادر پاسی بھی بغیر کسی توقف کے ہوسے کل کھنکھنے سے پس ہو کر پھوٹیں میں بیٹھ گئے ہوں۔ انکچر بلرام جو اس کا رابطہ افسر تھا وہ بھی بڑے سطرانے سے دم چھلکی کی طرح ساتھ لگ گیا۔

راستے میں سریندر کبوتر میری چوٹی کا ذکر کیا تو شاید اس کی باجیں کل گئی ہوں گی۔ میں سوچا ہوگا کہ شاید ڈی آئی میں بھی پہنچ میں مصلح کے ہاتھوں کو تم کے اور وہاں کے معاملات کے بارے میں ہمیں مل گئی ہو۔ یہ بھی کیا چلا ہوگا کہ میں مصلح کا دست راست فیصل آباد میں ہوں۔ سریندر کبوتر کے بارے میں اس میں شکلا نے مجھے یہ بھی یاد کر لیا تھا کہ اس کے کئی معاملات اور ذاتی حیثیت میں کارڈ کے جوہر رکھنے میں زینت و سامان کا فرق ہے۔ جو کئی دوسرا آفر نہیں کر سکتا۔ وہ سریندر کبوتر سے ہر کام کر سکتا تھا۔ بلرام کی تلاش میں کوئی دلچسپی تو مجھے کہ خود انکچر بلرام کی باتوں میں کچھ نہ تھی۔ اس نے بڑی فرحت سے مجھے تم کہہ کر مخاطب کیا تھا، آج سریندر کبوتر کے جسے مجھے آپ کہتے ہو مجبور ہو گیا تھا۔ چوٹی میں اپنے اسکرے کو دینے کو کہہ کر اس کی چھاتی پر سانپ ضرور لوٹے ہوں گے۔ یہی چاہا گیا ہوگا کہ سریندر کبوتر ایک دوست، واقعہ کار کی حیثیت میں میری خیریت دریافت کرنے آیا تھا۔ باہر پاسی میں شکلا کا نام بھی درمیان میں آیا تھا جس نے بلرام کی ذمہ داری سنبھالی ہوئی۔ وہ جاتے جاتے دیکھا ہوں کہ مجھے دوتی کا پیغام بھی دینا چھوٹا ہوا۔

سریندر کبوتر نے پہلی ملاقات میں میں نے اس کے ذاتی

[illegible]

ہم حال میں رہ رہ کر اسے میری ملاقات میں ماحول میں
ہوئی تھی اسے سر پر کپڑے کبھی فراش کبھی سرسٹک تھا اسے
شکل ان بانی پتال میں بیٹھے کے فرماؤں کی تعمیل بھی سلیم
ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے اس نے صرف مجھے سے پوچھنے پر انکشاف
کی تھی کہ پورے طرح کیا وجہ تھی بغیر میں بے غلت کوئی
کیوں آگیا؟ یہی کہ موت کا اس نے جان لوچہ کر دیا
مناسب تھا مجھ کو گناہ کی اور دھڑا تو میری مزاج پر ہی کے
بہانے بال کی کھال نکالنے کی کہ یہ میں لگ جاتا۔ یہ سر پر کپڑے
سے ایسا کچھ نہیں کیا، سب سے بڑی خدشہ بیٹائی سے ملا۔
جانتے جانتے یہی کہ کتاب آجانا گارے گا۔
میں اپنے خیالات میں غرق تھا کہ جان دوبارہ آگئے۔
سیرور میرے قریب تھی۔
”میں اب تک یہی محسوس کر رہا ہوں کہ میں نے جانتی
آکھوں سے کوئی خواہش نہ کیا۔“
”جی۔۔۔ میں سمجھتی ہوں؟“
”مناسب تھا اسے شکل کی کہ میرانی ہے ورنہ میں اسے

۱۔ ہم ذکر کربندی یا بگور چلا جائے تو چنگل افسران بھر جاوے
 ۲۔ ہمارے ذکر کر دیے گئے۔
 ۳۔ "نکتہ میرے خوش نظر تھا۔" ایا جان جملہ عمل کر کے
 ۴۔ "مسلحہ قاتل میں رہ کر بھی چھپنے کے لئے۔" اصل حالات کیا
 ۵۔ "اس میں اندازہ خطائی کے آنے کے بعد ہی ہوگا۔"
 ۶۔ "کوئی خاص بات؟" میرے وجود میں اندیشے سر
 ۷۔ "نہیں۔"
 ۸۔ "اپنا میں تم سے بات کا موقع نہیں مل سکا۔ میں
 ۹۔ کسی تلاش میں جلا ہوا۔" کراہتی تھیں عزیز سے اس سے
 ۱۰۔ "وہ مجھے بھی عزیز ہے۔ میرا دل بھی کوئی دیتا ہے کہ میں اپنی
 ۱۱۔ "دل میں تمہارے سر پر ہوا ضرور دیکھوں گا، میری بڑبڑ میری
 ۱۲۔ "تمہاری خوش کریندے سے وہی ہوگی۔"
 ۱۳۔ "نکلا تم سے کیا کیا تھا؟" میں مضرب ہو گیا۔
 ۱۴۔ "تفصیل بتائی۔" البتہ یقین دلار ہے۔ تم نے کچھ انھیں
 ۱۵۔ "دل کی کیا صفاتیں؟" میں نے انھیں کچھ دلا دیے پتے ہو گئے
 ۱۶۔ "دل میں بھول نظر۔" نے والے بنگالے کی تمہارے کمرشانی کو بھی
 ۱۷۔ "موقع پر سے جھٹکا رہا تھا۔"
 ۱۸۔ "ہو سکتا ہے اصول نے اسے بھی کو اسے ساتھ..."
 ۱۹۔ "اسیامت کو بار ہے..."۔ "ابا نے پتے چھٹی کا کٹھنار کیا
 ۲۰۔ "میرا دل کوئی دیتا ہے کہ ہماری جہاں بھی ہوگی، زندہ و
 ۲۱۔ "ملات ہوگی۔"
 ۲۲۔ "زمرے میں ان کے علاوہ خود کو انے بھی کیا تھا کہ نئے
 ۲۳۔ "روا کر کسی اور کی نہیں، صرف اور صرف ان حیرت کا نفاذ کی
 ۲۴۔ "ضرورت ہے جس کا جاگ کیلئے کے سردار کی قبول میں میں ہونا
 ۲۵۔ "میں سمجھا جاتا ہے۔" کا نفاذ کرنے سے پہلے کو را کو راستے
 ۲۶۔ "دہنار باتان کے لیے سو نہ نہیں ہوگا۔"
 ۲۷۔ "تم؟" ذکر احسان کی بات کیوں فرماؤں کر رہے ہوں؟ ابا
 ۲۸۔ "ہاں نے پھر مجھے لے لیا۔" ابا اور جود میں ان میں اس حملہ
 ۲۹۔ "اور اس کے لیے قابل برداشت تھا۔" زہریل سوئی اگر
 ۳۰۔ "تمہارے جسم میں اس ایک میں اور دو جانی، اختیار اندیشی طور پر تم
 ۳۱۔ "سے ہوں سے کل اسے جسم سے کچھ کر طریقہ نہ کیا ہوتا
 ۳۲۔ "ابا جان کا بچہ جیتے گا۔" جملہ نذر کر گئے۔
 ۳۳۔ "صرف انسان کی زندگی پر پانی کا لہلہ نہیں ہوتی، حیات کا
 ۳۴۔ "ایک کو بدلنے ماسقوں کا دست ہوتا رہتا ہے۔ ایک ایک میں
 ۳۵۔ "ابا، میں جیتے کی حیات بدل جاؤں گا، جیسے، کچھ کا کچھ ہو جاتا
 ۳۶۔ "میں بھی۔" اس کیفیت کا افکار تھا کہ میں کو کل نہیں ہوتا

جدید وقت

بڑا بچا: بروی کی کوڑی یا کوڑی کی روئی
بڈھا: پتا بڑا اسپتال
بچہ: بچہ: گا: گا: آپ کا خون چھوٹے والے۔
بھارت: **بھیک:** خیرت کے لیے شارت کرت۔
بھیت: بچہ کا خاتر
شاد: بچہ خوشی کا خاتر
بھونا: بھونوں کے لیے رام۔ بھونوں کے لیے بھو
زبان: بھونوں کے لیے رام۔ بھونوں کے لیے بھو
سیا: سیٹ فان۔ روہرہ کے جہرہ رکت دیل
کتا: کتا۔
لیون: لیون۔ جہرہ رکت کے کام تار کر کے۔
اسمعی: اسمعی۔ جہرہ رکت کے کام تار کر کے۔

ابن سنان آبادی کے تھے

سے شکوہ تھا کہ دو کرا کی جانب سے بے پروا تھے۔ سارے
 ان کے اوراد کی کا عالم ذکر کیر اسارا شکوہ تمام حالتیں
 ہوئیں۔ حالات اور انسان کے ہر اور ان کے ہر کی کا پیش
 سے تم ہے۔ ماس اسے ہر ایک کو ہو سکنا تھا۔ سامنے
 حادثہ ایسا کہ دروہا تھے ہیں۔ انسان کا نہیں چلا۔
 کا کیا باز کے نام دروہا کو ان کا کارور اس کے کچھ
 ساتھیوں نے جس وقت سمندری جہاز پر سے کچھ
 نگر ہرڈوں کے ساتھ کچھ کی ان کا جہاز پر سے کچھ
 قاس سے چندے کی ہر سے کسی ایسے جانے کا تھا
 بھی نہیں کیا تھا۔ ہم جیسے پروفیسر تھا ہمیں کے سامنے
 ہندوستانی تہذیب، تاریخ اور ثقافت کی دیکھ کر ہے
 جب دلائی شراپ کی خوش اور ہندو کی دیکھ کر ہے
 لیکن کروی تھی۔ ٹوٹی کر فریض پر جب چھائی کی طرح
 کا کہ کیا کیا اور ہندو کی قادیوں کی طرح
 ہر ٹوٹ پڑے۔ دو تین پیک خلاف طلق سے حد سے
 کھٹل کرنے کے بعد یہ ٹوٹی ترک میں لہرا جا ہوا
 ہوا۔ لیکن یہ کیفیت میں چھوٹے ہرڈوں، اچھے اور
 ہندو کی مٹ جاتی ہے۔ لیکن ہندو کی ہندو کی ہندو کی
 ہندو کی ہندو کی ہندو کی ہندو کی ہندو کی ہندو کی
 کی ہندو کی ہندو کی ہندو کی ہندو کی ہندو کی ہندو کی

کے ساتھ قرض کرنا دیکھ کر وہ ضبط نہ کر سکا، کم طرفی پر اتر آیا۔
 پروفیسر کے احتجاج کے باوجود جسٹس اس سے نہ نکال سکا۔
 کیا جو صرف خاص اور اونچے طبقے کے لیے وقت تھا۔ بابر
 بھی خون کھول کر وہ کیا۔ قتل کی سوچیں میں میں خون کا
 گھونٹ پی کر رہ گئے۔ قتل کے نظروں سے اوجھل ہوئے
 ہی تھے۔ مجرور اور ذرا آپے سے باہر ہو گئے۔ مجرور نے
 ریٹنگ کے پاس آکر لڑکھائی آواز نہ کیا۔ "ٹوٹے ٹھٹھے
 ہی مشورہ دیا تھا ڈال دے جانی۔ میرا سبک بھر جاتا تو اسکو
 اتنی کوئی صاف نہ کرنا سکتا۔" اس کا ہمراہی اس کی طرف لال
 بندر کھنڈر کے کٹھن۔ چھٹیا کالٹ لگے پڑے کی طرح
 ادا تھا۔ ہمراہی نے اس کا سارا ماڈ دوسرے راستے سے نہ
 نکال دیا تو دم بھل دیتا۔

جبر کی دیکھا دیکھی ٹوٹی کی اصلیت بھی جاگ ہی۔ وہ
 بھی کھلی کھانے لگے۔ "تو ایسا کرو ڈال دے استاد کے جو میں
 جا کر کھلی ہوا ہے۔ اس جی دے۔ میں اور اس لال کٹیا
 کے سنے کو ایک دم خاموشی سے کالٹ پیٹ کر ایسی سمندر
 میں لٹکا دوں گے، سالی نکلیاں ہیں اتنی کو کھینچ لے
 لوں گی۔ کیا؟"

"بعد میں قتل ہو چکا تھا مگر تو بات بھڑ جائے گی۔ میں
 نے انہیں معلوم سے کام لینے کا مشورہ دیا۔
 "بھیر۔ تم کیا بولو؟" مجرور نے بچے کو گولا۔ "تمھاری
 کھوپڑیا کھلی ہے۔"

"دیکھ کیا؟" بابا جان کی خاموشی میرے اندر دھک
 کرتی تھی۔
 "تم سے ان کی ناراضی ہے جا نہیں ہے۔" بابا جان
 میری چیخاں پر ہاتھ کر رہے تھے۔ "تم کل قتل ہو گئے۔
 میں نے تم کو ہرگز میرا مشورہ ہے کہ انھوں نے جو ہر اہل
 ہیں ان کا احترام نہ کرنا۔ کوئی کیا بات نہ کہنا جو ان کی محنت
 اڑا کر اڑا ہو۔"

بابا جان مجھے مشورے دے کر واپس چلے گئے۔ مجھے خاطر
 کی ناراضی کا احساس تھا کہ میں نے اپنی اپنی فحش دنیا
 جیسے گڑھی کا وہ امیسا جو جام ہو تو اس کے تحریک کے تابع
 ہے رہنے میں چل پڑی ہو۔ میں نے اپنی وہی فحش دنیا
 خواہ اس کا تھکنا میرا سہارا نہ ہو۔ میں نے دوسرے کرے میں
 اس کا اطلاع دی کہ وہ خوباب ہے۔ میں نے اسے بندھے
 مناسبت نہیں سمجھا۔ خود بھی انہیں سمندر پر کھڑا کر خیال
 ڈھینے ابھرنے لگے۔ شکایت کی گوری کی زندگی کی سمور
 امیدوں کو بھرنی کی ذات سے وابستہ کر رکھا تھا۔ وہ جبر
 تھے، جہاں دیوہ تھے۔ ممکن ہے انھوں نے جو قتل بھرنی
 رابطہ خدمات، تجربات اور کارکنوں کی بنیاد پر لگائی ہو۔
 دوسرے ہرگز نہ تھے اور سامانوں کا ایک کھوپڑی
 اندیشوں کو سورا کر دیا تھا۔ جاگ کھینچنے کے لوگ اسے کے
 تھے تو اسے اپنی ذمہ کی فحش مقام پر منتقل کر کے کھنڈر
 قتل نظر ضرور ہوگا۔ ان کا اختیار وہی دھن زیادہ ہو میری رسائی
 ممکن ہو، میری قوت جہان کے خطر انھوں نے بیتا کو تسہیر
 حاکم کی صلیب پر چڑھا دیا تھا۔ وہ اسپتال تک آنے کی
 جرأت کر سکتے تھے۔ ہرگز ہلاک کرنے کی خاطر فحش میں
 گھسنے کی جسارت کر سکتے تھے۔ وقت بچھ سے نکلا ہوا ہر ذات
 جو بیدار اسکان نہیں تھے۔ وقت بچھ سے نکلا ہوا ہر ذات
 کے ساتھ بچھنا گویا اور میرے درمیان کا قلعے کی اپنی پائوں
 بڑھارے ہوں گے۔ گویا جانکی کی کیفیتوں سے وہ بڑھ ہوئی،
 اس کی سبھی کسی کی منتظر نظر نہیں مجھے ابھر اترتا کر رہی
 ہوں گی، کسی دوست کی منتظر ہوئی۔ وہ دشمنوں سے کسی
 دوستانہ سلوک کی توقع کر نہیں تھی کہ کوئی ایک تھانہ جہاں
 ذات سے اس ناگزیر کی کھنڈروں کے بدتر کھنڈر میں سموسن
 سطر میں بہا سکتا تھا کیا کہ جسے قاتل دے ہوں گے کہ
 بھرنی کے قاتل کو انھوں نے بھر نظر انداز کر دیا ہوگا۔
 ترین سوال یہ تھا کہ جاگ کھینچنے کے سردار کے لیے گوری کی ذمہ

اہم ہو سکتی تھی؟ تحریک کا خدات کے حصول کے بعد
 کھاتے میں گویا کھنڈر سے سرخسٹ دیا ہوگا۔ بڑھا اٹھیں
 گویا کے ساتھ ان کا خدات کو بھی ساتھ لایا تھا۔ وہ
 کے بارے میں رواج اور سوز سے واقف تھا۔ گویا کا
 بعد شادی کر کے گویا کے گویا کے بیٹے اس کے
 ہمارا دور ٹوٹ جاتا۔ سارا مغلطہ ہرے کا ہوا رہا جاتا۔
 گویا کے رواج کے مطابق خدات کی ایک کھنڈر
 سے اتر دے۔ اس کی جگہ گویا کی عایت تسلیم کرنی
 سب اس کی پکوں کی ایک ایک شخص کے تابع
 ہے کیا دیکھتی ہیں کوان باتوں کی خبریں ہوں؟ کیا وہ خدات
 تھے جسے بھرنی کی ذات سے امیدیں وابستہ کیے
 تھے؟ بھرنی کی خراب بچہ رہے؟ انہیں بھرنی کا
 بھی ضروری ہوئی۔ میری سوت کے ساتھ بھرنی
 کی گلی کا احساس بھی محسوس ہے ہوا ہوگا جس کے نتیجے
 میں بھرنی تک چلا آتا تھا۔ بہت سے سوال وضاحت
 کے لیے میرے وجود میں کھینچ رہے تھے۔ شکا
 کیس تھے؟ بھرنی سے اگر انھوں نے تو قہات وابستہ
 کیس میں اس کا سبب کیا تھا؟ میری کاہنہ بھرنی
 حاصل، میری زندگی کا ہم ترین میری اصل
 "میں میری گویا؟" میری گویا کہاں؟ اس حال میں
 تھی کسی یا نہیں؟ میرا جہان بھرنی ہونے لگا۔
 رہا نہیں۔ وقت ہو گیا ہے۔ "سیرین کے ساتھ کھینچ
 نے میں نے خیر کیا کر گیا۔"

"میرا سوال سن کر وہ ہنسنا لگی۔ شاید اس نے میری بات
 کا پرانا تھا۔ مجھے اس کی زندگی کے درد خاں سے جھانکنے کا
 حق نہیں تھا اس کی خدمات صرف ہر دار کی کے لیے استعار
 کی تھیں، ذاتی محاسن میں وہ خود گویا کی اپنی مرضی کی
 مانگ تھی۔ کوئی مجھ پر اس کے پاس کی بھرنی نہ ہوئی تو شاید وہ
 میرا سوال سن کر خوش نہ رہتی، بچھ پڑتی، برلمان جاتی، دوا
 میرے مشق پر بار کرنا سے۔ بچھ جاتی تھی۔ وہ خدات
 کھنڈر تھی۔ میرا سوال سن کر اس کی آنکھوں کی سرخی گوری
 ہونے لگی۔ وہ خون میں ارتقاں جاگ اٹھا۔ مجبور نہ ہوئی تو
 بھرنی کی بھرنی، بھرنی، بھرنی، بھرنی، بھرنی، بھرنی
 ابھر آئی۔ خراج کر پڑتی۔"

"کون ہوتے ہو تم میری ذاتی زندگی کے بارے میں
 کر رہے ہو؟" اس نے مجھ سے نہیں بے اختیار دیا ہے کہ اس
 کسی کی زندگی کے بارے میں سوالات کر رہے تھے میری
 زس ہوں، تمھارے باپ نے آٹھ مجھ کے لیے میری
 خدمات خریدی ہیں۔ میں تمھارا خیال رکھنے کی پابند ہوں،
 تمھاری کارروائی میرے فرائض میں شامل ہے، وقت پر وہ
 دارو دے، ڈیوٹی چارٹ میں قیوتوں کا اندراج کرنا، ان
 کے مشوروں پر عمل کرنا۔ میں اس کا پاس کی پابند ہوں
 لیکن ذاتی زندگی پر صرف میرا اپنا اختیار ہے، ہم کہہ

باقی واقعات آئندہ شمارے میں



میرے پھوپھا، جارج بلٹن کے بڑی بڑی صنعتی فرموں کے مالکان سے بہت اچھے روابط تھے۔ وہ ان لوگوں کے تعاون سے اپنے ادارے کے تحت ٹیکسٹریلوں کے ملازمین اور ان کے اہل خانہ کے لیے یورپ کا سیاحتی دورہ بدلیہ موزوں کر ترتیب

وہ کہہ دیتے کہ وہ آپ کی جس لطیف کو متاثر کر دیا۔
 ”میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟“ اس نے پوچھا۔
 عموماً چٹون پہننے والی لڑکیاں مجھے ایک آنکھ نہیں
 دے تو وہ ایسی تھی کہ چٹون اس پر جتنی تھی۔ میں فر

مجموعہ ہی ڈور گئے ہوں گے کہ بارش شروع ہو گئی۔
 تسلیم کیا کہ ایسے موسم میں اسکوٹر پر سفر کرنا عذاب
 الٰہی اور اُدھر کی باتیں کرتے ہم جیس کے نواحی

”جیسے تمہاری مرضی...“ میں نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔ ”ذویہ... میں اپنا تعارف کروا دوں۔ میرا نام یلین گرائٹ ہے، اور شاید...“ میں نے کچھ دیر توقف کیا، لیکن جب دوسرے سے نہ ہوئی تو میں نے جملہ مکمل کیا۔ ”شاید تمہارا دوسرا نام بھی...“

میرے پاس اسے تم کو تلاش کرنے کا ذریعہ نہیں تھا۔ میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے اور انتظار کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں باجی خان انتظار کرتا رہا۔ اور اگر اس عرصے میں اس کے کان پر نہیں ہوتے تو یقیناً سینٹ کے جے ہوتے ہوں گے۔ کیوں کہ باجی خان دوں میں نہیں نے جس امن ناموں سے نوازا ان کی یادداشت آج بھی مجھے کل کر دیتی ہے۔ اس کے باوجود مجھے احساس تھا کہ اس کی فطرت میں لادائی اور خود غرضی کا عنصر نہیں ہے۔ کم از کم اسے تم قلم تو نہیں قلم قلم میں جانتا تھا۔

اب سسٹم کا واحد اصل یہ تھا کہ میں ادنیٰ کا ستر کروں۔ مائٹریل کے کمران والے کو اسے تم خوب یاد تھی۔ اس نے اعتراف کیا کہ اسے اسے تم کی طرف سے ایک خط وصول ہوا تھا لیکن وہ خط اس سے ضائع ہو گیا۔ کیوں کہ اسکو اس نے حسب ہدایت لندن بھجوا دیا تھا۔

”سکونڈ خرابی کی کچھ؟“ میں نے پوچھا۔
”کوئی خرابی نہیں کی۔“ وہ تیرا نظر اسے لگا۔ ”خاتون نے تمہا کہ لے کر لے گئے۔ وہ تیرا منہ نہیں ہے، یہ چٹان چہ انھوں نے ایک دوست سے بات کر کے، اور کار میں ستر کر دیں گی۔ پھر آپ آئے اور خاتون کو اپنے ساتھ لے گئے۔ اس کے علاوہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔“

اب اس طرح ستر کا تھا۔ میں وہاں کئی کئی برسوں کے فیجر سے ملا، یہاں سے یہ تمام کیا تھا۔ ”بات تو عجیب سی ہے۔“ میں نے فیجر سے کہا۔ ”لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں اس خاتون کا نام اور پتا بھول گیا ہوں جو گولڈ ہاؤس سے ساتھ ساتھ یہاں تھری ہوئی گئیں۔ یہ معلومات آپ کے دیکار سے حاصل ہو سکتی ہیں؟“

”یقیناً میسور۔ یقیناً۔“ اس نے جواب دیا۔ ”میں ابھی اس کا کارڈ تلاش کر رہا ہوں۔“

یہ کہہ دو کر سے چلا گیا۔ وہاں آقاؤں کے ہاتھ میں ایک کارڈ تھا لیکن وہ پریشان نظر آ رہا تھا۔ اور مجھے عجیب نظر لگتا تھا۔ دیکھ کر ہاتھ۔ ”خاتون کا نام اینڈیل ہے، میسور۔“ اس نے کہا۔

”یہ نام؟“ میں نے پوچھا۔
”جی۔ جی۔ ای۔ لکھا ہے۔“ اس نے ٹھکانے ہوئے کہا۔ ”چورام ستر اینڈیل کرانٹ ہے، چاوی ہے، جو آپ کا

ہے۔ یہ عجیب بات میسور؟ یادداشت بھی ہوئے کام کی ہے۔ کلک کے لیے معاملہ بہت لمبی طرح یاد ہے۔ خاتون کا کارڈ میسور کو ملے ہوئے بہت دور سے خرانے لئے میں لے دیا۔ وہ دیکر اسے ہی میں۔“
”ہاں، ہاں، یہ بات تو ہے۔“ میں نے کہا اور وہاں کھینک دیا۔

اب صورت حال یہ تھی کہ اگر بھڑائی طور پر مجھے یہ کس نے کہا تھا تو یہاں تو تفریح دورہ نہیں ہو سکتا تھا۔ میں دورے کو چھوڑ رہا۔ اور بھولنے کے مالکان جن سے میں معاوضے کے تھے، معاوضے پر عمل درآمد نہ کرنے پر عدالت میں ٹھیک لیتے تو میں نہیں کا رہتا۔ جتنا اس کے میری ساکھ بیشک کے لئے بگاڑ جائی۔

اب میں اس معاملے کو اور انداز سے دیکر ہاتھ دھو کر تھا کہ اس کا کیا ہے۔ پھر مژدن پر زور دیا تو تمام کر کے مل گیا۔ لیکن یہ شہادت منسوب بہ ہندی کی ایک مشاعرہ کر رہی تھی۔ ”اسے تم مائٹریل میں میری خستہ کی۔“ اسے خود ہی اپنے ستر ادا کیا۔ اور میں بھی آسانی سے ستر دام آ گیا تھا۔

سوال یہ تھا کہ پٹان، انڈیز میں دو گڑھ چاہیے کے لیے جانے۔ دو دن غور و فکر کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچ کر ایک ہی صورت میں ہے اور وہ کہہ کر کے یہ تمام انتظار کو اڑھو کر کے جائیں۔ اس صورت میں میں بھول گیا تھا۔ مقدمہ چل رہا تھا۔ ”دعا میں کیا نہیں۔“ اور یہ نہیں کیا گیا تھا۔ تھا کہ وہ ٹول کر لی جائیں گی یا نہیں۔ جن کے دورے کا وہ توکل چکا تھا۔ موسم خزاں کے دورے کے لیے کیا کیا تھا تھا۔ لیکن فور مجھ میں تین سے بہت کر دورے ترتیب دینا تھا کہ تفریح کرے۔ والوں پر انتظار کر کے پوچھ کر اسے جلائی، الگ اور ستر کے ساتھ تو رہے کہ تمام ہوش میں میں میرے نوکریں گئی ہوں۔ یہ عادت کا کوئی حوالی نہیں جب کہ ہمارا گڑھ کی عادت پر تھا۔

چٹان چٹان چٹان میں پھر کارستانی۔ البتہ اس مرتبہ میں تھا۔ ستر کے دوران چٹان ستر کے پکڑے، ہاتھ ملاتے تو نے لٹٹ کی گئی لیکن میں نے اسے انتظار کیا۔ اس کی وہ مجھے خیال آ کر دیکھنا میں اس شخصیت کی بھی ہے۔ اسے وہ عالم میں بھی بہت بڑا لٹٹ دے سکتا ہوں۔ اسے دیکھ کر میرا تھریک پر خود بخود جائیں گے۔ ہاں۔ اسے تم مجھے ستر سے یاد آ رہی تھی۔ اس نے میرے ساتھ چٹان ستر کی

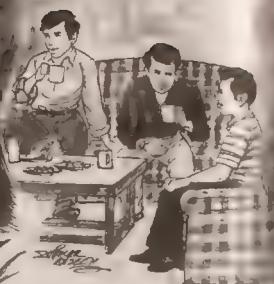
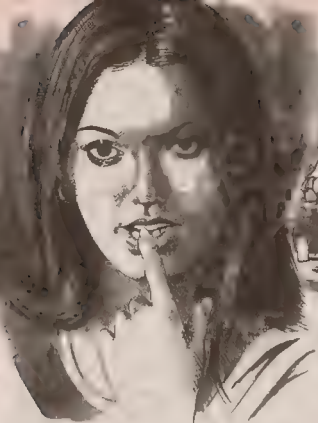
اس کے ہاتھ جو اسے ہٹنے کے لیے گھم رہے تھے۔ اس نے اس کے منہ میں اس میں کوئی کی نہیں آئی تھی۔ اس نے ان کو نہیں دیکھا۔ وہ اس سے آفریں دے رہے تھے۔ ان کے انداز دیکر اس کا کہان کہ ان کے کردار میں جانے کے تھا۔ چٹان چٹان میں اسے لیا اسے ختم کیا تھا اور

جوش وازا

جوش جی آبادی ایک بار کسی کے موسم میں سولانا ہوا اظہار آزاد سے ملاقات کے غرض سے آن کی گئی یہ تھی۔ وہاں ملاقاتوں کا ایک مختصر پہلے سے موجود تھا۔ کالی ریسک انتظار کے بعد بھی میں سولانا سے ملاقات کے لیے جوش صاحب کی باری نہ آئی تو انھوں نے اس کا ایک بچہ پر شکر کہ چہرے کے ہاتھ سولانا کی خدمت میں بھجوا دی۔
”تاخاب سے خون کھولنا
پھر کسی اور وقت سولانا
مولانا نے یہ شعر پر حاذق و چرب مگر اسے، اور ہی افروز جوش صاحب کا ورطہ لپکرایا۔

توانا

”اسے تم نے وہی سترنگ سوٹ پہنا ہوا تھا۔ میں نے اسے خوب راتق تھا۔ اسے تم نے انٹیمک بورڈ پر خود کو ستران کیا اور بہت خوب صورت تو س بنائی وہاں پانی میں ٹوکی۔ میں انٹیمک بورڈ پر پہنچا تو وہ کی تو زور و زور بولنے لگی۔ میں اسے کعب میں پہنچا تو اس وقت پست کے نکل رہی تھی۔ اس کی نگاہیں شفاف نیلے آسمان پر تھیں۔ میں نے ایک ہاتھ اس کی سر کے نیچے رکھا اور دوسرے ہاتھ سے اسے پانی میں ڈوب دیا۔ وہی سینکڑے بعد میں اسے چھوڑا تو وہ کلیاں کرتی ہوئی پر ابھری۔“
”شام بخیر ستر اینڈیل کرانٹ؟“ میں نے نرم لہجے میں کہا۔ پھر اسے ایک اور غوطہ دیا۔ وہ صرف ادنیٰ کہہ سکتی۔ پانی کی سطح پر لہجے میں اس کے گئے تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔ ”تم مجھے ڈوبنے والے ہو کیا؟“ اس نے اپنی سانس درست کرنے کے بعد کہا۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اس کی آنکھوں سے خوف جھلک رہا تھا۔
”یقیناً سے خوب جھلک رہا۔“ میں نے جواب دیا۔ ”اس کا انھار اس پر ہے کہ تم میرے سوالوں کے سچ جواب دیتی ہو یا نہیں۔ میں سب کچھ چٹنا چٹنا ہوتا۔“ آخر تم نے ایک ایسے شخص کا انتظار کرنے کی کوشش کیوں کی جس نے تم کوئی غرض نہیں پہنچایا۔ بلکہ جس نے تم سے انداز چٹا ستر کی



سکھنے کے ساتھ ساتھ ان کے دل میں بھی ایک نیا عالم ابھرنے لگا۔
ان کے دل میں ابھی تک ایک نیا عالم ابھرنے لگا۔

پیشہ کو کاٹنا

ڈرائنگ روم

محکمہ تعلیم کے

ڈرائنگ روم کے لیے ایک نیا کلاس روم بنایا گیا۔
ہر کلاس روم میں ایک نیا کلاس روم بنایا گیا۔
اور ہر کلاس روم میں ایک نیا کلاس روم بنایا گیا۔

ایک روز شام ڈھلے میں ایک میز ٹیبل اسٹور سے دوا
لیا گیا تھا۔ ایک کونسل پر میز کال سے متوجہ کیا۔ بہرہ دیکھا تو
وہ تھا۔ رنگ غیر معمولی ہوا تو توجہ دینا محبت کرتا ہے۔
ایک میز کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ پانچ منٹ بعد اسی
دو بارہ منٹ کا آئی۔ تیسری منزل کا آدھ کھٹے بعد
کا موٹی چٹائی۔
ایک روز دوپہر میں اسی غیر سے ایک مختصر سا میں ایم
میں ایم ایم ایس کے بعد بہت سے دن بیت گئے اور
میں میں گیا۔ زندگی کی ذمہ داریاں مجھ پر ایک مستقل
نویعت کی جا رہی ہیں۔ قریباً مینے بعد اسی کا میں ایم ایم ایس آیا۔
”سر۔۔۔ بہرہ رفتہ ہے۔ کرے بادل چھائے ہیں، میں

”ان احقنا باقوں میں وقت ضائع کرنے کی ہے
پاس چھائیں نہیں ہے۔۔۔ وہ تنک کر پوئی۔ یہ تیرت ہمار
ہم نے دوسروں میں، میں کے آرام و آسائش کا
یہ خیال رکھتا ہے۔“
”کس کے دوسروں میں؟“ میں دہلاؤ۔ ”تو ہمیں
میں میں پوئی چھوڑ دوں گا؟ اگر میرے بچے ختم ہو جائیں
تو چھائیں۔۔۔ اس غیر سے میری کئی امانتیں ہیں۔
”رنگ کر دے۔ اور وہاں رات کر اڑو گی۔ بلکہ کئی راتیں کر
گی۔ جیسی صاحبہ، ٹھکانہ، ہونٹ کے رجسٹر پر غلام کر
میرا برف کیس چماتا۔ اور غصا جاتا ہے، تمہارے تمام
فہرست تھی کی ہے۔“
”ایں۔۔۔ تم مذاق کر رہے ہو۔ تم میرے ساتھ
سلوک۔“
”کہیں نہیں کر سکتے تم انکار کر کے دیکھو۔“
”جی میں نہیں کر سکتی۔ تمہارے ایک چمک نظر آتی ہے
نے پہلے کی نہیں دیکھی تھی۔“ تمہارا مطلب ہے وزیر۔
”نہ نے میرے چہرے میں کچھ نہیں کہا۔“ تم اپنے ہونٹوں سے
کیا کی چٹائی پر مجرم ہونے کا کھیا لکھاؤ؟“
”اگر مجبور کر دیتی تو میں اس سے بھی باز نہیں آؤں گا۔“
”جب تو جان۔۔۔ میں جھل جانے کے مقابلے میں
تیر پندرہ کر دیتی۔۔۔ تو میرے نور کے لوگوں کے ساتھ
ہو کر وہ جھل کر کھو کے کھائے۔ بے راہ دور دور پر
جائیں۔“
”کس کے نور میں؟“ میں پھر دہلاؤ۔
”ہمارے ڈیڑھ۔۔۔ اس نے میرا ہاتھ چمکے ہیں۔
”آؤ۔۔۔ اب وہاں اور میں تو کم کر میں۔“
”میں تو اسی انتظار میں بیٹھا تھا۔ میں نے فوراً انتظار
کا ردیاری میں کر ڈالی۔“
”ایں مطلب میں فریڈی موزک کو توڑا ایک کام یا اب دارہ
آئندہ میران کے لیے کیا ہوا ہذا فرادہ ایک کر کے کیا ہے۔
میرا مطلب ہے، وہ میں کی خواہش ہے کہ ہمارے سنے
مردوں میں سے ہیں، تاکہ وہ میری خواہش کو اور اپنے
حزبان کی کئی میں میں کر سکتے ہوں۔ غلطی کا کرنا
کے لیے وقت مل جاتا ہے۔ یہ سب سب غلطی سے ہے
لیے تمام جس پر دست خدش میں خود کرتا ہوں۔“

آگ میں درخت کے نیچے بیٹھی سر پہ رکی جائے لی رہی ہوں۔
یہ میرا روزگار معمول ہے۔ یہ درود ہے جس میں میں اپنی تہائی
سے ہم کام ہوتی ہوں۔ کیا آپ سرکاری تہائی میں نہیں گئے؟ میں
چاہنے کے لیے آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔
”یہ تائید کرنا آپ کے لیے کیوں ممکن نہیں؟“
”میرے لیے کھانا اس میں نہیں ہوتا۔ اس وقت سے نہایت دیر
تو دل کا درد آپ کو بڑھا دلوں گی۔“ پھر وہ اکثر سر پہ رکی جانے کے
دوران غصہ مائل نظر آتے۔ اُن کی سرکشی۔ چاہنے کے ساتھ جو ایک ذرا بات
ہوئے نہ کہ ”لیکھ سوتے کہ اب سب قسمل بیان کی۔“
”میرا! آپ کو خبر ہے میرے سامنے ہمیشہ وہ کپ
رہتے ہیں۔“
”دیکھ کیوں؟“

”میرا۔ یہ بھی طویل کہانی ہے۔ میرے مرنے کے چند دن
دھکا کر گئے۔ روز بروز ہوتا جا رہا ہے۔ کوئی تو ایسا آئے جو
دیکھ بھی کرے۔ میں اس سے اپنے دکھا کی طرح سنبھال
کر رہتی ہوں۔ سوئے ہیں جیسے الماری میں چھپنے کے لیے لپکا ہونے
مجھے بچپن کا دیکھتے ہیں۔“
”دن روز دھل جاتا۔ عمو کا ایک حصہ کاٹ کر بیچتے ہیں سو
تین ایس ایم ایس اس کا معمول ہے۔ بات کرنے کا موقع اسے
میرا کیا نہیں ہے۔ اصرار کیا۔ وہ ایک معمول کی سر پہ رکی۔ اس
نے تھل دی۔ جیسا کہ دوسری تہائی میں سے کال انڈیکس۔
ایک ایس ایم ایس کی ہوں گی بات نہ ہوا ہے گی۔ میں
ایک ایس ایم ایس میں سر کی دیوار میں آج آنا ہو چکی ہیں۔
یہاں سے جوتوں کے صرف چھ جنازے چلتے ہیں۔ جیتے ہیں ان کی
تھک و تھکا موت کی پکار پر ایک کہنے کے خلاف ہے۔ میں غصہ
فون بند کر لی ہوں پھر بھی۔ انا تھا۔ فون پر اپنا خیال لکھیگا۔
میں اس کو چھوڑ دوں گی۔ تو سنی تھائی میں رہا ہے۔ اسے کیا غم
ہے؟ میرے ساتھ اس کا ایک سب سے قریبی رابطہ ہے۔ اس سے اسے
کیا حاصل؟“

”آپ کی خاطر میں یہ کہہ نہیں گئی۔“
”میرا۔ یہ جو اصل کیفیت درگ ہے یہ بھی اپنی پیش پیش
ہو گیا ہے۔ ہمارے پورے خاندان میں کسی کے پاس بھی آپ
والے نہیں ہیں۔ درگ کی سب سے نہیں، جب میں سوچ کر اور دل
کی تو سب کو اٹھاتا ہوں۔ اگر تو نہ چھوڑے گی میں۔ بے جا رک
غریب ہو گئی ہے۔ کوئی کہے گا۔ بھڑکی کی حد ہوتی ہے۔ وہ کسی
حالات پر اپنے ہیٹ ورس کی تھوڑی سی بات سے دلاں دپ کر
اتنا غور کیا کہ اس خوف سے چھت اڑ جائے گی۔
لیکن... میرا۔ میں آپ کے لیے ہم دل لوں گی۔“
”پاکستان۔ رہتے ہو۔“
”میں سر۔ دل کی عدالت میں بیٹھا جیغہ کرنا کرنا
روم میں چاہتا ہے۔“
”اگلے روز اس نے پی ایم سے مجھے کال کی۔
”آپ کا ٹریڈ ٹیڈ کر لیا ہے۔ بات کیا ہو۔
آپ سے ملنے کی بات کروں گی۔ آپ کے پاس وقت ہوگا۔؟“
”وقت کے ہی تو ہم ہیں۔“
”کہیں کی رات کی آسمان پر جھلکوں کے چمکتے ہوئے ہیں۔
مجھے جیسے کہ دوسری باتوں میں سے کہانی سننے سے ہوا کرتے ہیں۔
ساتھ ساتھ کہ دوسری باتوں میں سے کہانی سننے سے ہوا کرتے ہیں۔
”تھوڑا“ جس میں بھڑا ڈال کر اٹھوں پر ایک جگہ سے دوسری
جگہ تک لپکا جاتا ہے۔ ساتھ ہی سے پہلے باتوں میں لوگ سرد
کا کام لیتے اور اسے کرنے کے لیے آسمان دیتی۔ میں اپنے بچپن
سے بچا تھا کہ کوئی سواہل کی شخصیات آواز سے خود بولتے۔
”اللہ کا کہہ رہی ہیں؟“
”ایک بات کہوں؟“
”کیہ؟“
”آپ اپنے طور پر مجھے کال یا ایس ایم ایس کیوں نہیں
کرتے؟“
”اجنا نہیں لگتا۔“
”میں بھی نہیں۔“
”تمہارے ماحول کا تقاضا ہے کہ تمہارا تحریم کی خیال
رکھا جائے۔“
”میرا! میں اپنی اچھی نہیں ہوں میرا اتنا خیال نہ کر
کریں۔ میں کیسے کہوں کی خیال رکھنے والا تھا وہ خواب ہوا۔“

”کون؟“
”میرا۔ وہ جو۔۔۔ میرا نہیں تھا۔ سر پہ رکی جانے پر اپنا دھوا
لپ جانے کا چھوڑ گیا۔۔۔ میری زندگی اوروں کی رہی۔ جب سے
ہرگز میرے سر پہ رکی جانے کے ساتھ اس آدھا کپ بھی موجود رہتا
ہے۔ میں نے کسی بھی جگہ سے نہیں اٹھائی یہاں سے وہاں نہ کہ
کہا تھا۔ ہمارا کسی لٹھو ایک ٹولے اور کسی آواز ہو جائے۔۔۔ میرا۔
”اگر آقا میرے دوستوں میں ایک اور۔۔۔ اور۔۔۔“
”سکون میں آواز کا ڈانٹ کیا۔“
”میرا۔ کھانا۔۔۔ کہ ہادی جو تھی لی دیوار میں آسمان
سے باتیں کرتی ہیں۔ ہم گھر سے چلتے ہیں تو کارک تو کر پٹ
پر چڑھ کر اسے گھر سے ہوتے ہیں۔ ہم چاروں میں لپٹی
ار میں کھانے کا کار کے بیٹھوں پر رہے گئے ہیں۔ فرخت
اور ایک سینٹ کے درمیان بھی پر وہ لپٹا گیا ہے تاکہ کہنے میں
تواغ رخ نہ دیکھ سکے۔۔۔ میرا دم گھٹتا ہے۔ میرا لگتا ہے کسی
کو کہے تو میں بھی قہر کر دیتی ہیں۔ یہ میری کوئی زندگی ہوئی
جس میں انسان اپنی مرضی سے سانس بھی نہ لے سکے۔ کار
میں دس دو تھوڑا خیال مسلسل گھرائی پر باسور تھی۔ تاکہ اتنی
اٹھنے سے کوئی کار میرے والدین کی نظر میں نہ آجائے۔ فرخت
اور آدھا کپ جانے چھوڑ گیا تھا کسی جانیہ لوگ کی۔“
”آدھے کپ والی کیا کہیں؟“
”میرا۔ کہیں کہیں کیا۔ دماغی کہاں سکا ہے، میرے دل
میں بیٹھا ہے۔ پھر میں نے بچنے سے روکا ہے غرض ہونا ہے نوٹ
ہاتا ہے۔ سانچے میں ہوں اس لیے۔۔۔ کال کرنا مجھے ہے میرے گھر
کے کالامیا کی دل سے کال کا پتہ ہوتا تو میں سے کال نہیں لگتے۔۔۔
”اے کہیں ہوتے ہیں یہ دل کی ریاست سے کیوں نہیں لگتے۔۔۔
”میرا۔ آپ میری باتوں سے کٹ تو نہیں گئے؟“
”اس کی آواز میں بھی نہیں۔ میں اس کی گفتگو اسٹاک سے سن
رہا تھا۔ شاید وہ اپنی تہائی کا صحرا اپنا چاہتی تھی۔
”میرا۔ آپ چپ کیوں چاہتے؟“
”تمہارا گفتگو کا دھا گا کہیں کوٹ نہ جائے۔ تم تو نہیں
بہن کوئی ہوں۔“
”میرا۔ آپ نے آج کچھ سے میرا تہ نہیں پر چھا۔“
”بے جا کرتے کو بے جا میری سڑنے کرنے دو۔“
”ہاں۔۔۔ سوائس کھدی کی گھر کیا ہے۔ عقیدہ میری کوئی
ہے۔ ہاں میرے پر ملنے کا ہوتا ہے۔ پھر وہ لپٹا گیا میرا دل اور
دھکا۔۔۔ انا چاہوں گی اس کا چٹکا ہے۔ میری معمول کی بات

”آپ سے ایک ملاقات کی خواہش۔۔۔ صوبہ پنجاب میں
ہوتی تو شاید آسمان ہوتا لیکن سر۔۔۔ کہاں آسمان ہونا تھا
دیوار میں آسمان بند کی بندشیں چھوڑے میرا۔۔۔ کوئی خواہش
نہیں بالبابا۔۔۔ آدھا کپ جانے کی کافی ہے۔“
”پاکستان کے گھر سے وہ چپ ہو گئی۔ سب کچھ کال کی گئی ہے۔۔۔
”بیٹو۔۔۔ بیٹو۔“
”جی۔۔۔ میرا۔“
”چپ کیوں سا دھلی؟“
”میرا۔ میرے گاؤں کا رتا نہیں ہے خواہش کا کیا ہے ٹنڈ
زور ہے۔ زادہ سے زیادہ اپنا لکھا ہے کی۔۔۔ پہلے ہی راجدھرا
ہے۔ آپ میرے گھر کا نام ذہن میں محفوظ کر لیجئے شاید کسی وقت کی
لطف مرک جانے والا ملاقات کا سامان لگ آئے۔ ایک بیک شاد اور
سے کرتے ہوئے آپ کو کسان پر دھڑکتا ہے کہ جس پر ہادی چلی کا
ناہنہ صوبہ شاد اور چھوڑ کر اپنی سرک پر چلیے گا۔ چند کپٹر ہند
گئے درخت کو خوش آواز ہیں کہ۔۔۔ میری زندگی میں ایک بار۔۔۔
”میرا۔ صرف ایک بار میرے لیے سے کر دے۔ میں دوستوں میں
حوصلے کا بڑے پرتا ہوں۔۔۔ ہاں تو کون کا چٹا بنا دھا ہوگا۔ ایک ٹیکہ
میں اس کا نام کر دیکھے گا میرے لیے یہ خوشی بہت ہو گی کہ آپ ایک
بار صرف میری خاطر یہاں آئے۔“
”وعدہ شکل تھا۔
”کال کی۔
”دن بھر اپنے سفر پر نکل کھڑے ہوئے۔
”سروں کی ایک دوپہر تھی۔
”ایس ایم ایس۔۔۔ مختصر۔۔۔ میرا۔۔۔ آپ کے صوبے
میں سانس لے رہی ہوں۔“
”کس شہر میں؟“
”لاہور۔“
”فرحت ہے؟“
”کزن کی شادی میں آئے ہیں۔ میرا۔ اللہ حافظ۔۔۔ رات میں

”میرا۔ یہ بھی طویل کہانی ہے۔ میرے مرنے کے چند دن
دھکا کر گئے۔ روز بروز ہوتا جا رہا ہے۔ کوئی تو ایسا آئے جو
دیکھ بھی کرے۔ میں اس سے اپنے دکھا کی طرح سنبھال
کر رہتی ہوں۔ سوئے ہیں جیسے الماری میں چھپنے کے لیے لپکا ہونے
مجھے بچپن کا دیکھتے ہیں۔“
”دن روز دھل جاتا۔ عمو کا ایک حصہ کاٹ کر بیچتے ہیں سو
تین ایس ایم ایس اس کا معمول ہے۔ بات کرنے کا موقع اسے
میرا کیا نہیں ہے۔ اصرار کیا۔ وہ ایک معمول کی سر پہ رکی۔ اس
نے تھل دی۔ جیسا کہ دوسری تہائی میں سے کال انڈیکس۔
ایک ایس ایم ایس کی ہوں گی بات نہ ہوا ہے گی۔ میں
ایک ایس ایم ایس میں سر کی دیوار میں آج آنا ہو چکی ہیں۔
یہاں سے جوتوں کے صرف چھ جنازے چلتے ہیں۔ جیتے ہیں ان کی
تھک و تھکا موت کی پکار پر ایک کہنے کے خلاف ہے۔ میں غصہ
فون بند کر لی ہوں پھر بھی۔ انا تھا۔ فون پر اپنا خیال لکھیگا۔
میں اس کو چھوڑ دوں گی۔ تو سنی تھائی میں رہا ہے۔ اسے کیا غم
ہے؟ میرے ساتھ اس کا ایک سب سے قریبی رابطہ ہے۔ اس سے اسے
کیا حاصل؟“

”آپ کے پاس ایک سب سے قریبی رابطہ ہے۔ اس سے اسے
کیا حاصل؟“
”ایک روز دھکے کے دوران میں میں نے اس سے کہا۔ یہ
تمہارا سواہل کی تھک ورس بہت مہنگا ہے۔“
”میرا۔ جیسا دراصل ہمارا مسئلہ یہ نہیں ہے۔ میرے پانچ
بھائی ہیں ہر سال کا کال ڈال دیتے ہیں۔۔۔ دولت کی فراوانی ہے
بڑوں کے طبقے میں بھائی شہر سے باہر نہیں ہیں۔ آپ بھی تو میں
آپ کے سوا ایک نہ کپ ہوں۔۔۔ اور دوسری ہوں۔“
”نہیں۔ ضروری تو نہیں۔“

”ایک روز دھکے کے دوران میں میں نے اس سے کہا۔ یہ
تمہارا سواہل کی تھک ورس بہت مہنگا ہے۔“
”میرا۔ جیسا دراصل ہمارا مسئلہ یہ نہیں ہے۔ میرے پانچ
بھائی ہیں ہر سال کا کال ڈال دیتے ہیں۔۔۔ دولت کی فراوانی ہے
بڑوں کے طبقے میں بھائی شہر سے باہر نہیں ہیں۔ آپ بھی تو میں
آپ کے سوا ایک نہ کپ ہوں۔۔۔ اور دوسری ہوں۔“
”نہیں۔ ضروری تو نہیں۔“

”ایک روز دھکے کے دوران میں میں نے اس سے کہا۔ یہ
تمہارا سواہل کی تھک ورس بہت مہنگا ہے۔“
”میرا۔ جیسا دراصل ہمارا مسئلہ یہ نہیں ہے۔ میرے پانچ
بھائی ہیں ہر سال کا کال ڈال دیتے ہیں۔۔۔ دولت کی فراوانی ہے
بڑوں کے طبقے میں بھائی شہر سے باہر نہیں ہیں۔ آپ بھی تو میں
آپ کے سوا ایک نہ کپ ہوں۔۔۔ اور دوسری ہوں۔“
”نہیں۔ ضروری تو نہیں۔“

”ایک روز دھکے کے دوران میں میں نے اس سے کہا۔ یہ
تمہارا سواہل کی تھک ورس بہت مہنگا ہے۔“
”میرا۔ جیسا دراصل ہمارا مسئلہ یہ نہیں ہے۔ میرے پانچ
بھائی ہیں ہر سال کا کال ڈال دیتے ہیں۔۔۔ دولت کی فراوانی ہے
بڑوں کے طبقے میں بھائی شہر سے باہر نہیں ہیں۔ آپ بھی تو میں
آپ کے سوا ایک نہ کپ ہوں۔۔۔ اور دوسری ہوں۔“
”نہیں۔ ضروری تو نہیں۔“

کے دن دوٹھے مٹائے جاتے ہیں۔
 حکمرانیں سادہ ماحوا سے چمکل کھاں جانتا تھا... سار
 کے پاس آئی دروایا کرتا چلا کر ماحو میں پہنچا نہیں۔
 ماحو کی دستار پہنی گئی پچھ تو نہیں کرواتے بھول جاتا۔
 کلاکاری کی تشویش بھی۔ اس نے چاروں طرف آدمی بھیجے۔
 اس میں شک نہیں کہ ماحو نے کھر کھ طور پر کلاکاری کی ہوش
 یا دروایت کو سب کچھ سمجھا تھا مگر وہ اتنا بے ہوش تھا کہ اپنے بہو
 بیٹے کے شہنشاہ کے شگون مٹانے سے احتراز کرتا۔
 شہنشاہ کو چاہیے تھا دروایت کلاکاری کی ہوشی اور باز۔
 کلاکاری کا قصور اگر دروایت سے متعلق ہے تو پہلے دیکھ لے۔
 جب شام کو یوں کو یا سلائی دکھائی گئی تو توجس سب کی
 سب ایک ایک کر کے رخصت ہو گئیں۔ پہلے شورو تو اسے آشنا
 کلاکاری کے کانوں میں ایک دھیمی آواز آئی۔ اس کا پس من
 بخارہ کہہ رہا تھا۔ "جو بھائی ماحو اس کی سب سے تھی؟"
 جواب میں ایک مردی آواز آئی۔ "ہاں بھائی! اس کی
 من میں رہی!"
 اب تک تو کلاکاری کی فکر اس کے شہنشاہ پر غالب تھی۔ لیکن
 ماحو نے اسے آج تک پہنچے اور پھر برس کے دنوں میں "من کی کن میں
 رہی" کے الفاظ کہتے ہیں کہ اس کا قصور فکر پر غالب آ گیا۔ دوسر
 سے پاؤں تک اس کا ہونہر تو ہو گیا۔ کھلی کے ہاتھ بندھ گئے، من میں
 آئی تو لڑکی میں کچھ کچھ کھڑا تھا۔ اس نے تھوڑے سے چڑھاؤ سے
 نگاہیں اڑیں تو دیکھ کر اس کا قصور اور بھی چمک اٹھا، اس انکاش
 ماحو دروازے کے قریب پہنچ چکا تھا اور سردی سے کانپ رہا
 تھا۔ پوہ گاہ کہ سردی چمک چکی تھی۔ بے کافچے ہوئے ماحو نے
 کلاکاری کے دروازے پر کھولنے کے لیے صحت کی۔
 اندر سے آواز آئی۔ "جانو، باہر کی بوجھ اب تماماری
 ضرورت ہی کیا ہے؟ چھوڑ دینا اٹھائے ہو اچھا چلے جاؤ۔" انکو
 ہے تو انکو دھن سے توڑیں کہ گھر کیا ہے، کسی بھی گھر کا
 ہے۔ بڑے سوکھ کی چیز تلاش کرنے سے کتنے... اتنا بھی نہیں
 سونگھا گھر میں خوشی ہے... بے بیشر سے چاہا تو یوں کی کن میں
 رہے گی۔ یاد دلاؤ کیوں کرتے ہو۔"
 ماحو کچھ دیر کے لیے ٹھیک کیا گھر بولا۔ "دروازہ تو کھولا...
 کلاکاری تو دیکھو سردی کے دروازے آکر رہا ہوں۔ تمہاری ہنسی اور
 پاؤں سے بچا کر کیا تھا۔"
 "من جاتی ہوں۔ سنا کہ پاس تو تمہاری پر چھائی

تک نہیں چکی۔ کچھ کو کیا تم اس میری موت کے پاس نہیں
 گئے تھے؟"
 "گوں موت؟"
 "ابو۔ اور میری سوخت ہو گئی؟"
 حقیقت میں وہ اس کے پاس کیا تھا کلاکاری کے
 سامنے اس بات سے انکار کرنے کی جرأت نہ پڑی۔ اور در
 انکار کرتا بھی کیوں؟ بولا۔ "ٹھیک ہے کلاکاری... ابو یوں نے کہا
 بیچھا تھا" ماحو نے اپنے ایک ایک دوپے کے دروازے اور دروازے
 میں جانے دیے ہیں اور میں نے میں دروایت سے دراصل اسی
 تھکتے تھے۔ ماحو نے اس کی اپنے اپنے بیٹوں سے خواہش کا
 جودا کر گھر میں رہا تھا۔ غمزدگ دروازہ دروازہ کھولا۔
 ماحو کو کوئی جواب نہ ملا۔ کلاکاری کے بڑے لڑکے کی آواز
 آئی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "میں دن کے بعد ایک آدھ دن خوشی کا
 آتا ہے۔ اس میں کسی کو کھ میں ہے... کچھ بیٹے کا شہنشاہ دروازہ
 تو نہ آئے گا۔" کچھ دیر دروازے کا جائیں گے۔ اسے یوں
 پر خوشی کو باوجود کن میں ہوتا ہے۔ بے ہیں کہ...
 ماحو نے غصی سانس پھری اور کہا۔ "میں نہیں بھائی تو
 دیکھ دیکھ کر کچھ سے تو دن اور رتی کے کھیلے دنگے جاتے
 ہیں، دنگے سے جائیں گے۔"
 کلاکاری نے دروازہ نہ کھولا...
 گھر سے نکل گیا کہ اس کی منی ایک ڈیڑھ گھنٹے کے بعد اس
 نے آہستہ آہستہ دروازہ دیکھا کہ اس کا چاروی خاں دروازے
 کی چوکت پر کھڑا کر دیا تھا۔ اس کا قصور تھا کہ اس نے
 لگ رہے تھے۔ کلاکاری کی آنکھوں سے تب آب آنسو کرے
 گئے۔ شہنشاہ کی ایک کمرے احاس سے اس نے ماحو کا
 شانہ بٹایا بولی۔ "من میں ہی ہوں۔ چلو گے اندر۔"
 ماحو نے آنکھیں ملے ہوئے سراٹھایا اور بولا۔ "ہاں۔"
 چلوں گا...
 ماحو ماحو کے شہنشاہ میں اپنے ہاتھ کو دیکھنے کے سردی میں
 باہر تھوڑے سے تھے۔ یوں گمان ہوتا تھا قہر سے وہ اس کے
 اپنے من میں... کلاکاری نے جلدی سے انگلیں جلائی ماحو
 کے آگے ہوئے جسم گرم کیا اور اس کے پاؤں پر سر رکھا
 دیر تک روتی رہی۔ اور یہ رونا کھونا تھا کہ... ماحو کو دروازہ
 کھلی دھنسی تھا!
 نصف شب کے قریب ماحو کو چھائی میں کچھ دروایت
 ہوا۔ بانی رات وہ چھائی کو دیا تا اور رات بھر اٹا۔ کلاکاری نے کئی

کمرے کے قاتل کوٹ کر ہاش بھی کی مگر ماحو کا دروازہ ہوتا
 کیا۔ کچھ ہوتے ہوئے اس کی تکلیف بہت ہی بڑھ گئی۔ در
 دیکھ سے سامنے لائے گئے ماحو کو غور کیا ہو گیا تھا۔ اس کے
 اوپر کچھ سے شل ہو گئے تھے۔ سانس مشکل سے آتی تھی۔
 چاہتی ہے اس نے کچھ کچھ دیکھ دیکھ... اس وقت کٹے تو بڑے
 کے دائرے کو کھانہ میں رکھتے ہوئے اسے چھوڑ مان تھی دودھ دیتی
 ہے کہ ماحو کی گردن کو غصے کی جھڑپ تھی!
 دوپہر کے قریب کچھ اتفاق ہوا۔ اس نے کلاکاری کو بلا دیا اور
 بولا۔ "من سے سنا ہے... کہ تم نے اس کو ایک رنگ دتے دیے۔"
 جب وہ میری خبر لینے کے لیے آئی تھی... کیا؟"
 "جس کا کیا؟"
 "تم جانتی ہو نہیں ابو یوں سے بہت یاد کرتا ہوں۔"
 "اس میں کس تک بھائی میں جانتی۔ تمام دنیا میرے
 چھپے رکھتا ہے۔ جانتے ہی ہو نہ ہو گا۔"
 "جسے دودھ دینا؟" ماحو نے کہا۔ "میں کچھ دیر سے میں درو
 ایک ایک شخص میں کرتے ہوئے تھا۔" تب جب کچھ کچھ میرا
 ہوں، کچھ دینا کی پروا ہی کیا ہے۔ میرے پاس تو اتنے ہی مل گئے
 ہیں کہ میں اس میں اور اس کے ساتھ اپنے رہنے کی پکیزہ
 کا دروازہ کھولوں... ہائے... تم میرے مرنے کو تو چن دو کہ
 تم اپنی زندگی میں اس غریب کی لکھی خبر گیری کرتی رہو
 لے۔ اسے اس میں چلاؤ۔" بھولتے۔"
 "میری خبر گیری کیوں؟" ماحو نے کہا۔ "تمہارے دشمنوں کو۔"
 دکھائی نہ زار دروازہ دتے ہوئے بولی۔
 ماحو نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی۔
 ماحو دینا کو پھر دروازہ کا کلاکاری دینا سے چٹنی ہو گئی تھی
 اس نے تو دروایت کی سبب دینے کے لیے اثبات میں سر نہ
 ہوا۔ وہ بائیں اس آوری کی طرح تھوڑے سے جاس کے دل میں
 رہی۔ خود میں ہوں گھومت اس کا گلا آدھا ہے... کچھ میرے بعد
 اصرار اور دیر کے لیے صحت کیا۔
 مرنے کے بعد اس جہانی کی جو آخری باتیں نمایاں طور پر
 آئی ہیں، ان میں سے ایک یہ تھی۔ "کسی بھائی میں کوئی
 کچھ سے دن اور رتی کے کھیلے دنگے سے جاتے ہیں، دنگے
 آئے جائیں گے۔"
 "ہاں۔ کچھ میں جواہر میں تھوڑا ہیں، اور ہے ہی کیا؟"
 "ہاں میں کوئی تھوڑا ہوتا۔"

سلطان باہد

28 جنوری 1396ء کو گوجرانو علی خاں کی بیوی سے کوٹ
 رہی تھی۔ سلطان باہد کے عساکر اور فرانس، برہمن اور مگر
 کے جہاں کی شہزادوں اور ان کی لاکھوں رضا کا سپاہ میں مرکز
 کا دربار تھا۔ ایک عرصے تک لڑائی پورے دروازوں سے
 مادی رہی۔ باہد باہد نے پورے کے عیسائیوں کی فتح
 افواج کے خلاف کئے کرے اور اس کی شکست فاش ہوئی۔
 غمزدگ کا پہلا یوں کہ وہ لوگ کہتے تھے کہ اگر آسمان بھی
 کر پڑے تو وہی افواج اسے اپنے فیروں پر سنبھال لیتی۔
 اس کے بعد ایک عرصہ مگر ہوا۔ اس کی ایک طرف
 تھی کہ فرانس، برہمن اور مگر کی شہزادوں میں اس بات کی کم
 کھائیں کہ وہ آئندہ کچھ اپنے فاتح کے خلاف لڑنے کے لیے
 میدان میں نہیں آئیں گے۔
 جب پورے کے شہزادوں کے جنگی قیدیوں کی حیثیت سے
 سلطان کے زبڑ ہلائے گئے تھے سلطان نے ان سے خطاب
 ہو کر کہا۔ "من اس عہد تارے کی شہزادوں میں میرے خلاف
 ہو کر نہیں اٹھاؤ گے۔ مدد فرمائیں۔ من تمہاری محسوس اور
 میرے خلاف اختیار زار مٹانے کے عہد میں کچھ کامت
 خیال کرتا ہوں۔ تم کسی اور جوان ہو، تمہارے دل میں اٹھتا ہے
 عورتی اور شکست کا چلنے لگے کہ مذہب پیدا ہوگا اور تم پھر
 میرے مقابلے پر آئے گی تاکہ اس کے لیے میں سے بہت
 کچھ کا جو آجانی طاقت پر مجھ کر اور دشمن کے ہوا چاہو
 میرے مقابلے پر آؤ گا میں ہی خوشی سے ایک بار پھر تم سے
 مقابلہ کروں گا!"
 سلطان کا کراہ کر زار اس سلطان دروازہ
 ہو گیا اس وقت تو دینے سے بچ جاتے۔ پھر ایک بار کر
 سگرات آگئی۔ پھر سورج دھن راہ سے گھرائی میں داخل
 ہوا۔ سگرات کی دیوی نے سان کے کلک کھینچی ابو کے باپ
 کے ساتھ دینا میں سے باپ کی تنج کی کے لیے لڑتی ہوئی بڑی
 ڈورائی آکھوں کو پھیلانے اور توڑلے جان کر دینا کا سفر
 شروع کر دیا۔ کچھ عرصہ گزرا تو وہ دینا سے دروازہ اور
 سپاہ سے سپاہ زبان رکھنے والی عورت بھی اپنے چہرے کو ایک
 عارضی سگرات سے مزین کرتی ہوئی کر رہی تھی۔ "مٹا دینا
 کھا اور مٹا دینا کھا۔"

بہ صورت مخلوق

طاہر محمود

اپنے خمیں پر پناہاں ایک مخلوق کی خود پسندی کا عالم
کائنات میں جیسے اُن کی سوا کچھ رکھا ہی نہ تھا



کی کاوشوں سے آباد اور زرخیز ہو گئی تھی۔

ایک دور آیا کیا تھا جب پورے ستارے پر سیاح ہاں پہا
گئے تھے۔ لوگ بھول گئے کہ سیاح ہاں کیوں چھائے تھے۔
اس دوران میں ان کی تعداد مسلسل کم ہوتی گئی تھی۔ پھر اب
سیاح ہاں ختم ہوئے تو قدرت ان پر ہرمان ہوئی اور ان کی تعداد
پھر سے بڑھنے لگی۔ اسی وجہ سے انھوں نے اپنا گلوہ اس
تاریک دور کے خاتمے سے شروع کیا تھا۔ اسے اُن کی عمر
آخر ذرا کہ تھا مگر ہر طرف بڑی اور چلی کے اے

5070 مایہ زکاں اپنے ساتھی سائنس دانوں کے

ساتھ غلی مرکز پر موجود تھا اس کے پردوں پر یونین
کے اور کارائی کٹ اس کے ساتھ عالمی سائنس ہاں کے
کے اے تھے۔ اُنیں پر امتزاجی ایسے ہی حاصل نہیں تھا کہ
انھیں اپنے لوگوں کے لیے ایسے سائنس کارنامے انجام دینے
پڑیں جن کی وجہ سے اُنں ستارہ مرکز میں کی حالت بن جائیگی۔
ہاں ہزاروں سال سے صرف بڑائی میں اب وہاں ہر طرف
بہ صورت اور آباد تھے۔ جلی ہوئی اور پھر زمین تیں

ایک کوئے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے بھی پچھلی سمرات یاد
آئی تھی ایک ایسی دنیا اسے یاد تھی کہ ایک لایا تھا۔ مگر وہ اس
سمرات کی رات کا واقعہ بالکل بھول گئی تھی۔ صرف اسے یاد
کے وہ الفاظ یاد تھے۔ ”کی بھائی! میں کوئی دیکھ رہا ہوں جسے میں
اور نے کے کچھ دیکھنے جاتے ہیں۔ مگر اُنے جاب میں گئے۔“
تمام عورتیں اپنی بیٹی تھیں۔ پھر ان کی بھرنی لایا۔
سہا تھوں نے ایک دوسرے کی ناگ میں سیدو لگایا۔ جب
کلائی کی بیوی کی ناگ میں بیٹھ کر ایک دھن سے سیدو
لگایا تو اسے ہونجی کڑی دی۔ سہا تھوں کے پاس پہا کڑی رہے،
رام رام!۔۔۔ کارائی نے اسے ہونجی دھکا دے کر بڑا دے سے باہر کر
دیا ہوئی۔ ”بھئی میں کیا ہو رہا ہے؟“

ابوئے چاروں طرف دیکھا تو کوئی اس کی طرف تو نہیں
دیکھ رہا۔ کمرے کی نظریں اس کی طرف تھیں۔ ابوئے نے چہا
کر دنا چاہا مگر وہ دھن سے نہیں تھی۔ برس کا برس دن اور دنا
کلائی جان ہی تو کلاں کے کی۔ کمرے میں سے کمرے روز اور
تیم دن میں کوئی بھی نہیں کرتا۔ وہ آئی آپ آ جاتا ہے کہ
تیم دن اور کمرے اور دنا کے کمرے دن تو زیادہ تاتے ہیں۔ اسی دن
مرے ہوئے بالکل نزدیک آ جاتے ہیں۔ ساتھ ہی آتے ہیں،
ساتھ ہی بیٹھے ہیں، باہر بیٹھے ہیں، رو تو رہتے ہیں اور
ل ل کر دنا تے ہیں۔ کوئی نہیں دیکھنے کے کوئی نہیں دیکھتا۔
پڑوں کی بھانڈاں ابوئے کے پاس سے گزری اور میں اسے
خانے کی فرش سے نکلتا ہوں۔ اُن کی بیٹی برتا کا ایک ہے
دیکھ کر اسے کہہ دے۔“

ابوئے سمرات کے شروع ہونا میں شامل ہوئے ہوئے
ہوئی۔ ”مٹھا مٹھا کھا اور مٹھا مٹھا پلو“

ابوئے کو دنا میں کچھ نہیں تھی کسی کس میں سا جاتے۔ اس
گوگو کی حالت میں کلائی نے اسے دیکھ دے کہ باہر کال
دیا۔ وہ دنا سے گئی تھی اور ابوئے کے آخری الفاظ کا
اسے کوئی خیال نہ تھا۔

انگلی لوگ کہہ رہے تھے۔ ”نہ جانے ابوئے کی چلی گئی۔“
سناج کے ماتھے سے اس جگہ کے لیے کلائی نے ہی صوا
تھا۔ لوگ اس سے خوش تھے اور جب وہ بیت خوش ہو کر حضرت
کے تھے۔ ”بھئی کلائی نے اپنے نام کی لایا کہ کوئی تو سونا
نہ تھا کہ بھائی گریب۔ اب ایک شفا سنا لیتا اور کہتا۔“ آہا
غریب ابوئے کے لائی کی ہی میں رہی۔“

پھر مروج آیا کہ برسوں کے روئے ہوئے مٹھے
جائیں۔ ابوئے تو گاؤں کا ہر ایک بچہ پڑھا دیکھ گیا تھا۔ وہ
کس کس کو سنانا۔ ایک لایا اور ابوئے کے دیکھ جانے سے
کاٹنا کاڑھ تو اس سے روئے گیا تھا۔ ہائے لایا اور ابوئے
ایسے روئے والے کوئی جانے کے لیے تھوڑی روئے تھے!
ابوئے کے گھر میں کاسی کے چپکے ہوئے برتن بالکل سونے
کے بنے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ ہونجی میں لپ پت
یوں کیا کیا جیسے ابوئے کے گھر میں کوئی آئے والا ہو۔ کسی بھی وہ
آٹھ اٹھ کر باہر دیکھ لیتی۔ کیا جب جو کچھ گھوٹا پڑتا لایا
آ جاتے ہیں تو ابوئے صورت ہی دکھائی دے جاتے!
ابوئے کے بیٹے میں ابوئے ابوئے کی ہی روح نظر آتی
تھی۔ اگر چہ وہ جانتی کہ گاؤں کے لوگ عام طور پر اور کلائی
اور اس کی بھوڑا مٹھا خاص طور پر اس کی شکل دیکھتے۔ بے ہزار
ہیں۔ کیوں کہ ان کے خیال میں اسی نے تو ابوئے کو کوئی جیتو
دیا تھا۔ پھر کسی اس نے کاسی کی تھاں میں کچھ گاجر ہیں،
مٹھا، مٹھا، پیر اور گندہ پیراں دیکھ کر دیکھنا کہ ابوئے کی بھوڑا
دے۔ اپنی کٹی ہوئی سلا می کے ایک پٹے سے اس نے قالی کو
اٹھا لیا اور ابوئے کے کمرے کی طرف چل دی۔

ابوئے ہمت نہ پڑتی تھی کہ وہ دوا کے اندر قدم رکھے۔
ایک برس پہلے لوگوں کی مخالفت کے باوجود اس کی اس گھر میں
پوچھ ہوئی تھی۔ آج وہ اس گھر میں کون تھی۔ ایک عورت نے
اسے اندر لے ہوئے دیکھ کر کہا۔
”لوہین۔۔۔ دھری تمھاری سوت۔“

کلائی نے اسے دیکھ کر کل سخن کی قہ گئی، آہستہ سے
ہوئی۔ ”موتی بھی نہیں کم بخت۔۔۔ مرے تو میں آئے میں لوہان
اور ریندھوں۔۔۔ دودھ کا ٹوٹا ہوں۔۔۔ لگتا ہوں نہ جانے کیا
کیا کروں۔“

جب ابوئے بالکل نزدیک آگئی تو کلائی نے اپنے چہرے کو ایک
عاشی سمرات سے حزن کرتی ہوئی ہوئی۔ ”آؤ بھئی!۔۔۔ مٹھا
مٹھا کھا اور مٹھا مٹھا پلو“

ابوئے ان دونوں کی تیں تھوڑی بہت سن لیں۔
سوت کا کھنڈ کا میں پڑے ہی اس کا تمام جسم کا کھنڈ ہے۔ بے
ساختہ اس کی زبان سے نکلا۔ ”مٹھا کھاں ہیں؟“
دوری ہونجی سمرات کے لگے۔
پچھلے سال ایک ہی دن ابوئے سے آخری بار ملے
تھا۔ اس بات کو یاد کرتے ہوئے ابوئے کو کلائی سلا گیا۔ کلائی

”صرف خیال ہے۔۔۔“ کلار نے کہا۔ ”مکی دوسری ڈچین اور خوب صورت تلوکی کی موجودگی میں ممکن ہے۔“

”میں نہیں اس سکا۔“ ایڈر کا لہجہ اور ہمدی ہو گیا۔

”دوست میں اس وقت ایک ہوسے اور مشورہ سناؤں جان کے بجائے کوئی بیگ لے گا۔۔۔“ مکی نے دماغت کی۔ ”میں کلار کی تائید کرتا ہوں کہ کلار میں شکی اور ڈچین تلوکی کی موجودگی میں ممکن ہے۔“

”نہیں سوکتی۔“ ایڈر نے پاؤں پٹے۔ اسے غصہ آ رہا تھا۔

”صرف خیال کی وجہ؟“ کلار نے پوچھا تو ایڈر کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

”میرا خیال ہے نہیں اپنے بڑی سیارے پر قہر دینی چاہیے۔ ممکن ہے وہاں کوئی ڈچین تلوکی موجود ہو۔“ کلار بولا۔

”اس پرائیوٹ نے منہ بنایا۔“ ایڈر کا ہے میرے خیال میں ایسی کی کوئی شے صرف وقت اور پیسہ پار ہوگا۔“

”ایسا نہیں ہے دوست، کیسی سائنسی کام کام مکی نہ کبھی فائدہ ضرور دیتا ہے۔“ مومین نے کلار کی تائید کی۔

”تو بے طے ہے کہ اب میں اپنے سیارے سے باہر کی دنیا پر بھی توجہ دینی چاہیے۔“

”کلار کی بات پر ایڈر نے کہا۔“ اس تجویز سے میں متفق نہیں ہوں۔“

”مگر میں دونوں تو ہیں اور اگر رائے کے اصول سے محتاط رہے ہم تینوں کا فیصلہ ہے۔“

ایڈر نے بے بسی سے ان دونوں کو دیکھا۔ ”تم دونوں مجھے تکلیف دے رہے ہو۔“

”تم ہماری بات تو نا۔۔۔“ کلار نے غصے سے کہا۔ ”اگر تمھاری درستگی تو تم کے یہ حطرت کر لیں گے۔“ مومین نے کہا۔

”تمہیک ہے۔“ ایڈر نے سر ادا ہو جی۔ ”اگر تم لوگوں کی بات درست لگتی تو میرے لیے بے حد ہمدے کی بات ہوگی۔“

ان تینوں نے متفقہ طور پر فیصلہ کر لیا تو پھر کسی کی مجال تھی کہ اسے روکنا کہ اگرچہ یہ سائنسی ہے زیادہ سیاحتی معاملہ نہیں تھا کیوں کہ دوسرے سیارے پر کسی ڈچین تلوکی کی موجودگی کی مطلب تھا کہ ان کی حکومت کو دماغت کرنا پڑی تھی اگر حال یہ سائنسی معاملہ تھا۔ اس لیے حکومت سے کوئی اعزازی سے گریز کیا۔ انھوں نے بڑی حسرت سے رائے کی کوئی کام آنا آ کر نہ کیا۔ ان کے پاس ایسے طاقت ور آلات تھے جو اسے آنے

والے ہر مسئلہ کو کچھ کر سکتے تھے۔ مگر ان کے پاس مسئلہ والے آلات اسے طاقت دیکھیں تھے۔ اس لیے انھوں طاقت و دشمنی آلات کی تیاری شروع کر دی۔ اس میں عرصہ کا تھان کھان چلے جانے اس لیے بشری آلات آگے لے جاتے جو کلار کی شکی کی آخری حد تک پہنچ سکتے تھے۔ انھیں ایک رمدہ گاڑی میں نصب کر کے ان تینوں نے اپنے کام کا آغاز کیا۔ انھوں ہر طرح سے مسئلہ اپنے بڑی سیارے کی طرف کیے شروع کر دیے تھے۔

ان کا خیال تھا کہ شاید انھیں فوری جواب ملے اور انھیں اس سیارے پر کوئی تلوکی ملے اور ان کے مسئلہ کچھ کے لیے اس کی سال دے کر۔ مگر جب مسئلہ پیچھے کے ایک مسئلہ سے گھبراہٹ میں اس سیارے کی طرف سے مسئلہ ملا تو وہ حیران رہ گئے۔ مسئلہ ایسا تھا جسے وہ سمجھ سکتے تھے اور اس کا مطلب انھوں نے جڑا تھا۔ وہ کچھ نہیں تھا۔

”ہم جان گئے ہیں۔۔۔ ہم آ رہے ہیں۔۔۔“ کلار توئی سے اچھل پڑا تھا۔ اس نے کہا۔ ”دیکھا کہ تھا اس سیارے پر کوئی ڈچین تلوکی ہے۔ میرا خیال بالکل درست ثابت ہوا ہے۔“

”تجربہ نہیں۔“ ایڈر نے براہ راست بتاتے ہوئے کہا۔ ”صرف ایک مسئلہ کی وجہ سے میں ڈچین تلوکی کہہ رہا ہوں۔“

”میں دوست، میں انھیں دوسرے ڈچین کہہ رہا ہوں ایک تو انھوں نے ہمارا مسئلہ اپنی جلد ہی سمجھ لیا۔ دوسرے ان کے پاس ان طاقت ور دشمنی آلات پہلے سے موجود تھے۔ جن میں ہم نے ایک سال میں جا کر بیٹا تھا۔“

”صرف یہ تو ڈچین ہونے کی دلیل نہیں ہے۔“ ایڈر نے غصے سے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ یہ بات نظر انداز کر رہے ہو۔“ مومین نے کہا۔ ”انھوں نے بیٹھا سمجھا ہے کہ وہ آ رہے ہیں۔“

”اور اس کا مطلب ہے کہ وہ ترقی پزیر یافتہ ہیں۔“

میں سڑ کر بیٹھ گئے۔ جب کہ وہ ابھی اپنے سیارے کی طرف سے باہر نہیں نکلے تھے۔

”کلار نے کہا۔ تو ایڈر کی طرف سے تامل نظر آ رہا تھا۔

”ہاں ہے۔“ مومین اس کا مطلب ایک اور بھی ہے انھوں نے اپنے سیارے کے وسائل اپنے لوگوں پر خرچ کر کے بجائے انھیں خلائی سڑکی میں چھوڑ دی تھی۔

”ممكن ہے تم غلط کر رہے ہو۔“ کلار نے کہا۔

”انھیں گے تو ہم دیکھ لیں گے۔“

”وہ ظاہر میں سڑ گئے کریں گے۔“ مومین نے سوال کیا۔

”ظاہر ہے کہ خلائی جہاز میں۔۔۔“ ایڈر بولا۔ ”میں ایک بات دہرے سے کہتا ہوں۔ ممکن ہے وہ لوگ ہم سے زیادہ ترقی یافتہ ہوں لیکن وہ ہمارے جتنے خوب صورت نہیں ہو سکتے۔ میں اس کا نکتہ ان کی سب سے خوب صورت تلوکی ہیں۔“ یہ کہتے ہوئے ایڈر کے لیے سرخوڑا کیا تھا۔

”کلار اور مومین سڑ گئے۔“

”جب وہ انھیں گے تو اس کا خیال پائل کا تھا۔“

”تم کہہ کر کہہ لو ان کو توں کی آدھ ہمارے لیے اچھا نہیں ہوگی۔ وہ کوئی بد صورت تلوکی ہوں گے جنھیں ہمارے لوگ برداشت نہیں کر سکیں گے۔“

”میں انھیں امید رکھتی چاہیے۔“ مومین نے شرارت سے کہا۔

”ممكن ہے وہ ہم سے زیادہ خوب صورت ہوں۔“

”انھیں اپنی شکی ملے گا۔“ ایڈر نے پورے یقین سے کہا اور ہاتھ سے چلایا۔

انھوں نے اب تیاری شروع کر دی تھی کہ جب دوسرے سیارے والے ان کے سیارے پر آئیں گے تو ان کے استقبال کے لیے ایک جگہ کوئی چاہیے جس جہاں وہ آ سکیں۔ اس کے لیے ایک بڑے سے میدان میں ایک دن کی تیاری شروع کر دی تھی کہ اسے ساتھ ساتھ اپنے بڑی سیارے سے بیٹھا دماغی جادو کر رہی تھی۔ ان بیانات کی مدد سے وہ رفتہ رفتہ اپنے اپنا طریقہ وضع کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے کہ ایک دوسرے کو بیانات کی سانی سے سمجھ سکتے تھے۔ وہ انھیں بتا رہے تھے کہ ان کی طاقت ور خلائی جہاز پھیلنے کی آخری مرحلے میں تھی اور وہ اپنے خلائیوں کی تربیت کر رہے تھے تاکہ وہ طویل سفر کر سکیں ساتھ ساتھ وہ ان کے بارے میں جاننے کے لیے بہت توجہ دیتے تھے۔ ان کی طرف سے وہ بھی سوالات آتے تھے۔ اور وہ اپنی بیانات کے مطابق ان کے جواب دینے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن کہ سوالات سائنسی نوعیت کے ہوتے تھے جن کی اصطلاحات ان کے لیے ناموزوں ہوتی تھیں۔

رفتہ رفتہ انھیں اس کام میں پوری دلچسپی لینی لگا تھا۔ اس لیے انھیں ایک ایک دن کی تربیت میں ان سے کسی طرح نہیں تھکے بلکہ شاید زیادہ دلچسپی تھی۔ مگر دوسرے معاملے میں ایڈر کی سوئی دیکھائی ہوئی تھی کہ ان کے لیے انھوں نے زیادہ خوب صورت نہیں ہو سکتے تھے اور مومین

اور کلار اسے چھپاتے تھے۔

”پاؤں پاؤں سیارے کا خلائی جہاز روانہ ہوا اور مومین کی طویل مسافت پر گزرتوں ان کے سیارے کے عداوتیں داخل ہوا تھا اور آج تک ان کی طرف سے تیار کیے ہوئے مخصوص دن دے پر اترنے سے انھیں جہاز کا کار اور مومین وہاں موجود تھے۔ ان کے علاوہ ان کے گھبران اور دوسرے ہم کو کہنے کے لیے وہاں موجود تھا۔ سب ایک ہی بات فرماتے تھے۔ دالوں کو کہنے کے لیے وہاں موجود تھا۔ سب کی نظر اس آسمان پر مرکوز تھی۔ ایک نقطہ سامنے اور انھیں ہمارا گرجن دانا دے گا ساتھ ایک دیویش خلائی جہاز ان کے سامنے دن دے پر اتر گیا تھا۔ بھلائی جہاز اتر گیا تو اس کے پہلو سے ایک دو دانا دے گھلا اور اس سے تیز میں نکل کر زمین پر چل گیا۔ مگر اتر سے کچھ لوگ براہ ہوئے۔ انھوں نے احتیاط کے طور پر ایک مخصوص لباس پہن رکھا تھا۔ جس کا اوپر کی حصہ شے کے تئید پر مشتمل تھا اور وہ اس میں سے صاف نظر آ رہے تھے۔ ان کے سامنے نڈھکے دو گئے تھے اور ان میں سے بہت حد تک چروں پر وحشت کے تاثرات صاف نظر آ رہے تھے۔ اسے دالے کچھ ایسے ہی خوف کا رنگ بد صورت تھے۔

”دیکھا میں نے کیا کیا تھا۔“ ایڈر نے غصے سے انھوں سے اپنے دونوں ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ ”بہت شوق تھا تم لوگوں کو اس بد صورت تلوکی کو یہاں دیکھنے کا۔“

”کلار اور مومین بھی ڈرے تھے لیکن مگر ان پر سائنسی تجسس قابل آ گیا تھا۔ کلار نے کہا۔ ”یہ جان کے جسوں کے اوپر گول سے چیز سے کھانا ہی میں ان کا دماغ ہے۔“

”کیا بد صورت تلوکی ہے۔۔۔“ مومین نے کہا۔ ”اور اس گولے میں جو ہے اہم اور اتر کر مے ہیں یہ شاید ان کے دیکھنے، سننے اور بولنے کا اعضاء ہیں۔“

ایڈر کے سر کا پیڈر بڑا ہوا تھا۔ اس نے غصے سے ان سے کہا۔ ”مجھے تو اجازت دو اور تم لوگ اس تلوکی پر پھینچ جاؤ۔ مگو لیکن میرا ایک مشورہ ہے کہ میں تمھیں کام کے سامنے آئے دیتا۔ ممکن ہے، کی کہ اس بد صورت کے انتقال ہو جائے۔“

”یہ کہہ کر مومین نے سب سے بڑے سائنس دان ایڈر نے اپنی جگہ لی اور ایڈر نے انھوں سے ان کی کوئی کہ چھ نہیں دیکھا۔

”کلار نے کہا۔ ”یہ جہاز پڑ پڑا نا تو اس جگہ سے روانہ ہو گیا جہاں زمین نامی سیارے سے آنے والوں کا استقبال کیا جا رہا تھا۔“

ایڈر کے سر کا پیڈر بڑا ہوا تھا۔ اس نے غصے سے ان سے کہا۔ ”مجھے تو اجازت دو اور تم لوگ اس تلوکی پر پھینچ جاؤ۔ مگو لیکن میرا ایک مشورہ ہے کہ میں تمھیں کام کے سامنے آئے دیتا۔ ممکن ہے، کی کہ اس بد صورت کے انتقال ہو جائے۔“

”یہ کہہ کر مومین نے سب سے بڑے سائنس دان ایڈر نے اپنی جگہ لی اور ایڈر نے انھوں سے ان کی کوئی کہ چھ نہیں دیکھا۔

”کلار نے کہا۔ ”یہ جہاز پڑ پڑا نا تو اس جگہ سے روانہ ہو گیا جہاں زمین نامی سیارے سے آنے والوں کا استقبال کیا جا رہا تھا۔“

کر کے آپ دونوں ساتھ ساتھ بیٹھ جائیں تاکہ میں بھی ایک طرف بیٹھ جاؤں۔"

لوڑکی نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے نوجوان سے کہا۔ "آپ جاہیں تو یہاں بیٹھ جائیں" میں نے خالی جگہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ جگہ خالی پڑی ہے۔"

میری بات سن کر تو نوجوان نے حیرت بھری نظروں سے میری طرف دیکھا۔ تب میں سمجھا کہ نوجوان میں میاں بیوی یا بھیر عاشق مشوق تبھی بیٹھا ہے۔ پھر اس سے پہلے کہ میں اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لیے کچھ کہتا ہوں خود ہی بول پڑا۔ "بھئیے چناپ بھی کبھی آپس میں بھی نہیں تاراشی بہت اچھی لگتی ہے۔ لیکن آپس کی بیٹا مامی دونوں کے سامنے نہیں آتی چاہے۔ اس لیے آپ دونوں اپنی تاراشی دور کر کے ساتھ ساتھ بیٹھ جائیں تاکہ میں بھی ایک کونے پر بیٹھ جاؤں۔"

اس کی بات سن کر وہ لڑکی بھی اس کی غلط فہمی پر ہنسی بھرا چہرہ نکالتی تھی۔ "آپ کو غلط فہمی ہو رہی مسز۔ اگر آپ کو بیٹھنا ہے تو بیٹھ جائیں ہم دونوں ساتھ میں ہیں۔"

"اوہ.. آئی ام سوری" نوجوان بولا اور پھر درمیان والی جگہ پر بیٹھ کر کہا کہ میں جاہو ایک انگریزی میگزین کو مل کر آرام سے پڑھنے کا قصد تھا۔ چند منٹ بعد میں نے بھر وہاں سے چلنے کا ارادہ کیا اور اپنی جگہ سے اٹھنے ہوئے ایک سرسری نظر اس نوجوان اور پھر اس لڑکی پر ڈالی۔ نوجوان میگزین کی منہ تک تھا اور وہ لڑکی سر جھکنے کی سوچ میں ڈبلی ہوئی تھی۔ میں اٹھنے لگا تو وہ نوجوان میگزین کو اپنی آنکھوں کے سامنے سے ہٹا کر بولا۔

"کیا میں نے غلط جواب دیا۔"

"تو کچھ آپ مجھے یہ بتاتے جاتے جاتے کہ اسٹار سٹیمیا میں اس وقت کوئی فلم چل رہی ہے اور شام کا شو کتنے بجے شروع ہوتا ہے؟"

نوجوان نے اسے ادھیات سوال پر مجھے سخت غصہ آ گیا۔ اس کے سوالات تو وہاں تک نہیں ہوتے لیکن جب وہ بات کی انجمن اور پریشانی کی حالت میں اس سے پوچھے جاتے ہیں تو ادھیات گتے لگتے ہیں۔

"آپ نے عجیب کچن دیا؟" مجھے خاموشی پر کچھ جواب نہ پوچھا۔

میں بھی مجھے وہاں بیٹھے چند منٹ ہی ہوئے تھے کہ ایک دلکش سال والی سالوٹونی لڑکی جس کی عمر اسی بیس بیس رہی تھی اس کی آنکھیں مجھے دوسرے سرے پر پڑ گئی۔ پارک میں کسی انگریز کا گھمسن کی لڑکی کا یوں کی گنج پر آکر بیٹھ جانا کوئی عام واقعہ نہیں تھا۔

میں پہلے کچھ کم کے نوجوانوں کو ایسے مقصود کی تلاش رہتی تھی اور وہ اس موقع کا فائدہ اٹھا کر لڑکی سے بات کرنے کا بہانہ ڈھونڈنے لگتے ہیں۔ میں ایسا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ البتہ میں نے ان لڑکیوں کا گھمسن کی لڑکی کی آنکھیں اور اس کے چہرے کے رنگ اور اچھلتی دلکش تھے۔ ہال بہت لمبے کٹے اور منہ سے آنے والی پانچ فٹ سے اوپر تھا اس نے لمبے لمبے رنگ کی لباس پہنا رکھی تھی جو اس کے پرنسپل بننے پر عجیب و غریب رنگ کی لباس کی جلد کی رنگت سرخ و سفید نہیں تھی لیکن اس کے اوپر وہ ایک بے حد حسین لڑکی تھی۔ اس کی لڑکی جس کی تیار کوئی بات نہ تھی، ایسا دلکش چہرہ انھوں کے رستے دل میں اتار کر زندگی میں بھی نظر آتا ہے۔

اس کے بعد دل میں رر کے سیدھے چل تھے اور ہاتھ میں لے کر اس طرف تھا۔ میں نے ایک نظر میں ہی یہ ساری چیزیں لی تھیں۔ سیدھے کے نام پر اس کی گردن اور چہرے پر ہنسنے کی طرف کاٹنے میں پہلے لمبے رنگ کی کالج کی چوڑیاں پہنے ہوئے ساری چیزیں اس کے جلدی جلدی لہجہ والی میں نہیں جانتا تھا کہ لڑکی میرے بارے میں کوئی غلط فہم کر رہی تھی۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس لڑکی نے بھی میری طرح جلدی کر کے میرے چہرے سے میرے اور لباس وغیرہ کا جائزہ لے لیا تھا اس کے بعد میں ایک دوسرے سے لا خصلت کر رہے تھے۔ دیکھنے میں اس کی آنکھیں اس کے اوپر وہ میرے لیے تھیں اس لیے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہنے کا سوال نہیں آتا تھا۔

لڑکی کی وہ گنج کوئی لمبی تھی اور ہم دونوں کے بیچ کی جگہ چوڑی تھی جس میں اس حیرت زدہ دونوں کے بیٹھنے کی گنجائش اس طرح چپ چاپ بیٹھنے بیٹھنے چھوٹا وقت گزارنے کے بعد اس بات کی بات ہوئی تھی۔ میں انھوں کو وہاں سے جانے کے لیے سوچ رہی رہا تھا کہ ایک بائیس چھبیس سالہ نوجوان ہوا ہمارے نزدیک آ گیا۔ وہ ہارڈ پارٹی ہم دونوں کی آگے آئے کے بعد دوسرے سے بولا۔ "دیکھئے میرا بی



پریم کہانی

مفتوحہ بیٹھ

ایک دفعہ ایک صاحب کا گھر تھا جو کہ شہر کے ایک خاصے علاقے میں تھا۔ اس کے پاس ایک کھیت تھی۔ ایک دفعہ اس کے ایک دوست نے اس کے پاس ایک کھیت دیکھی۔

اور ایک دفعہ ایک صاحب کا گھر تھا جو کہ شہر کے ایک خاصے علاقے میں تھا۔ اس کے پاس ایک کھیت تھی۔ ایک دفعہ اس کے ایک دوست نے اس کے پاس ایک کھیت دیکھی۔

مجھے پوری ایک کہانی لگتی تھی!

ہمارے ایک بڑا صاحب کا گھر تھا جو کہ شہر کے ایک خاصے علاقے میں تھا۔ اس کے پاس ایک کھیت تھی۔ ایک دفعہ اس کے ایک دوست نے اس کے پاس ایک کھیت دیکھی۔ اور ایک دفعہ ایک صاحب کا گھر تھا جو کہ شہر کے ایک خاصے علاقے میں تھا۔ اس کے پاس ایک کھیت تھی۔ ایک دفعہ اس کے ایک دوست نے اس کے پاس ایک کھیت دیکھی۔

اس دن میں شہر سے ہی کاغذ قلم کے خریدنے کے لیے ایک دوست کے پاس گیا۔ اس دن میں شہر سے ہی کاغذ قلم کے خریدنے کے لیے ایک دوست کے پاس گیا۔ اس دن میں شہر سے ہی کاغذ قلم کے خریدنے کے لیے ایک دوست کے پاس گیا۔

بہر اس حال کہ کہنے تو دل کی گھبراہٹ میں پھر چہرہ داسے
 یاد آکر دیکھ کر اس کی بولی۔ "آپ نے جو کچھ مجھے کہا ہے
 اس لیے آپ نے بات کرنے میں کوئی حرج نہیں لگتا۔"
 "کی کوئی حرج نہیں ہے۔" میں بولا۔ "میں نے سچے دل
 سے آپ کو کچھ کہا ہے۔"
 "وہ جو میری دل میں آپ کی موجودگی میں یہاں آیا تھا،
 وہ پھر آپ سے نہیں مل سکتا ہے؟"
 میں اس کی بات سن کر چمک پڑا تھا کیونکہ یہ لڑکی اس
 نوجوان کو جانتی تھی کہ وہ اور وہ نوجوان مجھے بتا چکا ہے کہ وہ
 اس لڑکی سے بہت کتنا ہے۔ باوجود اس کی بولی کی اور یہ
 معاشرہ میری سمجھ سے باہر ہو گیا تھا۔ لڑکی شاید میری خاموشی سے
 میری اندر کی کیفیت سمجھ گئی تھی۔ "آپ اگر روزانہ اس
 پارک میں آتے ہوئے تو اس کی حقیقت مجھے میں دے سکتی۔"
 اتنا کہہ کر وہ اندر ہی اندر پھر چلی گئی۔ خالی جگہ کی جانب اٹھا تھا کہ
 بولی "بات دیکھیں میں آپ کو ساری بات بتا دیتی ہوں۔"
 میں ایک اور نئی کہانی سننے والا تھا۔ یہ جلدی سے پتہ چلا کہ
 بیٹھ گیا۔ بات شروع کرنے سے پہلے اس نے کہا۔
 "بات دیکھیں جو مجھے آپ لکھیں آپ کو یہ نہ ہو جائے۔"
 "کی نہیں۔ مجھے آپ خاص کام نہیں ہے۔" میں نے کہا۔
 "مگر ایک منٹ میں ڈراما اپنے دوست کو رخصت کر دوں۔"
 "پھر کب تک آپ یہاں تک کہ کرا اور اور ہیں سے اپنے دوست کو
 اشارہ کر کے چلے جانے کے لیے کہا اور پھر چلے کر بولا۔ "میں"
 اب کہیے۔
 "زندگی میں کسی بھی ایسے واقعات یا حادثات سے بچنا چاہتے
 ہیں کہ زندگی میں ہوسکتی ہے کہ علاوہ آدمی کو بھی نہیں کرسکتا۔"
 نوجوان نے آپ یہاں سے اٹھنے کو مجھے یہاں پھر بار بار دہرائی
 ہے۔ بلکہ اسے اس سے گھروں سے اٹھنے سے پہلے مجھے عرض
 اور دوسرے میں اس سے واقف ہیں۔ کیونکہ وہ روزانہ ہی اس
 وقت یہاں آتا ہے۔ آج بھی آتا ہی ہوگا، پارک کے اندر ہی
 کہیں ہوگا۔ اس کے پاس ایک بیٹھ لگا ہوا رنگ کارڈ اس کی ہوتا
 ہے۔ "لڑکی نے غلابی رنگ کے دو بال کی بات کی تو مجھے یاد
 آئے۔ "آپ اور میں بول رہے ہیں۔ ہالہ۔" وہ دو بال اس نے مجھے
 بھی دکھایا تھا۔ "یہ کب تک رہے گا؟" لڑکی نے دو بال کی بات کی
 جو میرے پاس تھا۔ نوجوان کے میان راستے میں اور یہ ستورانی
 میں ہو گئی۔

اور۔۔۔ اس لڑکی کے ہونٹ کھلے کھلے پھر وہ ایک کمرہ اس میں
 لیے ہوئے ہوئی۔ "اس گلابی رنگ کے دو بال کے پیچھے بھی
 ایک کہانی ہے۔۔۔ وہ بے حقیقت ہے کہ وہ دو بال اس نوجوان
 نہیں ہے۔"
 "کیا؟" میں چونک پڑا۔ "وہ دو بال اس کا نہیں ہے تو پھر
 کس کا ہے؟"
 "سرتا کا۔" وہ جلدی سے بولی اور آگے کہا۔ "سرتا
 گنگولی کا تھا تو شاید آپ نے نہیں پڑھا تھا۔" وہ بولا۔
 "سرتا گنگولی۔۔۔" میں نے دوسرے سے یہ نام پڑھا اور
 پھر اس کی بات سن کر سرتا گنگولی بہت ہی اچھی افسانہ نگار
 اور میں نے اس کی افسانہ مختلف کراں اور زمانہ میں
 پڑے تھے۔ یہ یاد آتی ہی میں نے کہا۔ "ہاں ہاں میں نے
 انہیں پڑھا ہے۔ یہ بہت مشہور نام ہے۔"
 "ہاں اور سرتا۔۔۔" کسی کسی دوسرے کا نام بھی دینا ہے۔ کل
 کراہنے چھوٹے بچوں اور بڑوں کے ننھے ننھے دوستوں کے
 ساتھ اس پارک میں آجیلا کرتی تھی۔ "لڑکی نے سرتا گنگولی
 کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔ "اور اگر پارک کے
 دوسرے گوشے میں جہاں بچوں کے لیے ہونے وغیرہ گا۔
 کے ہیں وہ ہیں کارکن تھی۔ لیکن ایک دن وہ اپنے ننھے ننھے
 دوستوں کے ہمراہ ایک ہی یہاں چلی آئی تھی۔ اس روز سرتا
 بچے اسکول کی طرف سے چمک پر گئے اور سرتا اپنی کٹی
 کہانی کا سرتا سے سوچے اس پر پھر پڑھنے لگی۔ "میں
 تک کہ کر لڑکی ایک ہی ہو گئی۔ یوں کہ ہاتھ سے
 کہہ کر بھول رہی ہے۔ جب اس کی خاموشی طویل ہونے لگی
 میں نے کہا۔ "آپ چپ کیوں ہوئیں؟ سرتا کی بات کا
 ہوا تھا اس پر؟"
 "آپ جتنے سے کہہ کر سرتا نے سرتا کی بات کو اس بار
 بہت ہی سنا۔" لڑکی نے بڑے پھیرے میں کہا۔ "پارک
 اس روز سرتا کی کٹی اس لیے اسے ڈر گئی تھی کہ اس نے
 کہہ چلے جانے کا فیصلہ کیا۔ لیکن ابھی اونٹ پر اسے اٹھنے کی
 پائی گئی کہ ایک نوجوان ایک ہی پیچھے سے آیا اور بچے پر اس
 کے برابر بیٹھ گیا اور پھر اس کے چہرے کو دھوئی، اسے دیکھ
 ہونے کو دیکھتا اور وہ جانتی ہے میں بولا۔ میں جانتا ہوں آپ
 نہیں ہیں مگر پھر بھی آپ یہ ہیں۔ مجھے امید تو نہیں ہے کہ میں
 زندگی میں دوبارہ آپ سے پھر نہ مل سکوں گا۔"
 "یہ آپ کی بات ہے کہ وہ ہیں؟ آپ کو شرم نہیں ہے؟"

جی لڑکی نے ایسی باتیں کر کے سرتا نے غصے سے کہا اور
 ہانسنے کے لیے اٹھ گئی۔
 "ذرا ایک منٹ۔" میں نے اٹھا کر اس لڑکی کو آگے
 بٹے سے روک کر کہا۔ "کیا یہ وہی نوجوان تھا جو اس
 کی موجودگی میں اس کی شام پڑھنے کا تھا؟"
 "جی ہاں۔" لڑکی نے کہا۔ "یہ وہی نوجوان تھا۔"
 "پھر کیا دوسرا سرتا کے ساتھ؟" میں نے پوچھا۔
 "سرتا کے اٹھنے سے وہ نوجوان بھی تیزی سے اٹھا اور
 سرتا کے سامنے کھڑا ہو کر ہاتھ جوڑے ہوئے بولا۔ "دیکھیے
 کہ میری کوئی بات آپ کو بری لگی ہے تو میں حاضی ہوں۔"
 میں تو تیزی سے اس کی بات کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ "بچہ
 میں نے جانتا اس مجھ سے ڈر رہا تھا۔ میں برا آدمی نہیں
 ہوں۔" بچہ تیزی سے بیٹھ جائے۔
 "لیکن سرتا مجھے میں بری تو بھی تھی۔" اس نے اس کی
 بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ وہاں سے
 ہانسنے کے لیے اٹھ پڑھا۔ "نوجوان چمک کر سامنے آ گیا
 اس کے ہاتھ اس کا رات روک کر بولا۔ "آپ کو جانتے ہیں کیا
 گا۔ اتنا کہہ کر وہ ذرا آگے بڑھا تو سرتا کے منہ سے ایک
 لڑکی زوری سے نکل گئی۔
 "اس کی چیخ کر اس پاس کے لوگ وہاں آ گئے۔ سرتا
 وہاں اس کی جھجک کر کہ گھبرا گئی۔ کیا بات ہے کیا بات
 ہے؟" لوگوں نے پوچھا۔ سرتا اس کی گھبراہٹ سے جواب دیتے
 پہلے ہی صاف طور سے اس کی طرف اس کی ایک دھڑ دھڑ
 پھر اس کی طرف اس کی ہیر کو چڑھا ہوا ہاتھ نکلیا۔ دوسرا
 ہے، لیکن یہ ابھی تھا کہ سرتا کے چہرے پر نظر پڑے ہی
 "میں جس جرح سے پہلی کی پہلی رہ گیا۔ وہ دوسرا ایک
 لڑکی کے بغیر سرتا کو دیکھ کر اس کے ہاتھ اس کے ہاتھ لڑکا
 "کیا آپ نے اس کو دیکھا؟" میں نے اس کی بات سے غم سے
 کہا۔ "یہ کوئی غلط حرکت کی ہے تو اسے صاف کر دیتا۔"
 "مگر اس نے اس کی گھبراہٹ میں اس کا گھبراہٹ کیا
 لکھو۔۔۔" اس نے غصے سے پوچھا۔ سرتا اس کے ہاتھ اس کی
 آئے گا۔ جبکہ وہ نوجوان ان سب باتوں سے لائق تھا
 طرف کر اس پر کوئی جرح نہ تھا۔
 "یہاں بعد اور پھر عرض ہے کہ کوئی کھانا لیا اور اپنے آٹو
 گا۔ اس نے اس کی بات کو دیکھا کہ وہاں سے چلے جانے کے
 کہا۔ نہ جانے اس کی بات میں کیا اور تھا کہ لوگ ایک

جینٹل
 حالت کے کمرے میں کھڑے، خوب محسوس طوم سے
 مقابہ ہو کر، جیوری کے افراد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بچ
 نے کہا۔ "انصاف کے تقاضوں کو یاد کرنے کے لیے ہدف کی
 کارروائی سے پہلے، عادت سے یہ روایت کہ ماضی کی
 ہے کہ کچھ کم جیوری کے کی کوئی کچھ کرنا چاہتے ہیں۔"
 طوم نے غور سے جیوری کی طرف دیکھا پھر جیوری
 سرتا بولا۔ "آج میں آپ کو بتاؤں گا کہ میں کچھ نہیں ہو کر
 کو نے میں بیٹھے ہو اسے سونے کے کھنکھارے دار داغ
 ہاک آؤٹ کرنے کا بیٹھ کر ہوں۔ اس کا جواب اور جہاں جی
 چاہے، مقابلہ کرے۔"
نشان (جیوری ہال، جیوری ہال)
 ایک کمرے وہاں سے چلتے چلے گئے۔ سرتا نے جہاں جیوری
 نظروں سے اس اور جیوری کے اس جانب دیکھ دی تھی۔
 "میں جیوری ڈرنے یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"
 اور جیوری عرض کرتا کہ نزدیک کیا پھر اس کے سر پر ہاتھ رکھ
 دیکھنے سے بولا۔ "میں تمہارے باپ کے برابر ہوں۔ جی۔"
 میرے ساتھ؟ اس میں جس میں تمہارے کمرے چھوڑ آؤں۔"
 "سرتا نے اس کی بات کو اس کا کہنا دیا۔ وہ دوسرا
 لیکن وہ اس کے ساتھ اس کے کمرے جانے کے لیے ب
 تھا۔ اس لیے پھر سرتا اس کے ساتھ جانا پڑا۔ جانے
 سے پہلے اور جیوری نے اس نوجوان کو اشارہ سے وہیں
 غصے سے کہے۔ پھر سرتا کے ساتھ پارک سے باہر گیا
 بولا۔ "میں دوسرے میری کار کر رہی ہے۔ اگر تم چاہو تو کار
 میں بھی بیٹھ سکتے ہیں۔"
 "میں انکل سرتا نے کہا۔" میں دوسرے ہی تو کمرہ ہے
 میرا۔ جیوری ہی بیٹھ ہیں۔
 "پھر چلتے چلتے اور جیوری نے سرتا کو بتایا۔ اس کے اس کا
 نام اسٹیل ہے۔ جی۔ اور وہ ایک اٹھنا چاہے۔ میں اس کی طرف
 ایک بار پھر سے معافی مانگتا ہوں۔ اسٹیل میں اس کی داغی
 حالت نہیں ہیں۔
 "میں ایک ہاتھ تھا۔ انکل؟" سرتا نے پوچھا۔ کیا مارا
 کوئی چمٹ وغیرہ لگی؟
 "چمٹ داغ پڑا نہیں دیکھا ہی جی۔ جس نے اس کا

وہی تو ازمن ہی کا وہ زلیلا بات ہے جسے ہم تمھاری عمر کی ادھنگ
 بھگت کر چکی صورت نکل ادا ایک لڑکی ترس کے اسے عبت
 ہوئی تھی۔ دونوں ساتھ کاغذ میں چڑھتے تھے۔ مجھے اس کی
 عبت چھپی ہوئی نہیں تھی۔ میں نے وہ ایک باہر لڑکی کو اس
 کے ساتھ دیکھا تھا اور وہ مجھے پہنچا دیتی تھی۔ اگلے چوتھہ کمرہ اعلیٰ کا
 چڑھتا ہے جس میں اس کی عبت اور کھڑکی تھی۔ اسے دیوار کا
 نہیں چاہتا تھا لیکن میں نے اس پر چڑھتا ہوا دیکھ لیا۔ وہ پہلے اور
 اپنی نعلین مکمل کر کے۔ یہاں تک کہ کمران کی دیوار کھڑکی اور وہ
 کھاس کر گھلا صاف کرتے ہوئے آگے بولا۔ فاضل امتحان
 کے کڑوں میں میں نے اس کو یہ بات بتائی کہ اگر وہ لڑکی کسی قسم
 سے اتنی ہی عبت کرتی ہے تو پھر پوری قوت سے امتحان دیکھ میں
 اسی لڑکی سے تمھاری شادی کروا دوں گا۔ میری اس بات پر وہ
 ہنس پڑی۔ وہاں اور اس کے دوہرے کمرہ کے دروازے کے پاس گئے۔ وہ
 لیکن قدرت کو میری اور اس کے درمیان سے بے نیکی خوش منظور نہیں تھی۔ ایک
 دن کاغذ آتے ہوئے وہ لڑکی زلف کے حادثے میں ہلک
 ہوئی۔ اس کی موت کی خبر سن کر اگلے بچاؤ میں کھانے کے باور پھر
 اسے چھپی لگ گئی۔ وہ درہم خلا میں گھوڑا رہتا جس دن
 تک وہ کھانے پہنچنے پہلے نہ دھڑکا۔ پھر اس کی کسی سے کہہ سکتا
 سنتا ہی نہیں تھا۔ بیٹھے بیٹھے وہ ایک کمرے میں نکل گیا تھا اور
 ساتھ حال پارک میں جا کر اس کی چٹخ چٹخ جاتا جس پر وہ اور اس
 کی محبوبہ بھی کھنکھاتی رہا کرتے تھے۔

”درا کر کا دروازہ کھولیں۔ ایک باہر چائے آؤں تو مجھے اور
 کہیں۔ اس پر آج ترم سے بیٹھی نظر آئیں۔ اس کے نظر میں تو میں
 بھی سمجھ دوں کہ کمران اور دیکھا تھا ترس میں اور میں بہت
 زیادہ فرق نہیں ہے۔ شاید اسی لیے ترس کے دھوکے میں اگلے
 تھیں تنگ کیا ہوگا۔ آج وہ جاگ رہا تھا۔ ابھی کمرے میں نکل گیا تھا۔
 اس کی ماں گھر میں آئی تھی اور کسی کام میں مصروف تھی۔ اس
 نے کہا کہ میں آج نہیں آؤں۔ مجھ کو کہیں اور بھیج دے گا۔ مجھے بتا دیا
 کہ کمران میرے در سے گھر میں جوڑ دینے سے کہہ کر گیا کہ وہ
 پارک میں ہی ہو گا۔ پھر جب میں اسے ڈھونڈتا ہوا پارک میں
 داخل ہوا تو اس بچے کے اس کو لیں کی سمجھ رہی تھی۔ تو مجھے لگا کہ
 میرے اگلے سے کوئی ایسا لکڑی کی حرکت کی ہوگی۔ لیکن ایسی
 کوئی بات نہیں ہوئی۔ ادرا اب مجھے یقین ہے کہ ترم نے بھی اسے
 معاف کر دیا ہوگا۔“

”پھر کیا ہوگا؟“ وہ لڑکی نے ساری بات چار چار چوٹی تو
 میں نے اس سے پوچھا۔ ”کس پر تاس ادا داتے کے اندر کسی

[illegible][illegible]

فائدہ سیما

استاد: ”ہم نے اپنے احقر اور پیروں سے لیے،
 اچھی ہنتری درخوں سے لی اور اپنا بینکاری نظام احوالوں
 سے لیا۔“

”زرا ہم کوئی اور مثال دے سکتے ہو؟“

زائد نے کہا: ”جی ہاں، ہم نے استری رحمان صاحب
 سے لی اور رحمان صاحبزادے کی سبک دہی سے لی۔“

سوداگن کی تاک کھانا ک

[illegible]

مَامُونُ الْحَقْوِي

مَامُونُ الْحَقْوِي

استغث سے خالی الذوق کے عالم نے مجھ کو حسین کی
 دیکھا جس پر جھٹک کر بولا۔ ”اگر سب کچھ ماضی
 کے ہے۔ میں۔ یہ خیال ہے۔ وہ ابھی کی تیار کرتی
 ہے۔“ اس نے استغث سے ہاتھ لگا کر میری طرف
 بٹلن سے غور کر لے کر دیکھ کر بولی۔ ”ابا ابھی نہیں ہے۔“

[illegible]

انگلش کے سب وہ بات سمجھانے کے لیے آگے نکلا، چہرے کے عضلات اور بالوں کی حرکت سے زیادہ سے زیادہ کام لیتا تھا۔
 "حالاں کہ واپس جانا میرے لیے سودمند ثابت نہ ہوگا۔" اس نے بات جاری رکھی۔ "کل ڈاکٹر کا مریض ایک سینئر میں تقریر کر رہے تھے۔ اس میں انھوں نے اپنی پیش کے معاملے سے لوگوں کو بتایا جس کا عنوان تھا 'آکسیجی مصلحتوں کی ضرورت کا مشاہدہ'۔ بہت عمدہ مقالہ تھا مگر ڈاکٹر کو اپنی بات کہیں نہیں آئی۔ وہ بچھاوی نہیں پانے سکتے والوں کی بہت میں معلوم ہوا کہ لوگ ان پر نہیں رہے تھے، خفا اڑا رہے تھے۔" رابرٹ نے توقف کا بھر بولا۔ "مگر ہمارے ڈاکٹر صاحب نے بوقت لینا۔ اور وہ دو گام کر رہے ہیں وہ یہی بہت قابل قدر ہے۔ مگر وہ بہت... آپ کیا کہتی ہیں انھیں... خود غرض... بہت خود غرض ہیں۔ ضرورت سے زیادہ بات کی کو معلوم نہیں کیا ہوئے دیتے... مگر کہ بات کا ٹیڈٹ بھی صرف ان کے حصے میں آئے۔"

بیتن نے اس کی تردید نہیں کی۔ "تم یہی کہہ رہے تھے کہ ڈاکٹر نے اپنے نظریے کو خود پر ثابت کیا مگر کیا ہے؟" "جی... لیکن یہ ثبوت ابتدائی ہیں۔ اگلا مرحلہ بڑے ٹیڈوں کا ہے جو صرف بڑے پائے پر کیے گئے تجربات سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ ورنہ ڈاکٹر کا باؤں پر کوئی کام نہیں دھرے گا۔ میں یہ تمہارا نہیں متاثر ہوا ہوں۔ میں نے کہا بھی ہے کہ دوسروں کی طرح آپ بھی اپنے تجربات کے معاملے سے میڈیکل رسالے میں مضامین تحریر کریں یا یوزر کی کاپیے تجربات کی طرف متوجہ کریں۔ جب آپ کو آپ کے تجربات کو اہمیت اور شہرت ملے گی۔" "جی آپ کی بات بھی جاسے گی۔ اور بول کی جاسے گی۔" رابرٹ نے تمنت سے سر ہلایا۔ "مگر وہ میری بات نہیں سنتے۔ لکھتے ہیں کہ اپنے کام سے کام رکھو۔ چنانچہ چنانچہ اپنے کام سے کام رکھنا ہوں۔" اس نے ایک بار پھر بیتن کا ہاتھ دبا دیا۔ "یلا... اس میں نے ان سے کہا کہ آپ کی رپورٹ میں، تحقیق میں میری اصل حصہ ہے میری جیگت ہے۔ یہ معاملہ ہے ہی اختتام۔ میں اس بات پر ذرا ناروازی ہو گئی۔ چنانچہ چاہا میں سمجھتا ہوں کہ اپنے تاثر یا بزرگی لینا چاہیے۔"

بڑے آدمی... مگر بہت چھوٹے انسان ہیں۔ یہ بحال ہے۔ کمرے کے کچھنے... بھرا خیل ہے، اس موضوع پر بہت ہو گئی۔ اب آدھ کی موضوع پر گفتگو کرتے ہیں۔ دفنانے کی دل چاہ موضوعات ہیں جن پر میں گفتگو کرنا چاہیے۔ نے بہت ہی نرم۔ بوجھ دار اور ڈانٹ میں کہا۔
 ڈاکٹر کا سامنے کے کھنڈے ہینڈ کی طرح کم و بیش گھٹنوں پر بیٹھ ہوئے۔ وہ تجربہ گاہ سے نکلا اور بارہ او وقت تھا۔ اس کی بڑی خواب گاہ میں بستر پر سارا کچھ کتا حلال کر رہی تھی۔
 "بچہ ٹھیک ہیں؟" ڈاکٹر نے چہرے اڑا کر پوچھا۔ "میں نے ابھی آتے ہوئے کھاس کی آواز کی شایعہ سنا تھا۔"

بچہ کیا ہے؟ وہ بات سمجھانے کے لیے آگے نکلا، چہرے کے عضلات اور بالوں کی حرکت سے زیادہ سے زیادہ کام لیتا تھا۔
 "حالاں کہ واپس جانا میرے لیے سودمند ثابت نہ ہوگا۔" اس نے بات جاری رکھی۔ "کل ڈاکٹر کا مریض ایک سینئر میں تقریر کر رہے تھے۔ اس میں انھوں نے اپنی پیش کے معاملے سے لوگوں کو بتایا جس کا عنوان تھا 'آکسیجی مصلحتوں کی ضرورت کا مشاہدہ'۔ بہت عمدہ مقالہ تھا مگر ڈاکٹر کو اپنی بات کہیں نہیں آئی۔ وہ بچھاوی نہیں پانے سکتے والوں کی بہت میں معلوم ہوا کہ لوگ ان پر نہیں رہے تھے، خفا اڑا رہے تھے۔" رابرٹ نے توقف کا بھر بولا۔ "مگر ہمارے ڈاکٹر صاحب نے بوقت لینا۔ اور وہ دو گام کر رہے ہیں وہ یہی بہت قابل قدر ہے۔ مگر وہ بہت... آپ کیا کہتی ہیں انھیں... خود غرض... بہت خود غرض ہیں۔ ضرورت سے زیادہ بات کی کو معلوم نہیں کیا ہوئے دیتے... مگر کہ بات کا ٹیڈٹ بھی صرف ان کے حصے میں آئے۔"

بیتن نے اس کی تردید نہیں کی۔ "تم یہی کہہ رہے تھے کہ ڈاکٹر نے اپنے نظریے کو خود پر ثابت کیا مگر کیا ہے؟" "جی... لیکن یہ ثبوت ابتدائی ہیں۔ اگلا مرحلہ بڑے ٹیڈوں کا ہے جو صرف بڑے پائے پر کیے گئے تجربات سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ ورنہ ڈاکٹر کا باؤں پر کوئی کام نہیں دھرے گا۔ میں یہ تمہارا نہیں متاثر ہوا ہوں۔ میں نے کہا بھی ہے کہ دوسروں کی طرح آپ بھی اپنے تجربات کے معاملے سے میڈیکل رسالے میں مضامین تحریر کریں یا یوزر کی کاپیے تجربات کی طرف متوجہ کریں۔ جب آپ کو آپ کے تجربات کو اہمیت اور شہرت ملے گی۔" "جی آپ کی بات بھی جاسے گی۔ اور بول کی جاسے گی۔" رابرٹ نے تمنت سے سر ہلایا۔ "مگر وہ میری بات نہیں سنتے۔ لکھتے ہیں کہ اپنے کام سے کام رکھو۔ چنانچہ چنانچہ اپنے کام سے کام رکھنا ہوں۔" اس نے ایک بار پھر بیتن کا ہاتھ دبا دیا۔ "یلا... اس میں نے ان سے کہا کہ آپ کی رپورٹ میں، تحقیق میں میری اصل حصہ ہے میری جیگت ہے۔ یہ معاملہ ہے ہی اختتام۔ میں اس بات پر ذرا ناروازی ہو گئی۔ چنانچہ چاہا میں سمجھتا ہوں کہ اپنے تاثر یا بزرگی لینا چاہیے۔"

بڑے آدمی... مگر بہت چھوٹے انسان ہیں۔ یہ بحال ہے۔ کمرے کے کچھنے... بھرا خیل ہے، اس موضوع پر بہت ہو گئی۔ اب آدھ کی موضوع پر گفتگو کرتے ہیں۔ دفنانے کی دل چاہ موضوعات ہیں جن پر میں گفتگو کرنا چاہیے۔ نے بہت ہی نرم۔ بوجھ دار اور ڈانٹ میں کہا۔
 ڈاکٹر کا سامنے کے کھنڈے ہینڈ کی طرح کم و بیش گھٹنوں پر بیٹھ ہوئے۔ وہ تجربہ گاہ سے نکلا اور بارہ او وقت تھا۔ اس کی بڑی خواب گاہ میں بستر پر سارا کچھ کتا حلال کر رہی تھی۔
 "بچہ ٹھیک ہیں؟" ڈاکٹر نے چہرے اڑا کر پوچھا۔ "میں نے ابھی آتے ہوئے کھاس کی آواز کی شایعہ سنا تھا۔"

بچہ کیا ہے؟ وہ بات سمجھانے کے لیے آگے نکلا، چہرے کے عضلات اور بالوں کی حرکت سے زیادہ سے زیادہ کام لیتا تھا۔
 "حالاں کہ واپس جانا میرے لیے سودمند ثابت نہ ہوگا۔" اس نے بات جاری رکھی۔ "کل ڈاکٹر کا مریض ایک سینئر میں تقریر کر رہے تھے۔ اس میں انھوں نے اپنی پیش کے معاملے سے لوگوں کو بتایا جس کا عنوان تھا 'آکسیجی مصلحتوں کی ضرورت کا مشاہدہ'۔ بہت عمدہ مقالہ تھا مگر ڈاکٹر کو اپنی بات کہیں نہیں آئی۔ وہ بچھاوی نہیں پانے سکتے والوں کی بہت میں معلوم ہوا کہ لوگ ان پر نہیں رہے تھے، خفا اڑا رہے تھے۔" رابرٹ نے توقف کا بھر بولا۔ "مگر ہمارے ڈاکٹر صاحب نے بوقت لینا۔ اور وہ دو گام کر رہے ہیں وہ یہی بہت قابل قدر ہے۔ مگر وہ بہت... آپ کیا کہتی ہیں انھیں... خود غرض... بہت خود غرض ہیں۔ ضرورت سے زیادہ بات کی کو معلوم نہیں کیا ہوئے دیتے... مگر کہ بات کا ٹیڈٹ بھی صرف ان کے حصے میں آئے۔"

بیتن نے اس کی تردید نہیں کی۔ "تم یہی کہہ رہے تھے کہ ڈاکٹر نے اپنے نظریے کو خود پر ثابت کیا مگر کیا ہے؟" "جی... لیکن یہ ثبوت ابتدائی ہیں۔ اگلا مرحلہ بڑے ٹیڈوں کا ہے جو صرف بڑے پائے پر کیے گئے تجربات سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ ورنہ ڈاکٹر کا باؤں پر کوئی کام نہیں دھرے گا۔ میں یہ تمہارا نہیں متاثر ہوا ہوں۔ میں نے کہا بھی ہے کہ دوسروں کی طرح آپ بھی اپنے تجربات کے معاملے سے میڈیکل رسالے میں مضامین تحریر کریں یا یوزر کی کاپیے تجربات کی طرف متوجہ کریں۔ جب آپ کو آپ کے تجربات کو اہمیت اور شہرت ملے گی۔" "جی آپ کی بات بھی جاسے گی۔ اور بول کی جاسے گی۔" رابرٹ نے تمنت سے سر ہلایا۔ "مگر وہ میری بات نہیں سنتے۔ لکھتے ہیں کہ اپنے کام سے کام رکھو۔ چنانچہ چنانچہ اپنے کام سے کام رکھنا ہوں۔" اس نے ایک بار پھر بیتن کا ہاتھ دبا دیا۔ "یلا... اس میں نے ان سے کہا کہ آپ کی رپورٹ میں، تحقیق میں میری اصل حصہ ہے میری جیگت ہے۔ یہ معاملہ ہے ہی اختتام۔ میں اس بات پر ذرا ناروازی ہو گئی۔ چنانچہ چاہا میں سمجھتا ہوں کہ اپنے تاثر یا بزرگی لینا چاہیے۔"

میرے جذبات اگر قوت ہوتے۔۔۔
 اگر میں عورت ہوتا۔۔۔ ڈاکٹر کے بولنے پر ایک بار پھر اس کی بات اصرار کر دی۔ "قویا کچھ ہوتا ہے نہیں اور نہ ہی ہم دونوں ساتھ ہوتے۔۔۔
 "مجھے یوں لگتا ہے۔۔۔ میرا حال، پھر بھی۔۔۔
 "میں سمجھ کر میں نے کچھ کہا تھا۔۔۔
 "میں۔۔۔ پوری کوشش کر رہی گی۔۔۔
 کچھ دیر بعد جب ڈاکٹر بیڈ پر لیٹا تو بہن یولی۔ "مارل کا خیال ہے اسے نکالنے کے لیے کچھ فیصلہ کرنا۔۔۔
 "مارل کا خیال بالکل درست ہے۔۔۔
 "میرا خیال ہے، مارل ان تمام لوگوں سے بہت بچتر ہے جنہیں آج تک ایسا سنست رکھتے رہے۔ وہ تم ڈاکٹر کا بٹھ کرنے پر اسے ناراض ہو گئے۔۔۔

"یہ بات نہیں ہے۔۔۔ میں نے مارل کا ہی ہدف کے لیے ملازم رکھا ہے۔۔۔ تم اس کے ساتھ کچھ دیا دے۔۔۔ ہم ایک ایسے مقام پر پہنچ گئے ہیں جہاں ہمارے درمیان بنیادی پائسی پر اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس صورت میں ہمارا اور آپ کے ساتھ چلنا ناممکن ہے۔ اگر اس نے یہ اختلاف دور دراز کیا تو میں اس سے کہہ دوں گا کہ مہینے کے آخر تک اپنا دور یا ستر ماہ نہ لے۔۔۔
 "دیکھو بات ہے، تمہیں اس کے کام سے تو کوئی فائدہ نہیں ہے نا؟۔۔۔
 "بالکل نہیں۔۔۔ وہ بہت کچھ دیا رہا ہے۔ اور وہ بہت کام کا ثابت ہو سکتا ہے۔۔۔ اگر بنیادی پائسی کے معاملات میں مداخلت کیے بغیر، اپنے کام سے کام لے کر مہینے کے ختم ہونے تک اس سے مزید نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ وہ بڑا نا آزمائش۔۔۔

میرا دھم ہونے پر مارل داہن چلا گیا۔ وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے بہت خوش تھا۔ کیوں کہ اسے آکریجی بولنے، سننے، سمجھنے اور بڑھنے سے نہایت مری تھی۔ اسے اس زبان میں اظہار رائے کرنے اور سمجھنے میں بے حد وقت چھیل آتی تھی۔ پھر اسے یہاں کا موسمی ختم مانندہ تھا۔ اور چاہے اور کھائے۔۔۔ پھر بھی نہ جانے وہ یہاں کیسے رہ رہا تھا۔
 مارل کا دل تو اس نے قاعدہ کے خیال میں کسی کی نہیں ہے۔ اس کی اس بات سے بہت تین کی تھی کہ کھاناوں میں ان دونوں وہ ڈاکٹر نہیں دیکھتے تھے جو اب سے کچھ عرصے پہلے تک تھے۔ اپنا شاید ہی تنگ کے آنے کے بعد سے ہوا تھا۔ چھ لگ لگ ایک

ملازمت چھوڑ گیا تھا۔ قاعدہ ڈاکٹر سالوے نے بڑی کوششوں کے بعد یہی تنگ تلاش کی تھی۔ اس دوران میں جتنے انھوں نے بغیر تنگ کے گزارے وہ خاصے خاصے ثابت ہوئے تھے۔
 مارل کی گئی ہوئی یہ باتیں بہن نے ڈاکٹر سالوے کو بتائی تھیں جو آخری دن اس سے ہوئی تھیں۔
 "میں قاعدے سے ناراض نہیں ہوں گا۔۔۔ ڈاکٹر سالوے نے غصہ بنا کر کہا تھا۔۔۔ میں نے بھانسنے اور کھانے کو لے رہا تھا۔ اس لیے بہت غم سے ہوئے تھے۔ مگر پھر افسوس کھانے کھانے کے لئے کھڑے ہوئے۔ یہ بات بھی پائسی ہے۔
 "کھاناوں میں تو لڑائی تو میں بھی محسوس کر رہی ہوں سالوے۔۔۔ بہن یولی۔ "بھانسنے تو اس نے بہت اچھے کھا۔ پکائے۔۔۔ شاید میں سن کر اس کا پیڑھ لڑی پکائی کے لیے کہے۔
 "اب میرا حال، میں خود چاروں کو دیکھ کر کہتا ہوں۔۔۔
 "بالکل نہیں۔۔۔ ڈاکٹر سالوے نے شدت سے سر ملانے کو ہونے کی ضرورت نہیں اس سے کہہ رہے تھے۔
 "تو اس کے کھاناوں میں کوئی خاص غائی تھی؟۔۔۔
 "پھر بھی روک ٹوک اور سرکش ضروری ہوتی ہے۔۔۔
 "ہات کر رہی گی۔۔۔
 "میں نے کہا تھا۔۔۔ تمہیں ایسا کچھ نہیں کر رہی۔ تمہیں یہاں کے مشکل سے تنگ کا انتظام ہوا ہے۔۔۔ ہماری باتوں سے کہیں۔۔۔ چھوڑ دینا چاہئے۔ اسے تنگ مشکل سے ملے ہیں۔۔۔
 "سالوے، یہ میرا مشیہ ہے۔۔۔ تم اس میں مداخلت نہ کرنا چاہئے۔۔۔
 "بالکل نہیں۔۔۔ تمہارا مشیہ ہے۔۔۔ میں یہ ذہن میں رکھ رہی ہوں۔
 لوگ بہت حساس اور ذور درج ہوتے ہیں۔۔۔

اس بات کے دل کی بغیر بغیر بہن کو کم ہوا کہ وہ امید ہے۔ ایک شخص وہ سو کر رہی تو ایک تھک کر لڑا دینے والا خیال اس کے ذہن میں آیا۔ اس خیال کے آنے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں تھی۔ یہی اعلان کا وقت تھا اور اس کی اس کھانہ کی کسی طرف مگر یہ خیال کچھ اس طور اس کے ذہن میں راجھ رہا کہ اس نے غم خیز امید ذہن سے خود بخود کی گھول میں ہوا کر رہی تھی۔
 قادت نے اس کے ذہن میں یہ سوچ ڈالی ہے کہ پائسی کی کینیت پر خود بھی میرا خیال ہے۔۔۔ پھر جوں جوں وہ اس غم خیز گئی، اسے یقین ہوتا چلا گیا کہ یہ شخص خیال نہیں دے رہا۔ اس طرف سے اس کی بہن ہیں۔۔۔ پہلے تو اس نے خود بخود

کینیت میں پایا۔ پھر رفتہ رفتہ خوف اشتیال میں داخل ہوا۔ اس اشتیال کے عالم میں وہ بھی اور برابر میں سوتے شوہر کی طرح بیچھڑا۔
 "میرے باز۔۔۔ کھینچا آؤ گی؟۔۔۔ غصے کی شدت سے اسے ہاتھ مل کر پورا تھا۔۔۔ اس اتنی کڑی ہوئی حرکت کے متعلق سوچ نہیں کی تھی۔
 ڈاکٹر پھر بڑا کھانہ کھا۔۔۔ اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں آیا۔۔۔ پھر بھی کے غصے نے اس کا غماز دور کر دیا۔ وہ بھی تنگ کو گھرنے لگا۔ بولا۔ "تم بہن میں تو ہوا یہ طریقہ ہے کسی سوتے آؤ گی کو جانے گا۔۔۔
 "میں بہن میں۔۔۔ خوب! میں تو کچھ دیر ہی تم کی اس دیکھ کر رہے۔۔۔
 "میں آؤ گی اس کا مطلب ہے؟۔۔۔
 "میں پہنچی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ غلطی کے مطالعے سے لوگوں میں اس تجربے کے نتائج کے حوالے سے یہ بھی خیال کیا نہ پڑ جائے گی۔۔۔

وہ اسے پہنچی سے دیکھتی رہی۔۔۔ "مکتے ملاک ہو تم! نہیں ہے۔۔۔ ممکن ہے کوئی قانونی رکاوٹ غلطی میں مانج ہو۔۔۔ آکریجی کے ساتھ تجربہ یہ کہ اسے جانور کی طرح کا سلوک کیے جانے کی بنیاد پر غلطی ملنے میں کوئی رکاوٹ ہے تو تو اس کرے۔۔۔ لیکن اس کے باوجود میں تمہارے ساتھ نہیں رہوں گی۔۔۔ میں جاؤں گی اور اپنے ساتھ بچوں کو بھی لے کر جاؤں گی۔ کیا تم میرے پیچھے تم ان پر کیا تجربات کر دے۔ اب میں تمہارے ساتھ آؤں گی۔ اس کی ایک چھت سے نہیں کر سکتی۔ اپنے جسم کے اندر اس کے باوجود بہن اپنے کے پہل نہ کر سکتی کسی مسئلے تھے جو اس کے جانے کی راہ میں حال تھے۔ سب سے بڑا مسئلہ تو تھا کہ کہاں جائے۔۔۔ پھر بچوں کے اس کوں کا مسئلہ! بچوں کی پیٹنگ بھی۔۔۔ اور پھر ہاتھ میں نام نہ ہونے کی رکاوٹ۔ اس کے علاوہ بھی۔۔۔ اور خود بھی باتوں کے سبب اس نے وہاں کی اس کے لئے ہٹو کر دی۔ چنانچہ وہ صرف اتنی کر رہی تھی کہ اپنا پیڈ بڑھ بدل لیا۔ وہاں کی اس کے انتظامات ہونے تک اب اسے وہیں رہنا تھا۔

ظاہر ہے فیصلہ بہت سارے ڈاکٹر سالوے کے ساتھ ہی ہو رہا تھا۔ اس کی چھ دیو گئے تھے اسے مشکل بنا رہا تھا۔ کچھ دن گزرے تو اسے اندازہ ہوا کہ اگر قاعدہ میرا دھم بھی وہ یہاں سے جانے کے قابل نہیں ہو پائے گی۔ سب سے بڑا مسئلہ ہونے والے تھے کہ وہاں سے پہلے میں جہد کی کرتے

ہے۔ اس کے ساتھ ہی نوع انسان کو ایک ہی جست میں نہیں سے نہیں بچھڑا دیتے۔۔۔
 "مجھے کسی جست سے کوئی غرض نہیں۔۔۔ بہن کے غصے میں بالکل کی نہیں آتی تھی۔۔۔ مجھے صرف خود سے اور اپنے بچے سے غرض ہے۔ تم میرے اس احساس سے بخوبی آگاہ تھے۔ گناہ نے ان کی ذہن پر بار بار ڈالی۔ کچھ غرضانہ ہے کسی سے گناہ کا سر کرتے رہے۔ میں فیصلہ کر رہی ہوں۔ جسے اعزاء وہ کیا ہے کہ تمہارے نزدیک میری اہمیت کیا ہے۔ اب ہمارے درمیان کچھ نہیں بچا۔ ہماری داریں اب جدا ہیں۔۔۔ تمہیں چھوڑ جاؤں گی۔۔۔ میں غلطیوں کی۔۔۔
 "آ۔۔۔ ڈاکٹر سالوے کے غصے سے نکلا۔
 "آ۔۔۔ اسے اس کا مطلب ہے؟۔۔۔
 "میں پہنچی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ غلطی کے مطالعے سے لوگوں میں اس تجربے کے نتائج کے حوالے سے یہ بھی خیال کیا نہ پڑ جائے گی۔۔۔
 وہ اسے پہنچی سے دیکھتی رہی۔۔۔ "مکتے ملاک ہو تم! نہیں ہے۔۔۔ ممکن ہے کوئی قانونی رکاوٹ غلطی میں مانج ہو۔۔۔ آکریجی کے ساتھ تجربہ یہ کہ اسے جانور کی طرح کا سلوک کیے جانے کی بنیاد پر غلطی ملنے میں کوئی رکاوٹ ہے تو تو اس کرے۔۔۔ لیکن اس کے باوجود میں تمہارے ساتھ نہیں رہوں گی۔۔۔ میں جاؤں گی اور اپنے ساتھ بچوں کو بھی لے کر جاؤں گی۔ کیا تم میرے پیچھے تم ان پر کیا تجربات کر دے۔ اب میں تمہارے ساتھ آؤں گی۔ اس کی ایک چھت سے نہیں کر سکتی۔ اپنے جسم کے اندر اس کے باوجود بہن اپنے کے پہل نہ کر سکتی کسی مسئلے تھے جو اس کے جانے کی راہ میں حال تھے۔ سب سے بڑا مسئلہ تو تھا کہ کہاں جائے۔۔۔ پھر بچوں کے اس کوں کا مسئلہ! بچوں کی پیٹنگ بھی۔۔۔ اور پھر ہاتھ میں نام نہ ہونے کی رکاوٹ۔ اس کے علاوہ بھی۔۔۔ اور خود بھی باتوں کے سبب اس نے وہاں کی اس کے لئے ہٹو کر دی۔ چنانچہ وہ صرف اتنی کر رہی تھی کہ اپنا پیڈ بڑھ بدل لیا۔ وہاں کی اس کے انتظامات ہونے تک اب اسے وہیں رہنا تھا۔

اگر اسکا سے بھلا۔“

”کام ہماری سرخی کے مطابق کرنا ہے۔“ حضرت نے سخت لہجے میں کہا۔ ”میں نے کی دین میں رہا ہے کرواؤ چاہتیں ہوگی۔ تمھیں اس وجہ کا پل کرنا ہے۔“

”یاد رکھو گوارا کے لیے توپ چلاؤ گے۔“ اس بار گوپال نے زبان کھولی۔

”تو تم لوگ رہو نہ دے۔ کسی آدمی سے بات کروں گا۔“

پس کی بات ہماری طرح سیدھا ہو گیا۔ وہ تو بہت بڑی بے عزتی تھی کہ اس سے ہوئے اس کا یار کسی اور سے کام لے۔ ”یاد رکھا تھا تو؟“

”ہاں۔“ اس نے کہا۔ ”یاد رکھا تھا۔“

”یاد رکھا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”یاد رکھا تھا۔“

”یاد رکھا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”یاد رکھا تھا۔“

”یاد رکھا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”یاد رکھا تھا۔“

”یاد رکھا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”یاد رکھا تھا۔“

”یاد رکھا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”یاد رکھا تھا۔“

جی تو خبر کی طرف جانے سے آخری سے گاؤں والی آ رہے تھے۔ یوں قریب کے دیہات میں ڈاکوئی کی آمد چاہا ہو گا۔

”میں نے کہا۔“ اس نے کہا۔ ”یاد رکھا تھا۔“

”یاد رکھا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”یاد رکھا تھا۔“

”یاد رکھا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”یاد رکھا تھا۔“

”یاد رکھا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”یاد رکھا تھا۔“

”یاد رکھا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”یاد رکھا تھا۔“

”یاد رکھا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”یاد رکھا تھا۔“

”یاد رکھا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”یاد رکھا تھا۔“

”یاد رکھا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”یاد رکھا تھا۔“

”یاد رکھا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”یاد رکھا تھا۔“

نئے اپنے اختیار کو دیکھ کر اور اسے بڑھ گئے۔

”یاد رکھا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”یاد رکھا تھا۔“

”یاد رکھا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”یاد رکھا تھا۔“

”یاد رکھا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”یاد رکھا تھا۔“

”یاد رکھا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”یاد رکھا تھا۔“

”یاد رکھا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”یاد رکھا تھا۔“

”یاد رکھا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”یاد رکھا تھا۔“

”یاد رکھا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”یاد رکھا تھا۔“

”یاد رکھا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”یاد رکھا تھا۔“

”یاد رکھا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”یاد رکھا تھا۔“

”یاد رکھا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”یاد رکھا تھا۔“

اور کچھ نہیں اس کا سامنا کرنا اور بات۔ وہ پہلا موقع تھا کہ ان کا واسطہ پڑے۔

”یاد رکھا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”یاد رکھا تھا۔“

”یاد رکھا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”یاد رکھا تھا۔“

”یاد رکھا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”یاد رکھا تھا۔“

”یاد رکھا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”یاد رکھا تھا۔“

”یاد رکھا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”یاد رکھا تھا۔“

”یاد رکھا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”یاد رکھا تھا۔“

”یاد رکھا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”یاد رکھا تھا۔“

”یاد رکھا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”یاد رکھا تھا۔“

”یاد رکھا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”یاد رکھا تھا۔“

”ہم میں بھی ہوتے تو ان کے لیے کم تھے۔“ کہتا ہے۔
 نے کہا۔ ”اور مجھے کسی شے نہ کرو۔ ہمیں اپنے کسی ساتھی کو یہاں
 چھوڑ کر نہیں جانا ہے۔۔۔ زہرہ نہ مردہ۔ اور میں اکیلا سات
 آدمیوں کو لے کر نہیں جاسکتا۔“
 اتنی دیر میں لڑکوں سے لڑنے والے ان کے دوسرے
 دوستا بھی ڈھیر ہو چکے تھے۔

”چلو دیر جی گاؤں کی طرف۔“ اذتار سنگھ نے وصال دین سے کہا۔ ”ہمیں وہاں سے لوگوں کو لے کر آتا ہے۔“

”میں یہیں ٹوک جاتا ہوں۔“ وصال دین نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

اوتار نکلے اس کا مطلب سمجھ گیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا: ”ان کی فکر نہ کرو میرا بھائی۔ پڑھنے والے نہیں آئے۔ میرے ساتھ۔ ہمیں جانے اور واپس آنے میں بس دس منٹ لگیں گے۔“

بات ماننے والا وصال دین اور تارنگہ کے چپے چپے چل دیا۔

مکمل تھی وہ بے سندھ تھا۔ باقی تین ہوش میں تھے مگر اسٹے کے قابل نہیں تھے۔ ”جلدی کرو۔“ کرتار نے کہا۔
انھوں نے چاروں ساتھیوں کو اونگوں پر لاوا۔ ”اب کرتا کیا ہے؟“ زنگھیر نے پوچھا۔

”بے وقوف نہ ہو۔ اب اس علاقے میں ہمیں ایک ہل بھی نہیں رکھنا ہے۔“ کرتار نے جھجھکا کر کہا۔

ٹھاکر پر تپ سنگھ نے وید کو وصال دین کی مہم پٹی کرنے کو کہا اور اپنے ساتھ کچھ آدمیوں کو لے کر ادار سنگھ کے ساتھ چل پڑا۔ کدورتانہ بھی ان کے ساتھ تھا۔

وہ وہاں کوئی ایسی نشانی نہیں تھی جو اس واقعے کی گواہی دے۔

دیکھا کہ وہ یہاں تو ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ "اس کا لہجہ فاتحانہ تھا۔
اوتار سٹم کے کچھ کہنے سے پہلے ہی شاکر پر تپ نے اسے

پہنیں سنا گیا۔ ورنہ آٹھ ڈاکو آجائیں تو شور مچ جاتا ہے
 مارتے ہیں۔ پھر وہ ڈاکو تو میرے چھوٹے اور وصال
 میں چھ مہینوں کے تھے۔ ڈاکو تو مال دیکھ کر حملہ کرتے ہیں۔“
 نے رنے دلیل دی۔

”اگر وہ ڈاکو ہیں تو انہیں تھے تو انہوں نے ڈھانچے کیوں بانڈھ رکھے تھے؟“ کیدار ناتھ نے اعتراض کیا۔

”مگر میری سمجھ میں بہت کچھ آ رہا ہے۔“ ٹھاکر بولا۔
 ”خیر اب اس مرحلے میں بات ہو گئی۔“
 کدہ دار تھکے کم سن میں کدہ پر ہنسی تھی۔ وہ ٹھاکر کے
 ساتھ چلی چلا آیا۔

اوتار سکھ نے کچھ نہیں کہا۔ بس باپ کو دیکھتا رہا۔ اسے
 اتنا کہ اب اس پر پابندیاں نہیں لگیں۔ وہ جانتا تھا کہ چٹا جی
 اس سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اب وہ اسے
 اسوں سے بھیجیں۔

نہیں۔ پر جانتے ہیں کہ اس تخیل میں جان جا بھی سکتی ہے۔
 وہ ہزاروں کی طرح جیتے اور ہزاروں کی طرح مرتے ہیں۔“
 ادوار سنگھ اب بھی چپ تھا۔ اس کی کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ
 راول نہل کس کروٹ بیٹھے والے۔

”میں تم سے یہی کہوں گا پتر کہ جو ہوا اسے بھول جاوے۔ ہر بات کے لیے ہر وقت تیار رہو۔ جیسے چاہو جیو جو چاہو کرو جہاں چاہو جاؤ۔ بس یہ یاد رکھو کہ تم راجپوت ہو اور راجپوت دشمن پر دیا کسی نہیں کرتے۔“

ٹھاکر بے ساختہ مسکرایا۔ پھر ہنسنے لگا۔ اسے احساس ہوا کہ وہ خواہ مخواہ بننے کو پڑھا رہا ہے جب کہ بیشا اس سے بھی بڑا کر رکھا ہے۔ ابھی اس پر جان لیوا حملہ ہوا تھا اور وہ... وہ پڑھائی کی فکر میں بے حال ہو رہا تھا۔ "تو تم جادو... پڑھو۔ شاہاں

”جیون کے ساتھ حرن کا دھڑکا تو گلابی رہتا ہی رہتا ہے۔ یہ کیدار ناتھ۔ جیون کا فٹ تو حرن ہی ہے۔ نا۔ بل میں سی ہو یا برسوں میں...“ ٹھاکر نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔ ”پر مجھے خوشی ہے کہ

کیا درانجھ کو اس کی بے پروائی بہت مجبب اور غیر فطری لگی۔ "میں دیکھتا ہوں شاگرد کو کہ تم کچھ بے پروائی کر رہے ہو۔ جو بھلا شاگرد ہمارا ایک ہی پتر ہے۔ ہماری نسل چلانے والا! اگر اسے غصہ ہے تو تمہیں اس کی حفاظت کی فکر کرنی ہوگی۔ ہر تم کو

”یوں کہ اسے کچھ نہیں ہوگا۔ کچھ نہیں ہوگا میرے ہنر کو۔
وہ لمبا جیون جیسے گا۔“
ٹھا کر کے لمبے کے یقین نے کیدار ناتھ کو ہلا کر رکھ دیا۔
”اس کا اتنا دوش کیوں ہے تمہیں؟“

اس نے کہا۔

"تمہیں پتہ ہے یہاں تکس ہے۔ بیون کی بندشوں سے کہاں چھوڑا جائے؟ چھوڑو اس بات کو۔"

مگر بہت چھوڑ دینے سے کچھ ہوتا۔ آج بھی بند کر لینے سے مسائل نہیں ہوجاتے۔ یہ وہ بات تھی کہ وہ دونوں یٹیں سوکتے تھے۔ یہ ان کے جانے کی بات تھی۔ دونوں کو معلوم تھا کہ وہ جا رہے ہیں۔ لیکن وہ سونے کی اداکاری کر رہے۔

تو کڑی دہائی چاہے وہ رات بھی گزری۔ سب رات ہی تھی۔ وہ دروازہ چنچوں کے لیے خلت آزمائشی کا وقت تھا۔ یہ ہر حال وہ وقت بھی گزری گیا۔

دلی میں سب کچھ پہلے بھی ایسا تھا۔ بس ایک جہلی رونما ہوئی تھی۔ سرفراز تنگ کو ایک دن بیٹھے بیٹھے خیال آیا کہ انھوں نے بیچوں کو کھانے کی تعلیم دلا دی تھی لیکن ان کی دینی تعلیم ابھی مکمل ہے۔ عدیدہ شریف اور میرت مہار کے علم کے بغیر وہ مکمل نہیں ہو سکتی۔

تخلے میں ایک خاتون تھیں۔ مہرالشہ تھا کہ وہ ان علوم میں طاق ہیں۔ سرفراز تنگ نے ان سے رابطہ کیا۔ وہ اپنے گھر میں ہی بیچوں کو تعلیم دیتی تھیں۔ لیکن سرفراز تنگ تنگ چاہتی تھیں کہ ان کی بچیاں گھر سے باہر نہ نکلیں۔

"آپ گھر پر آنے کی ذمت نہیں کر سکتیں؟" سرفراز تنگ نے مہرالشہ سے کہا۔

مہرالشہ ہنسنے لگی۔ وہ جانتی تھیں کہ یہاں اس ذمت کی انھیں معقول نہیں سمجھی لے گی۔ "آپ انھیں میرے گھر ہی بھیج دیں۔ انہی تعلیم زیادہ موثر اور دل نہیں ہوتی ہے۔"

انھوں نے کہا۔

"آپ میری بیچوں کے لیے وقت نکالیں نا۔" سرفراز تنگ نے اصرار کیا۔

مہرالشہ سوچیں پڑ گئیں۔ "ان بہن ساری بیچوں کو کس نہیں چھوڑ سکتی جو میرے گھر پڑنے کے لیے آئی ہیں۔"

تینوں لڑکیاں اس کی مصروفیت سے بہت خوش تھیں۔ ان کی روز شب کی یکسانیت سے جان چھوٹی تھی۔ یہ معمول انھیں خوش گوار تھا۔

دوسری طرف جو باور والوں کی آگ کا ایک ایک دل گمن رہی تھی۔ اسکول خلتے تھے ایک ہفتہ گزری تو اس نے ان کا انتظار شروع کر دیا۔ لیکن اس انتظار میں زندگی تھی وہ آدھی کیل کے بیٹنی انتظار تھا۔ اسکول خلتے سے پہلے انھیں یہ ہر حال آتا تھا۔ سو اب جو راتو کے لیے ہر حال ان کے انتظار کا تھا۔ وہ آج ہی آپ سمرانی تھی۔ بار بار چمکن کی طرف جاتی۔ چہ لکھے وہاں کڑی دہائی اور پھر لڑائی۔ وہ بہت کم کوئین ہے۔ خوش مزاج ہو گئی گی۔

چار دن اس انتظار میں گزرے اور وہ دلی آئے۔ لیکن جو باور خوش تھی۔ آج نہیں توکل۔ وہ آگے جا سکیں گے۔

اور پانچویں دن وہ آگے! ان کی آمد سے چندے پہلے خود بار کا دل بھیج سے اعزاز میں ہر حال اور اس سے قدم خود بہ خود چمکن کی جانب اٹھے۔ وہ وہاں جا کر کھڑی ہوئی کسی گھر کی کچھ بھی اور اس کا سامنے آ کر کڑا۔

تو خود بانو نے وہاں سے بعد پہلی بار چھوٹے خاکہ کو دیکھا۔ ان دونوں میں وہ پہلے سے اونچا ہو گیا تھا۔ شاید یہ اس کا گمان تھا۔

ادھر تک وہ دلی جانے کے بعد وہ خاکہ پر پتہ تنگ کی پہلی رات تھی۔

دن تو جیسے ہی اصرار دھڑکی مصروفیات میں گزر گئی۔ مگر اب رات۔۔۔ پھر رات اس فرقہ چارے کھڑی تھی۔ یہ رات جس سے وہ بہت پہلے سے خوف وہ تھا۔ سو چارہ رات کا کہ رات آئے کی تو وہ ایک گھر سے گا۔ ایک گھر سے ایک پر۔ اور اب یہ رات آگئی گی۔

سارے محاسبات ٹٹانے کے بعد وہ مجبور اپنے گھر میں چلا آیا۔

انسانیت سکول کراس نے وہ کتابیں نکالیں جو وہ مچا کر رکھا تھا۔ اس معاملے میں اس کا خوب دل تھا۔ مگر لیکن اس روز معاملہ مختلف تھا۔ وہ کتاب سکول کے پڑھ رہا تھا لیکن درحقیقت وہ کچھ بھی نہیں پڑھ رہا تھا۔ اسے ایک لفظ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اس نے کتاب بند کر کے ایک طرف رکھ دی۔ پھر وہ گھر کی ساس کے کچھ دہر سوچتا رہا۔ تو کچھ رات ہے۔ سوچا۔ اور ایک سال میں 365 راتیں ہوتی ہیں۔

اپنے کا میرا؟ اس کی عجیب کیفیت تھی۔ وہ بہت ناخوش تھا۔ کچھ سوچنے کے بعد اس کی بھی نہیں تھا وہ۔ مدد ہے کہ اس نے انتظار گھر کے بارے میں سوچنے کی کوشش کی مگر اس سے اس کے بارے میں کچھ نہیں ہو سکتا۔

اس نے اپنی ڈائری نکالی اور بڑی بے دلی سے قلم اٹھایا۔ اس نے دلی لکھ دیا۔ وہ لکھنے میں خود ہو گیا۔ اس ڈائری لکھنے کے مشکل کی کھائی بھی بڑی عجیب تھی۔ شہوت دینے کی عوار دہی ہوتے ہیں قلم کے نہیں۔ مگر

میں دلی کا ٹھیکہ الگ۔ اس نے بھی سوچا یہی نہیں تھا کہ وہ لکھنے کا۔

یاد تعلیم میں اس کا دم سب امان ڈائری لکھا تھا۔ یاد ڈائری لکھتے دیکھ کر ہیٹ اٹھتا تھا۔ یہ تم کیا لکھتے۔

یہ وہ ڈائری تھی؟ "اس نے امان سے پوچھا تھا۔ "بس پچی۔" امان نے اسے ہلنے کی کوشش کی۔

"اچھا کھانے کھاؤ۔" "اس کا کون سا کچھ؟"

"دیکھو اس کا کچھ اس میں کیا لکھتے ہو۔"

"یہ ڈائری ہے پتہ تنگ۔ اور ڈائری بڑی ذاتی چیز ہے۔ سو رہی۔ یہ میں نہیں نہیں دکھا سکتا۔"

"کیوں نہیں؟ میری بھینس میں تو نہیں پڑی۔ میں بس دیکھوں یہ باتوں کو کچھ اس میں کیا لکھتے ہو۔"

"میں تو کچھ نہیں بھنکارا ہوں۔" امان نے کہا۔ اس کی گراہت میں حضرت کی۔ "ڈائری میں آدھی وہ باتیں لکھتے ہیں جو وہ کسی سے نہیں کر سکتا۔ کسی سے بھی نہیں۔ جو جو امان وہ کسی سے نہیں سکتا۔ وہ کسی کو چھوڑا نہیں سکتا۔ اسی لیے ڈائری بڑی ذاتی چیز ہوتی ہے۔"

تو کر کے کچھ بھی لکھ گئی آئی۔ "میں تو نہیں بھنکا پایا تھا۔"

اس کی بات۔ "اس کی بات ہے۔ ڈائری ڈھکا دی۔ ایک طرف سے خود سے نکلتی۔"

"تو ان کچھ کر کیوں چلائے ہو؟ خود سے باتیں کرنا کر دے۔"

امان ہنسنے لگا۔ "یہ تا دم مجھے خود سے باتیں کرنے دیکھو گے تو کیا بھنکا۔"

خاکہ نے چندے فور کیا پھر بولا۔ "پاگل ہی کچھ لکھا ہوں۔"

"اس س لیے میں خود سے باتیں نہیں کر سکتا۔ وہ باتیں ڈائری میں لکھ لیتا ہوں۔"

"میری کچھ نہیں ایک بات تو نہیں آئی۔" خاکہ نے کہا۔ "امین کی باتیں میں ہوتی ہیں جو خوش کسی سے نہیں کر سکتا۔"

اس بار امان کو حیرت ہوئی۔ "کمال کرتے ہو۔ اسے آدھی سوچے والا جانو رہے۔ دماغ بہ رقت کا کرتا رہتا ہے۔ اس میں کیسے کچھ خیال آتے ہیں۔ اگر وہ کسی کے لیے تو وہ اسے براہمت برا لکھنے لگے۔ آدھی تمام باتیں کسی سے نہیں کر سکتا۔"

"اس نے سنا۔ مجھے دوست سے بھی نہیں؟"

امان نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں تمھارا بہت احسان دیتا ہوں۔ اور تم جانتے ہو کہ راز رکھنا میں جانتا ہوں۔ تم مجھے کسی ایک بات بتاؤ گے تو مجھ سے آگے کسی نہیں جائے گی۔"

"میں جانتا ہوں یہ بات۔" امان نے گہری سانس لے کر کہا۔ "مگر یہاں بہت باتیں ہیں تم سے بھی نہیں کر سکتا۔"

"بھروسا نہیں ہے مجھ پر۔" خاکہ نے کچھ سے کچھ لکھی۔ "یہ بات نہیں۔ پھر وہاں بہت سی باتیں لکھی ہیں۔"

ہوئی ہیں جو بڑی خود سے بھی کہ تو شرمندہ ہو جاتا ہے۔ میں وہ باتیں خود سے نہیں کر سکتا۔ تم سے کروں گا تو پھر کسی تم سے نفرت نہیں لگا سکتا۔ اس کا تمھارا سامنا کرنے سے گھبرائے لوں گا۔ شاید تمھیں چھوڑی نہیں۔"

"جب تو مجھ بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔" خاکہ نے جلدی سے کہا۔ "میں نہیں کھاتا نہیں چاہتا۔"

"چلو بات تمھاری کچھ نہیں تو آئی۔" امان بولا۔ "اب یہ بتاؤ کہ کیا تمھارے ساتھ کسی ہوتا ہوگا۔ تو کیا کر کے ہوتا؟"

"مجھے کبھی اس کی ضرورت نہیں پڑی۔ میرا کھانا کھانے تو براہمت کر کے کھال ہیں۔ میرے دل میں جو کچھ آتی ہے میں کسی سے بھی کہہ دیتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ مجھے کسی سے ڈر نہیں لگا۔"

امان نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ "انتا مت آکر۔ ابھی تم اس سے محفوظ ہو سکتے ہیں۔ یہ وقت ہر

انسان پر ہے۔“

”مجھ پر نہیں آئے گا۔“ فخر نے بڑے یقین سے کہا۔

اس کے بعد بھی برسوں گزرے۔ فخر کا یقین سلامت رہا۔ اس کی زندگی میں بھی کوئی پریشاں... خفیہ طور پر نہیں آیا۔

دوسرے دو صاحب اقتدار بھی اس کا بڑا دوست بن گئے۔ ان دونوں کا تعلیم

مغربی تھا۔ کرنائی کا دیکھتا تھا کہ وہ اور کتنا تعلیم کے

سطح پر ملتی چلا گیا تو وہ اکیلا رہ گیا۔ وہ ایسا تھا جس کی جس

کا اس نے بھی صورت پر نہیں کیا تھا۔ زندگی جیسے رنگ

بیک رنگ بننے کی اور وہ دیکھتا بھی ہرے نام تھا۔ وقت گزرتا

تھی نہیں تھا۔ جسے شام کا انتظار رہتا۔ شام رات کے خوف

شیر زبانی اور رات کی آوازوں میں کتنی۔ چندی دنوں میں

وہ اندر سے ہزاروں

سے حال دین چل دی گھر چلا جاتا تھا۔ وہ یہ بھی تھی کہ
تین دن آتی ہی نہیں تھی۔ یہ کہ اسے مطالعے کی طرف لگتی
مطالعے نے ڈائری کی اہمیت اور بڑھادی۔ اب تو قرآن
کچھ ایسا تھا جس پر وہ کسی سے بات نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ
ڈائری لکھنے کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا۔
ڈائری لکھنے کی افادیت تو وہ پہلے ہی سمجھ چکا تھا
ڈائری لکھنے کے بعد وہ بوجھ نہیں رہتا تھا۔ بلکہ
ہو جاتا تھا۔ مگر آج اس پر آ کر بیٹھا تھا تو سب سے پہلے
جس وقت وہ کمرے میں آ کر بیٹھا تھا تو سب سے پہلے
نے مطالعے کی کوشش کی مگر وہ اور کتاب سے محروم تھا۔ وہ
کے باوجود اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ دل لگی نہیں
رہا تھا چنانچہ اب ڈائری لکھنے کے بعد وہ بیکار ہو گیا
کتاب کا اعلانی اور سرسری مطالعہ پر اسے دیکھا تو وہی اس
دل کتاب میں نہ کیا۔ وہ خود ہی طور پر سوچا۔
جو کتابیں وہ دیکھتا تھا انہیں کسی مضمون کے اعتبار
بہت بھاری تھیں۔ شوق ہونے کے باوجود ایک حد سے زیادہ
مطالعہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس حد سے بڑھ کر مطالعہ کرنا تو سمجھ
کچھ نہ آتا۔ لگتا تھا خالی نظروں سے گزر رہا ہے۔ ایسے میں
سمجھ جاتا کہ مطالعہ چھوڑنے کا وقت آ گیا ہے۔ اب اسے
مطالعے سے کچھ خاص نہیں ہو سکے گا۔
اس وقت میں بھی بیکار ہو اور اس نے کتاب بند کر کے ایک
طرف رکھ دی۔
اس نے گہری سانس لی لے کر گھڑی میں وقت دیکھا۔ ابھی
سات آدھ سے نو بج رہی تھی اس کو اس کے پاس کرنے کو چاہی
رہا تھا۔ یہ رات اتنا دلچسپ اس کے سامنے نہ چھڑے گا۔
اور اس کے جانے کے بعد اسے نیند کی آبی ہو گئی۔
وہ کمرے سے بچتا ہے اگر اسے اچھے سے ادھر اور اُدھر
پر لٹتا رہے۔ یہاں تک کہ اسے کچھ آواز نہ آئے اس کو
کی نظر پر تو وہ پہلے ہی تنگ چکا تھا۔ ڈائری لکھنے اور مطالعے
کے بعد اس کی محنت تو ہوتی تھی۔ اور اب جسم کی تنگ کیا تھا۔
محنت کا خاضہ کار وہ لیت لیت جاتے۔ سو وہ لیت لیت کہ اس
کے بعد وہی کر دینا پڑے گا کہ پرانا معمول۔ کچھ دیر وہ کمرے
تار با اس وقت اتنا رگڑا ہے شہت سے یاد رہا تھا۔ کہ
اسے لپٹ کر لٹا تھا اس نے ہاتھ پچھلے اور چھپے اس
ہاتھ نے اندر کو پھینکا۔
اس نے چونک کر دیکھا۔ وہ اندر تنگ کا تنگ تھا مگر اس

[illegible]

کراس وقت اس نے ان پر بڑا شک کیا تھا۔
 ”مجھے صاف کر دیجیے مولوی صاحب! آپ جانیے... مگر
 جانیے آپ۔“ اس نے کہا۔
 ”چلا جاؤں گا۔ اب تین دن بعد اسکو کل راسے ہیں۔
 اس کے بعد یہ دیکھنا ہوگا کہ میں تمہیں کب وقت سکون کا“
 ”جی ہاں۔“
 ”تو اب یہ سمجھو کہ ایک ہفتے کی چھٹی اس کے بعد
 بڑا حالِ طاقت ہے کہ اس کے۔“
 ایک ہفتے کے لیے عربی پڑھنے کی چھٹی ایسا ادا سنگھ کے
 لیے تکلف و ہمت کی نکتہ اب وہ سمجھ سکتا کہ مولوی صاحب
 کو اسے پھڑکے ہوئے یہی نہیں کہ اس کے لیے کچھ وقت تو
 ملنا چاہیے۔ پھر اسے کوئی خیال آ گیا۔ وہ بھی تو بے تاب
 ہو رہا تھا۔ وہ دوا اور دو گھنٹے کے بعد۔
 ”مئی مولوی صاحب پیسا آپ مناسب سمجھیں... اس
 نے کہا۔ ”میں اسے دن پانچ سو دوا رہاں ہوں گا۔“
 مولوی صاحب چلے گئے۔
 اگلے چند گھنٹوں میں زندگی کے معمولات پھر سے جاری
 ہو گئے۔ رگھو بازار کا رسودا لایا۔ اتنی دیر میں رہنما نے کھرکی
 سنائی کر ڈالی۔ رگھو رسودا لے کر آیا اور دھونی میں جا گئی۔ تین
 گھنٹے بعد وہ دھونی میں لوٹ آگیا تھا۔ کھانا ہے تھے۔
 ادا سنگھ کی عجیب کیفیت تھی۔ وہ بہت سے مہینے بہت
 مضرب تھا۔ اس وقت اسے ذرا سکون کا خیال تھا۔ اس کو
 پڑھانی کا اور یہی اسے عربی کی پڑھانی کی گھر تھی۔ اس کے
 دماغ پر صرف کھانا سوار تھا۔ وہ ابھی وقت کر ڈالی کے لیے
 کافی پریشانی سے اور دس سال دین سے اور دھڑکی میں جا کر
 کرتا۔ اب اس کی یہ بات اس کی کت سے کچھ پہلے وہ
 کو بے تاب کیا۔
 رگھو ادا سنگھ آ کر سنائی کر گئی تھی۔ کرسیاں اس نے جما
 پانچ کھڑکے سے لکھ دی تھیں۔ اس کے کھانا پانی لے کر
 تھا جیسے وہ اسے چھوڑ کر گیا تھا۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس
 اس نے کتا میں ساتھ لائے کا تکلف بھی نہیں کیا۔
 وہ بیٹھ کر ادا سنگھ کو دیکھا۔ جاڑو تھا۔ بے تاب۔ کتا اور چوڑ
 سے دیکھتے ادا سنگھ کی دل چاہی نہیں تھی۔ وہ محض وقت
 گزار رہی تھی۔ چند منٹ میں وہ آ کر کتا کو ادا سنگھ کے
 در پہنچ کر وہ آواز سنائی نہیں دی جس کا انتظار وہ
 کر رہا تھا۔ پہلے تو وہ بھی سمجھتا رہا کہ وہ وقت سے کافی

تھی جب اس نے پہلی بار نیچے والی لڑکی کی آواز سنی تھی۔ یہ تو طے ہے کہ اسے نہ صرف اس آواز سے... بلکہ آواز والی سے بھی محبت ہو گئی تھی۔ تو اس محبت نے اسے بدل ڈالا تھا۔ اس کے مزاج اس کے معمولات تک کو بدل دیا تھا۔ واقعی محبت میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔

پھر اسے ایک اور خیال آیا۔ اگر وہ اوپر والے بھگوان سے محبت کرنے کے قابل ہو جائے تو وہ محبت یعنی دنیا کی سب سے بڑی محبت ہوگی۔ اس کے دل نے فوراً اس کی تائید کی۔ بے شک وہ اس محبت سے بہت بڑی ہوگی جو اسے اس آواز والی لڑکی سے ہے۔ اور اس لڑکی کی محبت میں وہ اتنا کچھ بھول گیا کہ اسے اپنی جتنی بھی یاد دہری تو اس محبت میں اس کا کیا ہوگا۔ کیا وہ سب کچھ بھول جائے گا؟ حتیٰ کہ خروکو بھی!

”بھائی! کب سے یہاں بیٹھے ہوئے ہو۔“ حسیں ہوش ہی نہیں۔ کب سے حسیں آواز دے رہا ہوں۔ تم ٹھیک تو ہو؟“ اس نے چونک کر وصال دین کو دیکھ جو میں اس کے سامنے کھڑا تھا۔ ”کیا کیا بات ہے دیرچی؟ کیا کہہ رہے ہو؟“ اس نے گڑبڑا کر کہا۔

”تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے بھائی؟“ وصال دین کے لہجے میں پریشانی تھی۔

”میں ٹھیک ہوں۔ مجھے کیا ہو گیا؟“

”اتنی آوازیں دین؟ تم نے نئی ہی نہیں۔ میں تمہارے سامنے کھڑا تھا اور تم مجھے دیکھ بھی نہیں رہے تھے۔“

اب ادھار سنگھ کو احساس ہوا کہ یہ بات وصال دین نے شروع میں ہی کہی تھی۔ لیکن یہ بھی سچ تھا کہ اس کی آواز سنائی نہیں دی تھی۔ اور بے شک وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ لیکن نظر اٹھا کر دیکھنے سے پہلے اسے احساس بھی نہیں تھا۔

شاید وہ اپنے آپ میں بہت زیادہ کھویا ہوا تھا۔

”اچھا! اب چلو۔ کھانا کھاؤ۔“ وصال دین نے کہا۔

”ٹھیک ہے چلتا ہوں۔“ ادھار سنگھ اٹھ کھڑا ہوا۔

سچ یہ ہے کہ اسے بھوک پانگھ نہیں تھی اور وہ یہاں سے جانا بھی نہیں چاہتا تھا۔ لیکن وہ کھانا نہیں کھاتا تو سب لوگ اور خاص طور پر دیرچی کو تشویش ہوتی اور تشویش ہوتی تو وہ اس کی وجوہات پر غور کرتے اور یہ ادھار سنگھ نہیں چاہتا تھا۔ وہ دونوں نیچے چلے آئے۔

11

دہلی آئے ہوئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا!

ادھار سنگھ کے لیے وہ بدترین محرومی کے سات سخت ترین دن تھے۔ ان سات دنوں میں نہ صرف یہ کہ وہ اس آواز کو سننے کی ہر امید کو بیٹھا تھا اور پوری طرح مایوس ہو چکا تھا۔ بلکہ ہر لمحے اس کا دل بدترین اندیشوں سے لرزتا رہتا تھا۔ کہیں اسے کچھ ہو نہیں گیا۔

وہ اس راز کو راز رکھنا چاہتا تھا۔ اس لیے پوچھ کچھ کرنے کی ہمت بھی نہیں ہوتی تھی۔ لیکن یہ معاملہ بہت سنگین اور اس کے لیے بہت اہم ہو گیا تھا۔ کہتے ہیں، جہاں چاہ ہے وہاں راہ ہے۔ پھر وہ تو تھا بھی بہت ذہین۔ اس نے ایک ترکیب سوچ لی۔

اس شام وہ چاندنی چوک گیا اور وہاں سے رس ملائیاں لایا۔ پھر اس نے رنجنا سے کہا۔ ”نیچے بھی دے آؤ۔“ ”جی چھوٹے ٹھاکر۔“

”سنو۔ ہر ایک کے لیے دو دو ہونی چاہئیں نا۔ تو تم ایسا کرو کہ دس رس ملائیاں قاب میں ڈال کر نیچے دے آؤ۔“ رنجنا نے چھ لمبے سو جا، حساب لگایا پھر بولی۔ ”دو کے حساب سے تو نیچے بارہ دینی ہوں گی چھوٹے ٹھاکر۔“

”وہ کیسے؟“ ادھار سنگھ نے مصیبت سے پوچھا۔

”وہ چھ ہیں سرکار۔ تین لڑکیاں، ایک ماں اور دو نوکر۔“

”اوہ... میں سمجھا تھا کہ آج کل کوئی ایک ان میں سے گھر میں نہیں ہے۔ شاید کہیں گیا ہو۔“

”نہیں چھوٹے ٹھاکر۔ سب لوگ موجود ہیں۔“

”چلو بارہ دے آؤ۔“ ادھار سنگھ کے لہجے میں اطمینان تھا۔ اس بات کی تصدیق ہو گئی تھی کہ کوئی گڑبڑ نہیں ہے۔ سب ٹھیک ہے۔

رنجنا نیچے چلی گئی۔ ادھار سنگھ سوچتا رہا۔ اس کا حوصلہ بڑھ گیا تھا۔ پہلی بار اسے احساس ہوا تھا کہ وہ بغیر کسی ترس و دہکے کسی بھی طرح کی پوچھ کچھ کر سکتا ہے۔ آخر وہ لوگ اس کے ملازم ہیں اور اس کے سامنے چون دھما نہیں کر سکتے۔ وہ تو اس سے ڈرتے ہیں۔ تو وہ ان سے کیوں ڈرے! اسے ذرا احتیاط سے کام لینا ہوگا۔

مگر تھوڑی ہی دیر میں وہ پھر خوف زدہ ہو گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی کو اس پر... اس کی محبت کے بارے میں سوہم سا شک ہو۔ ایسا ہوا تو ملازم جو اس سے ڈرتے ہیں، کہہ گے تو کچھ بھی نہیں۔ لیکن دل میں تو سوچیں گے اور اسے بھی گوارا نہیں تھا۔

دیالی کو آواز لرز رہی تھی۔

”اگر اس رنگہ دوہلی میں رہتا ہے۔ وہیں اسکل میں پڑتا ہے۔“

”خاکر کھانہ۔“ اس کی گری کی چلیوں میں گھرا تھا ہے۔

چنڈت رام دیال نازن نظر آئے لگا۔ ”میں سوچتا تھا کہ ان کی دہ ہوگی تو کھاک جاگ جائیں گے۔ پھر مجھے سمجھا

چاہے تھا کہ میرے ایسے بھگ کہاں۔ ٹھیک ہے خاکر کھی، چلتے ہیں۔“

”دوہنے لگا تو خاکر نے اس کا ہاتھ قہار کھٹایا۔“ اب

میں آپ کر اپنے تو تھیں جانے دوں گا۔“ اس نے کہا۔ ”یہ تو

تائیں آج کہاں سے آ رہے ہیں؟“

”بھاری سے۔“

”جتنی دور سے۔“ خاکر کے لیے میں سمجھت تھی۔ ”اتنا

کشتہ خاکر آپ میں آئے میرے پھر دوہنے لگا۔ اوسمیں

روکنا تو ایسے ہی دابھ چلے جاتے۔“

”خاکر کھی میں اس کی خاطر تو آیا ہوں آخری دور سے۔“

چنڈت رام دیال بولا۔ ”چاہے میں نہیں لکھا تو کیا کیا؟“

”میں چنڈت تھی۔ آپ دو چار دن یہاں نہیں۔ مجھے

خدمت کا موقع دیں۔ آپ ایسے نہیں جاسکتے۔“

خاکر کے لیے حاصر پر چنڈت رام دیال نے ایک

رات کو نکلے کی ہائی بھری گراس کے چرے سے صاف ظاہر تھا

کہ وہ کھن مرتض میں آ کر رہا ہوا ہے۔ ورنہ وہ نہ کہیں چاہتا

تھا۔ کچھ ہے کچھ تھا کہ چنڈت روپ ہائے نہ کا چارہ راقا اور

وہی اسے لگا رہا تھا۔

خاکر نے کہا۔ ”میں یہاں خانے میں ان کے شیرے کا بندوشت

کر دیا۔ رات بوجھن بھی اس نے ان کے ساتھ کیا۔“

”بھون کے بعد اس نے کہا۔“ میں چھ ہوتا رنگہ کے

بارے میں نہیں بتا سکتا۔“

”کیا بتاؤں؟ کیا بتا سکتا ہوں؟“ چنڈت رام دیال کے

لیجے میں ہے کسی بھی اور عاجزی تھی۔ ”میں تو خور کھتا

چاہتا ہوں۔“

”مگر مہاراج، اس کی کنڈلی دیکھ کر کچھ تو سمجھ میں آیا

ہوگا۔“ خاکر نے کہا۔

”بہت مشکل ہے۔ ایسی ہی کنڈلی تو کمان دیتی

ہیں مگر جیون میں ایک لنکی کنڈلی میں مل جائے تو بڑی بات

ہے۔ ج تو یہ ہے کہ میں نے ایک کنڈلی میں نہیں دیکھی۔“

چنڈت رام دیال عجیب کی کیفیت میں بول رہا تھا۔ ”میرے بے

شور چلے ہیں۔ میں روپ ہائے کہا تھا اچھا چلا انا

پر تو کنڈلی دیکھی تو مجھے تو اس پر کھک ہوئے لگے۔ کھک

کے کوئی کھٹی ہوتی ہے کنڈلی ہائے میں۔ یا پھر نہ کھک

تاریخ غلط ہے۔“

”بھیکس مہاراج، اس کے جنم کی تاریخ اور وقت

بھول ہی نہیں سکتا۔“ خاکر نے تھوڑے لمحے میں کہا۔

”میری آپ سے ایک جتنی ہے خاکر کھی۔“

”آپ کھ کر مہاراج۔“

”میں آپ کی اور چھوٹے خاکر کی۔ دونوں کی کنڈلی

چاہتا ہوں۔“ رام دیال نے کہا۔ ”تجس آپ کی جتنی کی بھی

”ضرور ہائیں۔ میں آپ بتاتا ہوں۔“ خاکر کے

بھرائی رنجیت کی اور اتار رنگہ کی تاریخ پیش اور وقت بتا

چنڈت رام دیال کنڈلیاں ہائے میں مصروف

روپ ہائے نوشن نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

رام دیال نے کہا۔ ”اگر وہ رنگہ کی کنڈلی بتائی۔ پھر اس

اپنے چھلے سے ایک اور کنڈلی نکالی اور اتار نہ کنڈلی سے

موازنہ کرنے لگا۔ اس کی آنکھوں کی چمک بھی جاتی رہی۔

پھر اس نے اسے اٹھا اور روپ ہائے کو کھائی نظروں

دیکھا۔ ”تمہاری کنڈلی میں رقی بھرق نہیں ہے۔“

اس کی چیخ بولنے لگی۔

”روپ ہائے میں بار سکر گیا۔“ بھجی سکا ہے آپ

رام دیال دوسری اور دوسری کنڈلی میں مصروف

وہ کنڈلیاں ہائے کے بعد اس نے اتار رنگہ کی کنڈلی

رنگی اور اسے بہت غور سے دیکھنے لگا۔ کھک تھا اسے دیکھا

کی بڑبڑائی۔

خاکر سے متوجہ نظروں سے دیکھنے جارہا تھا۔ اس

جسم میں سستی دور رہی۔ کھک تھا کچھ بھولنے والے

بڑے بھیا۔

پھر اجا چنڈت رام دیال نے کئی بار سر ہٹا

شرع کیا۔ اسے دیکھ کر کھک تھا کہ وہ اپنے اس میں نہیں

اور وہ کی کھن نہیں ہوتا لگتا تھا کہ وہ اپنے آپ سے

کر رہا ہے۔“ عجیب بہت عجیب۔“ وہ کہہ رہا تھا۔

کنڈلی میں راجنیلک ہے۔ اور بہت جتنی دلا اور راج

تو چھوٹے خاکر راج تو کر کے راجا تو نہیں کے

کنڈلی میں منت بھی ہوگی ہے۔ اور وہ بھی جتنی والا

ہو جاتی دت نہیں کہ یہ کوئی اچھوتی ہو۔ میں نے سیکڑوں جنم

میں اپنی دیکھی ہیں جن میں یہ دونوں ہوگے موجود تھے۔ پھر

ہوں کہ دونوں ہوگے ایک دوسرے کو تاکہ کر کے

میں نہ راجا رہتا ہے نہ کھک۔ میں عام ماشن بن کر رہ

تھا۔“ یوں ہوتا ہے کہ وہ نہ کارا جاتا ہے اور بھائی کا

یوں نہ کھک کہ دونوں ہوگے جتنی میں برابر ہوں تو ایک

کے کو مل کر دیتے ہیں۔ اگر راجنیلک کی 4 جتنی اور ہوا

ہوگی۔ ”تو راجنیلک کو اکثر ایک دے پکارا جاتا ہے۔“

”کنڈلی کھک کی کنڈلی میں راجنیلک کی جتنی جتنی ہے؟“

”راہ دیال نے پوچھا۔“

”رام دیال نے اسے یوں چونک کر دیکھا جیسے ایک ک

ہو کر کسی سے نہ خبر رہا ہو۔“ بہت ہے خاکر کھی بہت

کر کھت ہوگے جتنی کی جتنی ہے۔“ اس نے کہا۔

”میں خاکر کھی۔“ وہ نے دوسرے کو پکار دیا۔“ خاکر کھلا۔

”میں خاکر کھی۔“ وہ تو جاتا ہے کہ خاکر کھن کی

اور راجنیلک بھی ہیں۔ سہارا دے دے لگے۔“ جنھوں نے

کھنے کیے ہیں۔ یوں کہتا ہوں کہ دونوں کو پر اور راجنیلک

ہیں۔ دونوں اپنی اپنی جگہ کر رہے ہیں۔ میرے لیے

بہت بات ہے۔ میں نے ایسا کیا کھن دیکھا اور پھر کھن

کنڈلی میں نہیں ہوتی ہیں۔“

”مطلب کیا ہے۔“ مجھے تو بتائیں۔“ خاکر کے لیے

”میں خاکر کھی اور میرے جتنی بھی۔“

”بھونے خاکر راجا ہوں گے لیکن جیون نکلی کا

ہیں گے۔ اور روپ ہائے کا کہتا ہے۔ اس کنڈلی میں

تو زیادہ ہے کہ کچھ کھائی میں دتا۔“ کچھ نظر آئے لگے

جتنی اپنی پڑ جاتی ہے کہ کچھ عجیب ہے۔“

”تو آپ اس سے یاد نہیں بتائیں گے جو روپ ہائے

ہی تھا۔“ خاکر کے لیے میں پوچھتی تھی۔

”روپ ہائے میرا سب سے کہاں پڑتا ہے خاکر کھی۔“

”یوں نے فرمایے کہ میں کہا اور روپ ہائے کا سینہ چڑھا

”پھر تو میں آپ کو جو کچھ میں بتا ہوں، نکلیوں گے۔“

”خاکر کھی زندگی میں باخبر ہے کہ میں کی خطرے گے۔“

”میں کے اور چھوٹے خاکر کہاں جیون پائیں گے اور چھوٹے

ہیں کہ میں کے۔“ وہ راجنیلک کا پریم ہوگا۔ دونوں میں

کی ہوں گے۔ چھوٹے خاکر کے بھائی میں بدلی نہیں

کھان کا دیہانت اپنے پس میں نہیں ہوگا۔“

خاکر اسے یہ غور دیکھا کہ اتار۔ اس نے چنڈت کے

”کیسے بائیں کرتے ہیں آپ؟“ خاکر بھنچا گیا۔

”بھائی بھائی میں بدلی سفر ہے جس کی تو دیہانت بدلی

میں کہتا ہوں گے۔“

چنڈت رام دیال نے ہاتھ جوڑ دیے۔ ”خاکر چاہتا ہوں

خاکر کھی۔ جو کچھ راجا ہوں سمجھتا ہوں، وہاں بتا رہا ہوں۔ سمجھ

میں تو یہ بھی نہیں آتا۔ پھر تو کئی جیو بتائی ہے اور خاکر کھی

بڑے گیاں ہیں گے۔ دوپڑ بھی ہوں گے۔ پھر تو ان کا پریم

راہوہ رہا ہوگا۔“ وہ کہتے تھے۔ ”کچھ دھنے وہ منہ کنڈلی کی

دیکھا کہ راجنیلک اس میں اتار رہا ہے۔ پھر اس نے سر اٹھا کر بولا۔

”خاکر کھی، ہوتا ہے کہ کھن جیون میں بہت کھک تھا ہے۔

”رولت وولت شہرت ہے۔“ جب وہ مرتا ہے تو کیوں راکھ رہا جاتا

ہے۔ سب کچھ کھن۔“ چھوٹے خاکر کو جیون میں سب کچھ ملے گا۔

”رولت کھی عزت میں اور شہرت بھی۔“ وہ ہر چیز سے بھائیں

گے۔ پریم کی حالت میں ہر چیز کو کھک راجا ہے۔ اور جب

ان کا ہے آئے تو موت کی سب کچھ سہو کی۔ وہ

مرنے کے بعد بڑا مقام پائیں گے۔ ان کی بڑائی ان کے جینے

سے بڑھ کر ان کے مرنے میں ہوگی۔“

خاکر کو انکوٹے بننے کے لیے بائیں ہاتھ میں گراس گور

رہی تھی۔ اس کے چہرے پر دھڑکی ابھرائی اسے کمر سے یاد تھا۔

چنڈت رام دیال کے شرور میں اتار دیا خاکر چھوٹے خاکر کو

لہا جیون لے گا۔

”اب میں ڈرا آپ کی اور سورگ بائیں خاکر کھی کی کنڈلی

دیکھوں۔“ چنڈت نے حضرت خزانہ کے لیے میں کہا۔

”تمہاری کنڈلیاں کیوں دیکھنے ہیں مہاراج۔“ خاکر کھی تو

جا بگی اور میرا بھی کیا ہے۔“ خاکر نے اعتراض کیا۔

”تو اس کے لیے پاتا چا کی باجری کی کنڈلی دیکھی جاتی ہے۔“

چنڈت نے وضاحت کی۔ ”میں چھوٹے خاکر کی کنڈلی کو ان

دونوں کنڈلیوں سے سمجھوں گا تو پڑا کچھ کھن گا۔“

خاکر خاموش ہو گیا۔ چنڈت دونوں کنڈلیوں کو بہت غور

سے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے کے پورے راجا کا تھا کھک کھک

اجا کہ اس نے جہر جہر کی اور میری طرح چوٹا ہے۔

چہرے پر بے جتنی ہیں۔ اس نے سر اٹھا دیا ایک لمبے کو نظروں

اٹھا لی۔ کھرا رہی کھائیں۔“ شاہا چاہتا ہوں خاکر کھی پر تو

میں اور کھن کھن تاسکتا۔“

خاکر اسے یہ غور دیکھا کہ اتار۔ اس نے چنڈت کے

چہرے کے تاثر کی تبدیلی دیکھی تھی۔ اس نے جان لیا کہ کوئی بہت بڑی بات سامنے آئی ہے اور وہ بات ایسی ہے کہ پندرتانا نہیں جانتا۔۔۔ جب کہ وہ جانا جاتا تھا۔ ”سہاروا، آپ کو جانا ہوگا۔ میں نے تجھے راز بھرا دیا ہے۔“

پندرت نے ہاتھ جڑا دیے۔ ”کیسے کوئی بات نہیں شاکر کی جتانے کے قابل ہو۔“

”تاتنے کے قابل نہیں، تب ہی تائیں۔ میں اپنے پتر کے متعلق سب کچھ جانا جاتا ہوں۔“

”یہ بات چھوٹے شاکر کے متعلق نہیں۔ میرا خواہش کر ہی شاکر کی۔“

اس پر شاکر کو تھس اور ہلک اٹھا۔ یعنی اس کے بارے کے متعلق تھی۔ ”تو ضرور بتائیں میرا راز۔“

”میں شاید جانتا ہوں شاکر کی۔“ پندرت نے پھر ہاتھ

”آپ اتنا پیکیل رہے ہیں مہاراج؟“

پنڈت واضح طور پر ہنچکا ہوا تھا۔ جیسے یہ سوچ کر الجھ رہا ہو کہ کچھ لوے پاؤں میں۔ لیکن جس دو اسے کی تھا۔ اردو سس اسے آکسار ہاتھ کے جود مل رہے تھے۔ یہ کہہ دے کہ ہوا ترخمس جیت لیا۔ یہ غلام خانی کی آپ کی ہوا کر تھی کہ کنڈلی دیکھ کر میری ذہان سے مجھے ایک ایک بات بتائی ہے جو سنا آپ کو چاہئیں گے کہ وار میں آپ کو ہار نہیں کرنا چاہتا۔“

آپ نے چند سے چند سے ہوا پر لولا۔ ”میں جیتون دیا ہوں کہ آپ کو ہار نہ دیتا ہوں۔ آپ کو ہار دے گا۔“

آپ نے غار میں نہیں ہوا۔ آرد میری تو کم کی بات ہے۔ علم آپ کو ہار نہ دیتا ہوں۔ آپ کو ہار دے گا۔“

”وہ تو ٹھیک ہے۔ غلام خانی؟“

تھا۔ اردو پ سہائے پریشان نظر رہا تھا۔

”آپ پینڈا کر رہے ہیں مہاراج۔ آپ کو کچھ بھی کہہ سکتے ہیں۔ میں ہوا نہیں ماروں گا۔“

پنڈت ہنچکا۔ مگر پھر اس کے چہرے پر استحصال نظر آنے لگا۔ ”میں آپ سے ایک بات پوچھنا تھا کہ کیا؟“

”غور دو پوچھیں مہاراج؟“

”غور نے غلام آپ سے کیا ہے؟“

”غلام کے چہرے کا دکھ لیا گیا۔ لگا پنڈت نے اسے گولی مار کے۔ شہرت فیض وغسب سے وہ دردی اذرا غور نے اسے لگا کر کیا اسے کیا ہوا۔ آپ کو ہار دے گا۔ وہ لگا کہ وہ اس دے دے چکا ہے۔“

”کیا مطلب ہے آپ؟“

”اس نے خود ہوا پر

[illegible]

۱۱۱
۱۱۲
۱۱۳
۱۱۴
۱۱۵
۱۱۶
۱۱۷
۱۱۸
۱۱۹
۱۲۰
۱۲۱
۱۲۲
۱۲۳
۱۲۴
۱۲۵
۱۲۶
۱۲۷
۱۲۸
۱۲۹
۱۳۰
۱۳۱
۱۳۲
۱۳۳
۱۳۴
۱۳۵
۱۳۶
۱۳۷
۱۳۸
۱۳۹
۱۴۰
۱۴۱
۱۴۲
۱۴۳
۱۴۴
۱۴۵
۱۴۶
۱۴۷
۱۴۸
۱۴۹
۱۵۰
۱۵۱
۱۵۲
۱۵۳
۱۵۴
۱۵۵
۱۵۶
۱۵۷
۱۵۸
۱۵۹
۱۶۰
۱۶۱
۱۶۲
۱۶۳
۱۶۴
۱۶۵
۱۶۶
۱۶۷
۱۶۸
۱۶۹
۱۷۰
۱۷۱
۱۷۲
۱۷۳
۱۷۴
۱۷۵
۱۷۶
۱۷۷
۱۷۸
۱۷۹
۱۸۰
۱۸۱
۱۸۲
۱۸۳
۱۸۴
۱۸۵
۱۸۶
۱۸۷
۱۸۸
۱۸۹
۱۹۰
۱۹۱
۱۹۲
۱۹۳
۱۹۴
۱۹۵
۱۹۶
۱۹۷
۱۹۸
۱۹۹
۲۰۰
۲۰۱
۲۰۲
۲۰۳
۲۰۴
۲۰۵
۲۰۶
۲۰۷
۲۰۸
۲۰۹
۲۱۰
۲۱۱
۲۱۲
۲۱۳
۲۱۴
۲۱۵
۲۱۶
۲۱۷
۲۱۸
۲۱۹
۲۲۰
۲۲۱
۲۲۲
۲۲۳
۲۲۴
۲۲۵
۲۲۶
۲۲۷
۲۲۸
۲۲۹
۲۳۰
۲۳۱
۲۳۲
۲۳۳
۲۳۴
۲۳۵
۲۳۶
۲۳۷
۲۳۸
۲۳۹
۲۴۰
۲۴۱
۲۴۲
۲۴۳
۲۴۴
۲۴۵
۲۴۶
۲۴۷
۲۴۸
۲۴۹
۲۵۰
۲۵۱
۲۵۲
۲۵۳
۲۵۴
۲۵۵
۲۵۶
۲۵۷
۲۵۸
۲۵۹
۲۶۰
۲۶۱
۲۶۲
۲۶۳
۲۶۴
۲۶۵
۲۶۶
۲۶۷
۲۶۸
۲۶۹
۲۷۰
۲۷۱
۲۷۲
۲۷۳
۲۷۴
۲۷۵
۲۷۶
۲۷۷
۲۷۸
۲۷۹
۲۸۰
۲۸۱
۲۸۲
۲۸۳
۲۸۴
۲۸۵
۲۸۶
۲۸۷
۲۸۸
۲۸۹
۲۹۰
۲۹۱
۲۹۲
۲۹۳
۲۹۴
۲۹۵
۲۹۶
۲۹۷
۲۹۸
۲۹۹
۳۰۰
۳۰۱
۳۰۲
۳۰۳
۳۰۴
۳۰۵
۳۰۶
۳۰۷
۳۰۸
۳۰۹
۳۱۰
۳۱۱
۳۱۲
۳۱۳
۳۱۴
۳۱۵
۳۱۶
۳۱۷
۳۱۸
۳۱۹
۳۲۰
۳۲۱
۳۲۲
۳۲۳
۳۲۴
۳۲۵
۳۲۶
۳۲۷
۳۲۸
۳۲۹
۳۳۰
۳۳۱
۳۳۲
۳۳۳
۳۳۴
۳۳۵
۳۳۶
۳۳۷
۳۳۸
۳۳۹
۳۴۰
۳۴۱
۳۴۲
۳۴۳
۳۴۴
۳۴۵
۳۴۶
۳۴۷
۳۴۸
۳۴۹
۳۵۰
۳۵۱
۳۵۲
۳۵۳
۳۵۴
۳۵۵
۳۵۶
۳۵۷
۳۵۸
۳۵۹
۳۶۰
۳۶۱
۳۶۲
۳۶۳
۳۶۴
۳۶۵
۳۶۶
۳۶۷
۳۶۸
۳۶۹
۳۷۰
۳۷۱
۳۷۲
۳۷۳
۳۷۴
۳۷۵
۳۷۶
۳۷۷
۳۷۸
۳۷۹
۳۸۰
۳۸۱
۳۸۲
۳۸۳
۳۸۴
۳۸۵
۳۸۶
۳۸۷
۳۸۸
۳۸۹
۳۹۰
۳۹۱
۳۹۲
۳۹۳
۳۹۴
۳۹۵
۳۹۶
۳۹۷
۳۹۸
۳۹۹
۴۰۰
۴۰۱
۴۰۲
۴۰۳
۴۰۴
۴۰۵
۴۰۶
۴۰۷
۴۰۸
۴۰۹
۴۱۰
۴۱۱
۴۱۲
۴۱۳
۴۱۴
۴۱۵
۴۱۶
۴۱۷
۴۱۸
۴۱۹
۴۲۰
۴۲۱
۴۲۲
۴۲۳
۴۲۴
۴۲۵
۴۲۶
۴۲۷
۴۲۸
۴۲۹
۴۳۰
۴۳۱
۴۳۲
۴۳۳
۴۳۴
۴۳۵
۴۳۶
۴۳۷
۴۳۸
۴۳۹
۴۴۰
۴۴۱
۴۴۲
۴۴۳
۴۴۴
۴۴۵
۴۴۶
۴۴۷
۴۴۸
۴۴۹
۴۵۰
۴۵۱
۴۵۲
۴۵۳
۴۵۴
۴۵۵
۴۵۶
۴۵۷
۴۵۸
۴۵۹
۴۶۰
۴۶۱
۴۶۲
۴۶۳
۴۶۴
۴۶۵
۴۶۶
۴۶۷
۴۶۸
۴۶۹
۴۷۰
۴۷۱
۴۷۲
۴۷۳
۴۷۴
۴۷۵
۴۷۶
۴۷۷
۴۷۸
۴۷۹
۴۸۰
۴۸۱
۴۸۲
۴۸۳
۴۸۴
۴۸۵
۴۸۶
۴۸۷
۴۸۸
۴۸۹
۴۹۰
۴۹۱
۴۹۲
۴۹۳
۴۹۴
۴۹۵
۴۹۶
۴۹۷
۴۹۸
۴۹۹
۵۰۰
۵۰۱
۵۰۲
۵۰۳
۵۰۴
۵۰۵
۵۰۶
۵۰۷
۵۰۸
۵۰۹
۵۱۰
۵۱۱
۵۱۲
۵۱۳
۵۱۴
۵۱۵
۵۱۶
۵۱۷
۵۱۸
۵۱۹
۵۲۰
۵۲۱
۵۲۲
۵۲۳
۵۲۴
۵۲۵
۵۲۶
۵۲۷
۵۲۸
۵۲۹
۵۳۰
۵۳۱
۵۳۲
۵۳۳
۵۳۴
۵۳۵
۵۳۶
۵۳۷
۵۳۸
۵۳۹
۵۴۰
۵۴۱
۵۴۲
۵۴۳
۵۴۴
۵۴۵
۵۴۶
۵۴۷
۵۴۸
۵۴۹
۵۵۰
۵۵۱
۵۵۲
۵۵۳
۵۵۴
۵۵۵
۵۵۶
۵۵۷
۵۵۸
۵۵۹
۵۶۰
۵۶۱
۵۶۲
۵۶۳
۵۶۴
۵۶۵
۵۶۶
۵۶۷
۵۶۸
۵۶۹
۵۷۰
۵۷۱
۵۷۲
۵۷۳
۵۷۴
۵۷۵
۵۷۶
۵۷۷
۵۷۸
۵۷۹
۵۸۰
۵۸۱
۵۸۲
۵۸۳
۵۸۴
۵۸۵
۵۸۶
۵۸۷
۵۸۸
۵۸۹
۵۹۰
۵۹۱
۵۹۲
۵۹۳
۵۹۴
۵۹۵
۵۹۶
۵۹۷
۵۹۸
۵۹۹
۶۰۰
۶۰۱
۶۰۲
۶۰۳
۶۰۴
۶۰۵
۶۰۶
۶۰۷
۶۰۸
۶۰۹
۶۱۰
۶۱۱
۶۱۲
۶۱۳
۶۱۴
۶۱۵
۶۱۶
۶۱۷
۶۱۸
۶۱۹
۶۲۰
۶۲۱
۶۲۲

۱۰۸ از دیوانه ها

اکثریت ہندوؤں کی تھی اس وقت ہندوستان ایک تھا تو اب

گاہوں کا لڑکا تھا۔ مطالعہ اس کا وسیع تھا۔ وہ جانتا تھا کہ

کیوں ہو گئے۔

"اے سب سے پہلے جہن جہن اذہر گداؤ چلا! فتح سکھنے

چوٹ کی۔

"اور یہ ضروری ہے۔ ورنہ بعد میں کوئی نام کرنے والا

بھی نہیں ملتا۔" محمد نے پتہ لگا دیا۔

"بھائی! یہ سب سے پہلے جہن جہن اذہر گداؤ چلا! فتح سکھنے

رام کو پالنے میں مل کر کہا۔

"مسلمانوں نے بعد میں یہاں حکومت کی۔ مگر جہاں قوی

اور مذہبی شخصیت تو خیر نہیں بنی۔"

"مگر انوں کے معاملے میں غرض وہاں اور بھی اور بھی

انہری کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ یہ سب مسلمانوں میں تھا۔

اس لیے صدر سلامت رہے۔ سب کو پال جاتی کی آزادی تھی۔"

"کیا کیا کرتے ہو۔"

"رام کو پال تک کر بولا۔

"وہاں، غرض، وہی انہری، سب کی سب کی باتیں ہیں۔

موجود فرمائی تھیں۔"

"موجود فرمائی تھیں۔" محمدی نے بھی ہندوستان پر حکومت نہیں کی۔

کبھی ہندوستان کا حکمران نہیں رہا۔ اگر کے محمدی تاریخ بھی

یاد ہے؟

"ہاں یاد ہے۔ اور وہاں مذہب کے محمدی کی تاریخ بھی یاد

ہے۔ میں۔"

"رام کو پال اب بھی یاد تھا۔

"اور وہ مذہب وہاں مسلمان تھا۔ مسلمان کو ہونا

چاہیے۔ اس لیے وہ مذہب میں مسلمانوں کو بھی نہیں۔ بڑے بڑے

بزرگوں کے حجاز و حادہ ایسے نہ۔ وہ ہزاروں بڑی برداشت

نہیں کر سکتا تھا۔ پتہ تو بہت آگے کی بات ہے۔ اور میری

بات کی سچائی اس سے ثابت ہے۔ کہ کئی صدیوں تک مسلمان

حکومت کرتے رہے۔ لیکن آج بھی ہندوستان میں ہندو برادری

اکثریت میں ہیں۔"

"مگر وہ ہندوؤں کو مسلمان کرنا ان کے بس میں

نہیں تھا۔ مگر یہ تو تھا کہ اس دہائی میں کروڑوں مسلمان کہاں

سے آئے؟"

تیار کیا تھا۔ زندگی کا عذاب جس کی ان کی وہ مسلمان ہوئے۔

"عزت کی۔ میری کار کا وہ جہاں سب مسلمان بھائی بھائی

برتری ہے تو صرف اعمال کی۔ یہ اسلام کا کرنا ہے۔

لیے تو اسے پہلے سے نہیں روکا جاسکتا۔ تو بھائی، میں

رواداری اور مذہبی انہری کی بات یہی نہیں کہتا ہوں۔

"تمہارے خیال میں ہندوؤں میں یہ خوبیاں نہیں

ان کی حکومت ہوئی تو تم اپنی بچکانہ کونجیو گے؟"

"ہاں۔ کیا بات ہے۔ یہی ہے کہ پاکستان ضروری ہے۔

"میں نہیں سمجھتا کہ ایسی کوئی بات ہے۔ تم بات کر

دکھاؤ۔" محمدی نے اس کی بات کو مسترد کیا۔

"گارت کرنا ایک مسئلہ ہے۔" محمدی نے کہا۔ "پہلے

تحریک کو ناپ چلا رہے۔ ہندوؤں کے چارے ہیں۔"

"وہ تو تھیں ہندوؤں میں۔" رام کو پال نے کہا۔

"ہیں تو ہندو۔ اور ابھی تو ان کے پاس اقتدار کی

ہے۔ اقتدار کے گناہ کو تو نہیں کریں گے۔ وہ مسلمان

ذبح کرنا نہیں ہندوؤں کے لیے کاٹنے کا ہے۔ ہندو

اب تھا، مگر اب وہاں نہیں۔ اسے خون کی ندیاں بہا

گی۔ مسلمان اس نکلے میں ان کی خاطر پاکستان کا

کردہ ہے۔"

"بات تو سچ ہے۔" محمدی نے بارن سے دوسرے سے کہا۔

"بات تو سچ ہے۔" محمدی نے بارن سے دوسرے سے کہا۔

انہری بڑوں کو ان کے مسلمانوں سے تو تھیں۔

کی پڑ جائے۔ ہاتھ کہاں آتی۔"

"ہاں۔ یہ سچ ہے۔ میں جانتا ہوں کہ مسلمان حکمرانوں

کم زوری کے نتیجے میں انہری بڑوں کے بھانے ہیں۔

اور پورے ہندوستان پر قابض ہو گئے۔" محمدی نے کہا۔

یہ تو تھا کہ ان کم زور حکمرانوں کو پتا کہ ایک مضبوط

حکومت کو ان کے کم زور کی۔ جس میں جتنی

حکم ہے بات کرنا نہیں چاہتا۔"

"اسے نہیں۔ دوستوں میں یہ بھڑکے نہیں ہوتے۔"

اور انہری نے مخالفت کی۔ "لیکن، تو ایک علی گھنٹہ کی تاریخ

جانتے کے لیے تو نہیں کوہست۔"

"مجھے تو نہیں۔" رام نے تنک کر کہا۔

"اولم آں تم میں اس پر نہیں ہے۔ رام۔"

انہری نے ان کی کڑا سپرٹ۔ "مگر یہ تو بھلا۔" اور بات شروع تو

کسی نے کی تھی۔"

"اور کیا۔ یادوں کے سچ کوئی بات نہیں ڈال سکتی۔"

"مگر یہ تو نہیں۔" رام نے کہا۔

لیکن رام کو پال بدستور اکرنا ہوا تھا۔ پلا خرمو نے

ہر کسی اسے گلے لگایا۔

"اب مگر یہ تو۔" محمدی نے کہا۔

رام کو پال سرکایا۔ لیکن اس کی آنکھوں سے کینہ تو زری

نہیں تھی۔ اس کے نکلے سے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

انہری کے داغ میں اسے دیکھ رہے تھے۔

دوستوں کے اس کردہ میں اس کی بھی تھیں۔

بارن رچڑ کی بہن تھی۔ "بھائی، جو ایک دولت مند

ہندو گھرانے سے تھی۔ اور ابھی جو ایک پرستے تھے اور آزاد

ذلیل انسان بن کر رہے۔" محمدی نے کہا۔

تینوں لڑکیاں جس دھال میں ایک دوسرے سے بڑھ

چہ کر گئیں۔ "بھائی اور ہندوؤں کے اس کردہ میں اس

لیے تھیں وہاں اس کی بیٹا سے دوستی ہو گئی۔ اور بارن

رچڑ کی بہن تھی۔ تینوں بے حد حسین ہونے کے ساتھ ساتھ

دوستوں کے اس کردہ سے ملنے کے بعد انہری کے سوچ

کا مضبوط دستہ ہو گیا تھا۔ بہت جگہ جہاں نہیں جاتا تھا، اب

اس کے ہمراہ تھیں۔ اور انہری کے اس کردہ میں اس کے

جی اور بعض کی اصلاح۔ ان میں ایک نظریہ یہ تھا جو اس نے

صاحب بھی شامل ہو گئے جو اسے عربی پر ہمارے تھے۔ کسی

عجیب بات تھی کہ سائبر کا پڑاؤ اس نے بھی اس دہائی میں

شمار کیا۔

اماں، چاچا اور اماں دین کو وہ اس وقت سے دیکھ رہا تھا

جب اس نے ہوئی تھی نہیں سمجھا تھا۔ اس لیے وہ ہوتا تھا کہ

مسلمانوں کو بہت اچھی طرح سمجھے۔ ان کے مزاج سے

خوب واقف ہے۔ اور ان تینوں کے خوالے سے اس نے

مسلمانوں کے بارے میں ایک نظریہ قائم کیا تھا۔ وہ سمجھتا تھا

کہ مسلمان بہت سچے، بہت نرم ہیں۔ اور انہری کے سرگرم

ہوتے ہیں۔ وہ کہہ کے انہری کا دل ہوتے ہیں۔ اپنی بات

پر زور نہیں دیتے۔ اسرار انہری کرتے۔ بحث سے گریز کرتے

ہیں۔ بے حد مبالغہ وادار اور ایک ہوتے ہیں۔

اس نے مسلمانوں کو ایسا ہی دیکھا تھا۔ اماں سب کے

زیادہ مکمل کر بات کرتی تھیں۔ گھر بات کرتے کہ ایک

چپ بولتے۔ مگر ان بات کا مکمل طور پر دیتے۔ اور مگر کہیں

کر گھا کر کو پتا چل گیا تو وہ ان سب کو قسم کرا دیں گے۔ اس

کے بعد وہ لاکھ کر دے کہ کسی کرنا ان کے منہ سے ایک لفظ

بھی نہ نکلا۔ اور چاچا جمال دین اور میری دونوں ایک سے

تھے۔ پتا چل گیا کہ اس کی عزت کرتے۔ لیکن اس کے انداز کی

حاجت اور میری دوستی۔ چاچا اور میری بات ایک بات چلا کر

دونوں میں اختلاف کا اعتبار نہ کر تے تھے۔ ان کا عمومی

روئے یہ تھا کہ جو کہا جاتا، اس کے سامنے سر تسلیم کر دیتے۔

حالانکہ چاچا کی کار کوئی بات سمجھانے کا طریقہ ہے۔ حد سادہ

اور ہندوؤں میں تھا۔ اور انہری کے جی ہاتھ انہری نے

لوگوں کے گھوڑے کو نظر انداز کرنے کے بارے میں اسے کیسے

میرا انداز میں سمجھا تھا اور میری حد اس کا گھوڑا بنے۔ اسے

پٹنے پر بٹھا کر دلا ان میں دوڑتے تھے۔ اس روز انہری نے

اسے وفاداری کا سبق ایسے دل میں انداز میں سکھا دیا کہ وہ

آج تک نہیں بھولتا تھا۔ انہری نے کہا تھا۔ "بھائی، تم

چھوڑنے نہیں چھوڑنے گھر کہ کچھ نہیں جانتے کا دکھ بڑا ہوتا ہے۔

اتار کر کہہ لو اس کی ایک ایک بات۔ جی بھائی۔

چاچا نے کہا کہ میری جی جی کی بات کہ وہاں ہوتی ہے۔ اس کے

بھوت کرتے وقت اس کی اوقات ضرور دیکھنی چاہیے۔ اس کے

باوجود میری محبت ہو جائے تو محبت ضرور کر۔ لیکن جس وقت نہ

رہے جی بھائی بات اس پر بٹھا رہے ہوں۔ دو۔ کیوں کہ کچھ نہیں

جانتے کا دکھ بڑا ہوتا ہے۔

اس سے پہچانتا تھا کہ چاچا جی عقل والے ہیں۔ لیکن وہ

تھے۔ اپنی عقل کا اظہار کم ہی کرتے تھے۔ جمال دین

اور عقل مندی کا گمان کر بھی نہیں سکتا تھا۔ کبھی ایسی کوئی

اد
م

وں کے بارے میں اپنی رائے پر نظر ثانی کرنی پڑی۔ محمود

مشد بھی تھا اور سلجھے ہوئے ذہن کا مالک بھی۔ جس طرح

اور قابل رشک تھا۔

لیکن اس بحث نے ادما رشتہ کو الجھا بھی دیا تھا۔ اس کے

کے سیاسی منظر نامے سے وہ ناواقف ہے۔ یہ تو چمٹل

وہ کہ مسلمان ہندوستان میں اپنے لیے الگ خطہ زمین کا

ت ہونے والے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ اقلیت

نے کے باوجود مسلمانوں نے صدیوں ہندوستان پر

ان پر!

و تارنگہ نے اسی بات پر غور کیا تو وہ یہ ماننے پر مجبور ہو گیا
 کہ وہی معمولی بات نہیں۔ اتنا بھاری اکثریت براقت کا

کرنے کا ایک غیر معمولی بات تھی۔ یوں تو انگریز بھی اقلیت

لیکن ہندوستان کی تاریخ بتاتی تھی کہ مسلمانوں کے دور

۱۔ میں امن وامان تھا، خوش حالی تھی۔ لوگوں کو انصاف ملتا

تو ان کے لئے یہ ہے کہ حکومت میں طاقت تو تھی لیکن جبر نہیں

بکہ انگریز ہر جر حکومت کر رہے تھے۔ انھیں ایک بہت

رملک لیر بغاوت کا سامنا کرنا پڑا تھا جسے انھوں نے بڑی
 رے زحمت سے کچل دیا تھا۔ ادھر سنگھ کے خیال میں اسے

کہنا زیادتی تھی۔ ہندوستانی لوگ... کیا ہندو، کیا

وہ... بجا طور پر اسے خریب آزادی کہتے تھے۔
وہ... دھارنگہ کے لیے مسلمانوں کی کشش اور پڑھ گئی۔ ان

ہمیں ہوں گی تبھی تو انہوں نے اتنے طویل حرمے

ت کی پی۔ سیر شاہ سوری نے صرف پانچ سال میں اسی
ت کی تھیں۔ اور اتنی بڑی اور اہم اصلاحات کیں کہ

تھے۔ دونوں بچوں کو تعلیم کے لیے انھوں نے نئی تال بھجوا دیا تھا جہاں وہ پڑھتے تھے۔ وہ ایک بڑا کانفرنس اسکول تھا۔ وہاں اکثریت انگریزوں کی تھی۔ لیکن مسلمان اور ہندو بھی بہہ بہہ رہا تھا۔

رچرڈ اور ریٹا دونوں کو ہندوستان بہت پرکشش لگتا تھا۔ ہندوستان کی رنگارنگ ثقافت ان کے لیے مسکون تھی۔ انھیں یہاں کی زبان میں بھی شروع ہی سے دل چسپی تھی۔ یہ دل چسپی ہی کی بات تھی کہ انھوں نے ادھر ادھر سے سیکھ سیکھ کر اردو میں اچھی خاصی استعداد پائی تھی۔

اسکول میں عام طور پر انگریز بچوں کا رویہ ایسا تھا کہ وہ بس ایک دوسرے سے ہی تعلق رکھتے تھے۔ دیے بھی ان کی اکثریت تھی۔ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ ہندوستانی بچے سب سے الگ تھلگ، ایک دوسرے کے ساتھ رہتے تھے۔ مگر کچھ بچے ایسے بھی تھے جو فطرت کے اعتبار سے ٹھٹھلے ملنے والے تھے۔ وہ انگریز بچوں کی طرف پڑھتے تھے۔ مگر رچرڈ اور ریٹا کے سوا ان کی حوصلہ افزائی کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ رچرڈ اور ریٹا کے لیے اپنے ہم نسلوں سے بڑھ کر ان میں کشش تھی۔ اور ان سے وہ بہت کچھ سیکھتے تھے۔ ان کی معلومات میں اضافہ ہوتا تھا۔ پھر یہی نہیں، انھیں جب بھی موقع ملتا، وہ اسکول سے نکلنے اور مقامی لوگوں میں ٹھٹھلے ملتے۔ انھوں نے دیکھ لیا کہ مقامی لوگ بہت سادہ اور ہنسناک ہیں۔

دونوں بہن بھائیوں کو ہندوستان سے گہری دل چسپی تھی۔ وہ ہندوستان اور ہندوستانیوں کے بارے میں سوچتے تھے۔ ان کا مشاہدہ بھی بہت اچھا تھا۔ انھوں نے دیکھا تھا کہ چند انکاؤنٹر افراد کو چھوڑ کر ہندوستانیوں میں ایک اجتماعی احساس کمتری تھا۔ یہ فطری تھا۔ وہ باہر سے آنے والے اور خود سے ہر اعتبار سے مختلف انگریزوں کی رعایا تھے۔ کچھ انگریزوں کا حد سے بڑھا ہوا احساس برتری بھی ان کے احساس کمتری کو اور بڑھا دیتا تھا۔

بہر حال، رچرڈ اور ریٹا نے اسکول میں بھی خود کو اپنے ہم نسلوں تک محدود نہیں کیا۔ بلکہ انھوں نے ہندوستانیوں سے بھی دوستی کی۔

اسکول کی تعلیم مکمل ہوئی تو جیمز پارسن نے انھیں دہلی واپس بلانے کا فیصلہ کیا۔ حالاں کہ وہ نئی تال میں مزید پڑھ سکتے تھے۔ لیکن ایک تو وہ اور اثر بڑھاپے بچوں کو بہت زیادہ مس کرنے لگے تھے۔ اور دوسرے سیاسی صورت حال بہت تیزی

سے بدل رہی تھی۔ انگریزوں کا ہندوستان سے رخصت ہونا اب نوحہ دیوار تھا۔ جیمز پارسن کے بس میں ہوتا تو وہ انکی انگلیٹڈ واپس چلا جاتا۔ ایسے میں وہ کم از کم یہ تو کر سکتا تھا کہ اپنے بچوں کو اپنے پاس واپس بلا لے تاکہ انگلیٹڈ واپس کا فیصلہ ہونا کوئی پیچیدگی نہ ہو۔

دہلی واپس تھا۔ وہاں انگریزوں کی اپنی سوشل لائف تھی۔ اب بچے جوانی کی سرحد میں قدم رکھ چکے تھے۔ چنانچہ رچرڈ اور اثر بڑھاپے نے انھیں کلب لے جانا شروع کیا اور انھیں اس کے ہم نسلوں سے متعارف کرانے لگے۔ لیکن رچرڈ اور ریٹا کو کلب میں کوئی دل چسپی نہیں تھی۔

ریٹا بالخصوص پیدائشی رومینک تھی۔ اس کی جمالیاتی حس بڑی توانا تھی۔ وہ نازک طبع، نازک خیال اور آرتھمک تھی۔ وہ اتنی رومان پرست تھی کہ بچپن ہی سے اس نے اپنا ایک آرٹیزنل بننا رکھا تھا۔ اس کے خوابوں کا ایک شہزادہ تھا جس کی وہ راضی تھی۔

کلب میں لوگوں نے جس طرح اس کی پذیرائی کی، وہ اسے اچھا نہیں لگا۔ جلی طور پر ہر عورت بولہبوس لگا ہوں کو پہچان لیتی ہے۔ وہ تو پھر ایسی لڑکی تھی جسے مشرقیت اچھی لگتی تھی اور وہ رومان پسند بھی تھی۔ چنانچہ وہ کلب سے بے زار ہو گئی۔

کالج کا سلسلہ شروع ہوا تو وہ خوش تھی۔ کالج میں نئے دوست ہونے لگے، نئی دل چسپیاں ہونے لگی۔ اچھا وقت گزرے گا اور کون جانے...

لیکن ابتدا میں اسے بڑی مایوسی ہوئی۔ کالج میں ہندوستانیوں کی تعداد نسبتاً زیادہ تھی۔ مگر حیرت انگیز بات یہ تھی کہ نئی تال کے مقابلے میں یہاں ہندوستانیوں کا احساس کمتری بڑھا ہوا تھا اور جو لوگ اس سے محفوظ تھے وہ انگریزوں کو عاصف سمجھتے تھے۔ یہاں دوست بنانا زیادہ دشوار ہو گیا۔ ریٹا حیرت سے سوچتی، جذباتی اعتبار سے یہ کتنے غیر متوازن لوگ ہیں۔ یا تو احساس کمتری میں مبتلا ہوں گے... یا اپنے بددلی حکمرانوں کے ہر ہم نسل سے نفرت کریں گے جیسے وہ بھی اپنے ہم نسلوں کے ساتھ شریک استحصال ہو، جیسے وہ بھی ان کے جرم حکمرانی میں برابر کا شریک ہو۔

مگر پھر دیرے دیرے رچرڈ کے دوستوں کا ایک حلقہ بن گیا۔ اور اس حلقے میں ہر رنگ موجود تھا۔ قدرتی طور پر وہ ریٹا کا حلقہ بھی تھا۔ اس میں پشپا، نادرہ اور امرتا بھی تھیں اور محمود رام کوپال، اوتار سنگھ اور فتح سنگھ بھی تھے۔ پہلی بار وہ خوش ہوئی۔

اور جب پہلی بار اس نے اندازہ کر دیکھا تو اسے ایسا لگا کہ اس کے خوابوں کا شعرا و اداس کے سامنے ٹھہرا ہے۔ کہ اس نے پہلے نظر کے اس تاثر کو غفلت کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے نزدیک آدمی کی ظاہری شخصیت سے زیادہ اہم اس کی باطنی شخصیت اور اس کی باطنی شخصیت سے زیادہ اہم اس کی شخصیت ہے لیکن وقت اور اس کی شخصیت کے ساتھ ساتھ اس کی شخصیت کے بحر میں آنے لگتی تھی۔ اندازہ ظاہری طور پر جتنا خوب صورت تھا، باطنی طور پر اس سے زیادہ خوب صورت تھا۔ اس کی شخصیت غیر معمولی طور پر سوزناختی تھی۔ وہ بنیادی طور پر طالب علم تھا۔ زندگی کا طالب علم۔ عام کا چکر چلی ہو یا پیچھے اڑنا کوئی کچھ سمجھا نہ ہو یا درست، وہ یہ بات اس کی توجہ سے متنا کر لگتا مارتا کہ رہا ہے۔ جیسے براہِ فراموشی اس بات سے وہ بچ گیا رہا ہے۔ یہ سب حواجز جسے سبب ساز انکار اور جاحز اس کی تھیں۔ وہ درحقیقت نہیں جس بات درست تھا۔ اس کا بڑا اظہار وہ اس کے بھی سامنے کر سکتا تھا۔ خود اعتمادی کی اس میں کمی نہیں تھی۔ محروم بات نظر میں چھوٹا کر رہتا تھا۔ اس کی نگاہیں سرچرچی گاہیں تھیں اور سچی کی پادشاہوں کی اس میں شکیبائی کی پائیزی کی معصومیت اور جوتجوی وہ ایک طالب علم کی شخصیت تھیں۔ ایسا طالب علم جو سب کو اپنا لیتا جاتا تھا۔

کرم کا ایک بات تھی۔ دوستوں کے قلعے میں بھی وہ بہت ریزور ہوتا تھا۔ یہ بات زیادہ سے بے تکلف نہیں ہوتا تھا۔ یہ بات نہیں کر اس سے اس کے بارے میں بات کی جائے تو وہ اس سے بچے نہیں۔ اسے غار سے دوں کی بات کرتا تھا۔ اپنی دوستوں کے سامنے اسے وہ پرائیویسی کا بہت خیال رکھتا تھا۔ وہ کسی کی کئی زندگی کے بارے میں جس شخص نہیں کرتا تھا۔ اس کا جیسے خاصۃً قلمی تھا۔

رینا کو بھی نہیں چلا کہ وہ اس کی صحبت میں گزارا ہو گئی۔ وہ اسے مختلف نظر سے دیکھنے لگی۔ جب اسے اس بات کا احساس ہوا تو اس کو پریانی بھی نہیں ہوئی۔ وہ مغرب کی لڑکی تھی۔ اپنی زندگی کے فیصلہ کرنا، اپنی زندگی اپنی مرضی کے مطابق کرنا اس کا حق تھا۔ جس اہمیت اس بات کی تھی کہ اندازہ کر کے نزدیک بھی اس کی کوئی بات ہے یا نہیں۔ اس معاملے میں اسے پائی ہوئی بات اندازہ کر کے سب سے ایک طرح سے ملتا تھا۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ دوستوں کے اس کے نزدیک جن کی تعریف تھی ہی نہیں۔ وہ بہت خوش اخلاق تھا۔ مہذب تھا۔ اس کے اندر رکھا تھا۔ اس کی اس

[illegible]

نے وضاحت کی۔
 "اوہ، دیکھ گئے؟ چپے چپک کر کہا۔
 رام کو پاپل نے زمیندار کی ساسی کی۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ
 راجت سادے لوگ ہوں گے... یہ شہر گھر ہیں۔" کیوں
 (۱) بہتر ضرور آئے تھیں گے۔
 "پاپل کی قوت کیا ہے؟" محمود نے پوچھا۔
 "رات آتے ہی مجھے زبردستی بچے۔ پھر اس پینڈ میڈک!"
 (۲)۔
 "یو تو کہا پر دام ہے" ہارو کے لچے میں گھر موندی تھی۔
 "تو کیا؟ آج سحر اڑے ہے۔ کل کا کٹی جیٹی ہوئی۔
 جانی جا رہی ہے۔" دے دے نہ کیا۔
 "تو باا... میں رات نہیں راک سکتی۔" ہارو بولی۔
 "تو تارانی میں شرسٹ کی ایازت بھی آسانی ہے جسے ملے
 ہوگا کہ آواز دینا پسند نہیں ہیں۔"
 "لوگ آتے۔" ڈوفٹی نے سبک روڑ۔ "میں نے کہا۔
 "ہارو ٹھیک کہہ رہی ہے۔" محمود نے تائید کی۔ "میں بھی
 (۳) ہانا پاپا جوں کا۔"
 دے دے نے فورے اسے ڈولوں کو کیا۔ اسے اعزاز ہو گیا
 کی کہ محو قوت میں لپک نہیں ہوئی۔ "اوکے۔ یہ میرا وعدہ
 ہے کہ جب تم کہو گے، میں تم دونوں کو گاڑی میں بٹھا کر گھر
 پر لائے گا۔"
 "جب تو ٹھیک ہے" ہارو نے کہا۔
 رونا نے اوتار لگا کر کیا۔ "تم نے کچھ نہیں کہا۔ کیا بات
 آگے ہے؟"
 "ضرور آگے جس سے تو آواز آتی ہو۔" اوتار نے
 "اور اچھا کہ تو پوری رات بھی راک سکتا ہو۔"
 "جی ہاں، لیکن اوتار مرنے ہے۔ یہ کیا آواز ہے۔"
 "میں بھی آگے کی کہ تو رات دنوں کی۔"
 "میں تو بے ہو گیا۔ آج رات آٹھ بجے۔"
 (۴)۔
 ہارو نے آوازوں میں بہت پریشان تھی!
 پہلے تو اسانی صاف کی پر بھائی نے اس کا معمول تبدیل
 کرادیا۔ پھر چھوٹے ٹھکانے کا معمول بھی بدل گیا۔ اس نے
 ہر کام کو اپنے ہاتھ سے کرنا شروع کیا۔ شیشا چھوڑ دیا تھا۔
 اس نے اس پر حوصلہ۔ مگر کوئی جواب نہ ملا۔ پھر اتفاق
 چلائی جس نے چھٹی کی تو اسے بچا چلا کر چھوڑ کر بھائی پر

رہا ہے۔ یہی نہیں، وہ اپنے مولوی صاحب سے قرآن پاک کی
حالات بھی سنتا ہے۔
اس انکشاف نے جو ہرانو کے سامنے امکانات کی ایک
روش دنیا لا کر رکھی، خوشی کے سرزبانے باغ اس نظر آنے
لگے۔ اسے لگا کر جانے لگے... کچھ جونا کھر گئی اس سے
محبت کرنے لگا۔ ہوا اسی کی خاطر وہ عربی سکھ رہا ہے۔ اور
حالات سننے کے بعد گھر ملے تو لچل اسلام کی کا ہے۔
معلوم ہو لڑکی اس معاملے میں نہ کسی اور دار و مدار کی تھی نہ
کسی سے مشورہ ہے کسی نہیں۔ آپ ہی آپ سوچتی، انکار سے
لگائی اور خوش ہوتی، اور بے دلی ہر دے والی بات سے تو وہ اتنی
خوش ہوتی تھی کہ اس نے چھوٹے خاکر کی ویسے عمر ہی پر بھی
ممبر کر لیا تھا۔ بڑے کام کے لیے بڑی قربانی تھی دینی چڑنی
ہے۔ وہ ویسے تو وہ بہت چھوٹا تھا۔
لیکن اس کی سچ آواز، دھڑکا دھڑکا اس نے دیکھا کہ وصال
دین اکیلا اسکول جا رہا ہے۔ وہ پریشان ہوئی۔ کہیں چھوٹے
خاکر کی طبیعت تو خراب نہیں ہوئی؟ وہ بے چین رہی۔ چھٹی
کے وقت وہ پھر دروازے پر پہنچ گئی۔ وصال دین اسکول سے
اکیلا آیا داپس آ گیا تھا۔
اس مولوی صاحب کی بھتہ ہو گیا۔ جو ہرانو پر بیٹائی کی کوئی
حد نہیں تھی۔ لیکن وہ ہوا کی کھونٹا خاکر زیادہ ہی تیار ہے۔
لیکن اوپر یہ ظاہر سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ قاتل دلوں سے
رجتا بھی نہیں آتی تھی۔
وہ پہلا موقع تھا جو ہرانو نے ایک بڑے تک چھوٹے
خاکر کی ایک جھلک بھی نہیں دیکھی۔ اس خادم در بھائی کے
دوران آئی پنے کے بہانے سے بھی اوپر آدے میں سے چلی
آئی۔ اس نے سراخا کر دیکھا۔ اوپر کوٹھے پر چھوٹا خاکر اپنے
مولوی صاحب سے عربی پڑھ رہا تھا۔
جو ہرا کو لالہ نہیں جانتا تھا کہ وہاں سے ہے۔ لیکن وہ یہ
بھی نہیں جانتی تھی کہ کسی کو شہر ہو۔ چنانچہ وہ پائی کی راکش
چلی آئی۔ اسے یہ یقین ان تو سب کی کچھ جونا تھا کہ نہیں ہے۔
لیکن یہ انھیں راز راز کر رہا اسکول کیوں نہیں جا رہا ہے۔
اس روز در بھائی بھیجے آئی تو جو ہرانو ہر احتیاط بھول
بیٹھی۔ ”میں دن بعد آئی ہوں؟ کیا بات ہے؟“ اس نے
وہ چٹا ہے۔
”میں موقع نہیں ملا۔“
”سب خبر ہے؟“ جو ہرانو نے بتائی ہے تو چھان:

”ہاں... سب ٹھیک ہے۔“

اس نے زیادہ کہنے کا موقع نہیں تھا۔ رہنما بیڑا کرمان سے بات کر رہی اور حور بانو نے تاب کی اجازت سے اُدھر بھر کر رہی۔ رہنما جانے لگی تو حور بانو اس کے پیچھے برآمد ہوئے کہ آئی۔ ”جنا... تمہارے چھوٹے خاکر نے پھر چنا چھوڑ دیا ہے کیا؟“ اس نے بے حد سرسری انداز میں پوچھا۔ لیکن اسے احساس تھا کہ بات سرسری نہیں ہے۔

”رہنما تم بری طرح چنگی بھر رہی۔“ لورائیں نے توڑنے سے کہا۔ چھوٹے خاکر کی بات سے ہر طرف ہنسنے پڑی۔

”تو گھر میں ہی رہنے ہیں؟“ اس کو لڑکھڑکاتے ہوئے ”نہیں... تو روز روز جاتے ہیں۔“ ”جنا... کہا۔ بھر بہت غور سے اسے دیکھا۔ ”پڑنے سے کیسے سوچ لیا؟“

حور بانو چڑی ہوئی۔ گلاب پیچھے کی نہیں ہٹ سکتی۔ ”آا کیا میں کہہ رہے تھے کہ اب رصال دین اسکول اکیلا جاتا ہے۔“

”ارے ہاں... وہ چھوٹے خاکر تو پاس ہو گئے نا۔“ اچانک رہنما کو خیال آیا۔ ”اب وہ اسکول نہیں... وہ کیا کہتے ہیں۔“ ماسٹر کی تیار ہوئے تھے۔ ”ہاں! کاغذ اب چھوٹے خاکر کا بن جاتے ہیں۔“

”ہائے لٹھا۔“ حور بانو نے بے ساختہ سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”ہم تو آا کہ حمایاں کے سوا کسی کے سامنے نہیں آتا۔“

”وہاں تو گھر پر لڑکایں بھی ہوتی ہیں۔ پر میری کچھ میں نہیں آتا۔“ چھوٹے خاکر ڈرامہ دے جاتے ہیں اور ہانسی کا کچھ ہناتیں۔ ”کسی جلدی ہی آ جاتے ہیں۔ لیکن زیادہ تر دیہی ہوتی ہے۔“

”میں تو شام میں ہوتا ہے۔ پھر واپس آ جاتا ہے۔“ چھوٹے خاکر نے رجتے ہوئے کہا۔ ”وہاں تو کھانے کے گھر سے کچھ خاکر اسے میری تو کچھ میں نہیں آتا کہ اتنا بڑے کی کیا ضرورت ہے۔ اپنی زینت داری ہی سہی کھانی ہے نا انیس۔“

”اچھا۔ اب میں جاتی ہوں۔“

رہنما چلی گئی۔ حور بانو تک بھٹائی وہیں ٹھہری رہی۔

ایک مسئلہ یہ بھی ہو گیا تھا۔ یعنی اب وہ چھوٹے خاکر کا آتے دیکھنے کی کوشش تو کر سکتی تھی۔ لیکن دوسری پہلی ہوئی۔ کاغذ میں لڑکے لڑکایں ساتھ بڑھتے تھے۔

”یہ بات اس کے دل کا بوجھ نہیں تھی۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ اس پر تو کسی کی سامنے ہانکے کرے۔ خود ہی سوچنے سے تو ابھیں اور بڑھ جاتی تھیں۔“

اس کے دو اسے موقع مل گیا۔ استانی کی پردے کی انہی کے متعلق ایک حدیث شریف پر مبنی تھی۔

”مگر استانی ہی میں نے تو سنا ہے کہ کاغذ میں لڑکے لڑکایں ایک ساتھ ہی رہتے ہیں۔“ اس نے بات نکالی۔

”ہاں، پر اگر بڑوں کی لائی ہوئی لغت ہے۔“ ”مگر میں نے سنا ہے کہ۔“ ”اب ہندوؤں کے ہاں تو پردہ ہے کہ وہ بھی انھیں بند کر کے ان بڑوں کے پیچھے چلے جائے۔ یہ تو بے خیالی ہے۔ میں نے تو سنا ہے کہ کاغذ میں لڑکایں پڑھ کر کھاتی ہیں۔“

”اگر بڑوں نے ڈال کر کھوتی ہیں۔“ استانی کی یہ بات آگ بھٹک کر پھڑک کر دوڑی۔ ”مگر استانی کی سنا ہے کہ بچوں میں مسلمان لڑکے پڑھتی ہیں۔“ حور بانو نے کہا۔

”جو کچھ مسلمان ہیں جو اگر بڑوں کے نوای بڑھتے ہیں۔“ استانی کی یہ بات کر بولیں۔ ”ان کی اولاد میں ایسے کا بچوں میں پڑھتی ہوں گی۔ وہ کم بخت اپنی بچکان کو بیٹھے۔ بس کچھ پڑھنے کے مسلمان دیکھے ہیں۔“

”بھریکھی استانی کی ہیں تو وہ مسلمان ہی۔“

”ہاں، یہ تو ہے۔“ استانی نے سرد آہ بھر کے کہا۔ پھر ان کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ ”صحبت کا اثر تو ہے۔“

”خیر تو ہے کہ اگر خیر ہو رنگ چلائے۔“ اس کی بات مسلمان پاکستان ملاحے ہیں۔ وہاں پوری آبادی سے اپنے طریقے سے زندگی گزار سکیں۔ کسی کی خطائی کر لیں۔“

استانی نے بات کر کے حور بانو پریشان ہو گئی۔ کاغذ اس کے دل کو وہاں دوسری بات لگا۔ اگلی صبح وہ صال دین کے جانے کے بعد روزانہ منظر لاتی رہی۔ بلا فراس نے چھوٹے خاکر کو اپنے دل پر وہ اگر بڑوں کی طرح چھوٹے ہوئے تھا اور بہت اچھا لگتا تھا۔ اسے دیکھ کر احساس بھی ہوا کہ وہ اور بڑا ہوا ہے۔

چند روز میں یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اسے کاغذ سے آتے لڑکے مشکل سے اس کی دیکھنے کی دقت ہی نہیں تھا۔

اب رات کے وقت حور بانو نے اس کے لپٹی تو تصور کیا کہ اس کاغذ پر آتا۔ مگر اس کاغذ میں اس نے نہیں دیکھا تھا۔ کاغذ میں وہ ایک ہی نظر نہ تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ

ہل چھوٹے خاکر کے سوا کوئی لڑکھیں نہیں ہے اور وہ اسے بھارتی دھات کی لڑکیوں میں بھرا نظر آتا۔ لڑکایں جو جب دھڑکی

پہننے ہوئیں اور چھوٹے خاکر کا ہاتھ تھامنے کی کوشش کریں۔ وہ ہنس پڑیں۔

لیکن کھڑے ہوتے جب وہ سوچتی تو خوف زدہ وہ ہوتی۔ وہ سوچتی کہ چھوٹا خاکر کتنا ہی اچھا ہے تو انسان۔

کب تک ان لڑکیوں سے بچے گا۔ جب کہ وہ لڑکیوں تو ہیں اس بے جا اور بوجھدار لڑکیوں میں ایک ہے۔ کئی دن لڑکی اسے کھاتی لگی۔ اور پھر ہوسکا ہے کہ خود کو ایک کچھڑا کر دوسری اور دوسری کچھڑا دوسری کے پکر میں بڑھ جائے۔

اور اسے ہل سے ڈال کر کھوتی ہیں۔“ استانی کی یہ بات اس آخری بات پر اسے خود بھی ہنسی آئی۔ لکھوت نہ پاس اور بھلا ہے۔“

اس سوج کے بعد وہ اس فکر میں لگ گئی کہ کس طرح بھرت کرتی ہے۔ اس نے تو اس کی ایک جھلک بھی کسی نہیں دیکھی تھی۔

”وہ تو اسے جانتا بھی نہیں۔“ اسے متاقلے میں وہ تو کبھی سے ہی چپک اور اس کا یہ نہیں۔ اس متاقلے میں وہ تو کبھی سے ہی چپک اس سوج کے بعد وہ اس فکر میں لگ گئی کہ کس طرح بھرتے خاکر کے سامنے آ جائے۔ وہ اسے دیکھ لے۔ تب

طاہر وہ اس سے جانتا لڑکیوں کے محفوظ رہ سکے۔

برادر راست چھوٹے خاکر کے سامنے جانے کا تو وہ تصور ہی نہیں کر سکتی تھی۔

”وہاں تو ایک ہی جگہ تھا۔“ اس نے کہا۔ ”وہاں تو ایک ہی جگہ تھا۔“ اس نے کہا۔

اس نے اس کا اہتمام کر لیا۔

خاکر آ کر وہاں جا بھی گیا۔ اس دوران جب وہ گھر میں تھی۔ خوش قسمتی سے چھوٹا خاکر اس کو دیکھنے سے جلدی آ گیا۔

وہ نہ خود اپنا ہونے جانے لگتی تھی۔ اور خوش قسمتی سے اس وقت وہ ڈیڑی میں آئی تھی۔ لیکن سوچتی ہوئی کڑی شایہ چھوٹا خاکر اوپر جا چکا ہو گا۔

آتے ہوئے چھوٹے خاکر کی پہلی جھلک دیکھی تو حور بانو کا دل سینے میں لڑاں دھڑکا۔ اچھے پسلیں تو ذکر بار کھل آئے گا۔ اور سناں اس کی تیر ہوئیں کہ ان کے شور سے اسے خود بھی گھبراہٹ ہوئے تھے۔

”اس کا کام لیں تو لڑکیوں میں کچھوٹا خاکر آئے۔“

”اس کا کام لیں تو لڑکیوں میں کچھوٹا خاکر آئے۔“

”اس کا کام لیں تو لڑکیوں میں کچھوٹا خاکر آئے۔“

”اس کا کام لیں تو لڑکیوں میں کچھوٹا خاکر آئے۔“

”اس کا کام لیں تو لڑکیوں میں کچھوٹا خاکر آئے۔“

”اس کا کام لیں تو لڑکیوں میں کچھوٹا خاکر آئے۔“

”اس کا کام لیں تو لڑکیوں میں کچھوٹا خاکر آئے۔“

”اس کا کام لیں تو لڑکیوں میں کچھوٹا خاکر آئے۔“

”اس کا کام لیں تو لڑکیوں میں کچھوٹا خاکر آئے۔“

”اس کا کام لیں تو لڑکیوں میں کچھوٹا خاکر آئے۔“

میں ہی اس نے خود پر قابو پا لیا تھا اور نظر چمکا لی کسی معصوم بچی
میں جاتی تھی کہ وہ نظر بھر کر دیکھ لیتا تو بھی اسے تو دیکھ لیتا۔
باہر سے بھی اسے ازار نہ انداز دیتا۔ ہر درمیان میں چلنے والے بچے میں
چھوٹے ٹھکانے کو سرخ رنگ سے لکھ کر کھانا نظر آ سکتا تھا۔
اس رات وہ بستر پر لیٹی تھی کچھ سوچ رہی تھی۔ وہ منظر
اس کے قصور میں بار بار آتا۔ بار بار وہ سوچ رہی تھی کہ باغیچہ میں
اسی طرح نظر آتا تھا۔ اور وہ اسے ٹھکانے پر نظر چمکا لیتا۔ باغیچہ میں
کے ذہن میں روشنی کا چمکا چمکا ہوا۔ اسے... یہ تو اس نے
سوچا ہی نہیں۔ یہ چھوٹے ٹھکانے کی شرافت کا ثبوت ہے۔
وہ سوچ رہی تھی کہ والدہ آ رہی ہے۔ اس روئے سے اندازہ نہ لگایا
جاسکتا ہے کہ کھانے کا کون سا طرح پر ہوتا ہوگا۔ کھانا ہونے کے
دل کا ایک ایک لمحہ سن سکتا ہوگا۔

لیکن محبت میں خطرے کا احساس بہت توانا ہوتا ہے۔ اس
 کا سکون محض وقتی تھا۔ بعد میں اس نے مختلف اعداد میں سوچا تو
 بے سکون ہو گیا۔ وہ تو چلن کے پیچھے تھی۔ چوڑے ٹھاکر نے
 آخری نظریہ قرار پایا۔ لیکن کالج میں تو بے چارے لڑکیاں دھڑے
 اس کے سامنے آ جاتی ہوں گی۔ جب تو نظر چلتے تھے جیسے بڑی
 جانی ہوگی۔ اور پھر یہ معمول ہوتا کہ کوئی بردہت... بار بار
 نظریں جھکا کرے گا۔ نہیں... نہیں... لیکن نہیں۔

کچھ بھی ہو، خود ہار ہونے پر تسلیم کر لیا کہ اس کے پاس اس کوئی ذرا نہیں۔ وہ کچھ بھی کرے، یہ تسلیم چھوٹے خدا کے سامنے نہیں آسکے گی۔ اور اسے ایک اور خیال آیا۔ اس نے وجد کی درجہ چائی کہ ساتھ اس پر سوچا۔ یہ حقیقت تھی۔ بہت بڑی چائی تھی کہ اس صفت پر اس کو کوئی اختیار نہیں تھا۔ یہ اس نے کبھی نہیں محسوس کیا۔ اسے خود بہ خود ہوئی تھی۔ اس میں اس کے ارادے کا کوئی اثر نہیں تھا۔ تو یہ صفت اللہ نے اس کے دل میں ڈالی تھی۔

ہاں اسے یہ سوچ کر منتر مہنگی ہوئی کہ چھوٹے نے خاکہ کر کے سامنے
 کی ایک خود کو دکھانے کی کوشش اس کی اپنی جیسی اور بلا وارد تھی۔
 یہ نہیں اس کا ارادہ اور اس کی کوشش اللہ کے حکم سے مضام
 ی۔ اسے ایسا نہیں کرتا جاوے اور وہ خود کو چھوٹے خاکہ کو
 دکھاوے، جب بھی اس بات کی ضمانت نہیں کہ چھوٹا خاکہ کالج
 لے لے پردہ لایوں کے شر سے محفوظ رہے گا۔ یہ حیات قوی
 سے لے سکتے جس سے اس کے دل میں چھوٹے خاکہ کا کرامت

اس سوچ کے بعد بس یہ ہوا کہ وہ کئی دن تک اللہ سے توبہ
 رتی رہی۔ پھر اہل علم کے دل کو سکون ہو گیا۔ جس نے اس کے

نہی۔ ایک کے گروہ موم قیام روشن کر دی گئیں۔
 رہنا ہے ایک کا۔ سب نے اسے مبارک باد دی
 تھے پیش کیے۔ ایک کاٹنے اور اس سے منہنے کے بعد
 کوٹنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ ایک دوسرے کے حقوں پر
 (جست کیے گئے۔

”اورے واہ۔۔۔ رام نے تاج محل کا ڈیل دیا ہے۔“
 بولی۔
 رام کو پال کا چہرہ چھتا تھا۔
 ”اوہ۔۔۔ بس یہی فیصلہ!“ رونا نے مسکرت ہو کر کہا۔
 ”ایڈلڈ! آنا مکمل آف تو۔“ اس نے توجہ دے دیا۔
 رام کو پال کی طرح کھیرا ہوا تھا۔ ”میری سچھ میں نہیں
 تھا کہ کیا کروں۔“ وہ بولا۔ ”اور یہ مجھے بہت خوب
 لگتا ہے۔“

"اے دفائی کیوں چین کر رہے ہو جیسے تم نے کوئی جرم کیا ہے۔" محمود نے کہا۔
 "مجھ تو یہ بہت اچھا لگا ہے۔" وہ بتاوا۔
 رام کو بال کے چہرے پر رنج دزد لگا۔ خود کھانے کے بعد
 جگہ اس کے سونے کی ساس لیٹی تھی۔
 وہ اس کے بعد اپنی رائے کی دوسری داخل ہوئی۔ ٹھنڈے
 مٹی میں کھینچنے کی ٹیبل اور رام کا میز پر رکھ دیا اور باور
 لگا کیا جب رچڑھ ہو گئی اس کے سامنے اور ہاتھ میں کھینچنے کی

ملیہ زبیر ظفر، آج کی خوب صورت شہامی یونیورسٹی کے پروفیسر اور ریٹائرڈ جج ہیں۔ ان کا شمار پاکستان کے ججوں میں ہوتا ہے۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کی زندگی کا ہر لمحہ عدالت کی جگہ پر گزرا ہے۔ ان کی زندگی کا ہر لمحہ عدالت کی جگہ پر گزرا ہے۔ ان کی زندگی کا ہر لمحہ عدالت کی جگہ پر گزرا ہے۔

وہ ہاتھ تالیاں بجانے لگے۔ وہ منظر میں خوب صورت لگا تھا۔

رجدو جام بھرنے میں مصروف ہو گیا۔ پھر اس نے پتہ ہام کے رشتہ کو پیش کیا۔ "ناؤ کم آن... ایوری باڈی"۔ اس نے دعوت دی۔

ایسا ہوا کہ اس کے لیے جئے والوں میں تارہ، محمود،

گلدہا ہے۔" اوتار نگہ نے جلدی سے کہا "جیسی تار لہر خیال
بہت قائمہ مند توتا ہے۔ اس سے تاج بڑھتا ہے۔ رچڑ
پلیڑ۔ باقی بات جاری رکھو۔"

رام کو پال سٹائے کی نیکیٹ میں تھا۔ اس کا شرپہ کچھ کم
ہو گیا تھا۔ اسے احساس ہوا تھا کہ شے میں اس سے بہت بڑی
غلیظی سرزد ہو گئی ہے۔ اس نے آٹا کی چوچیر بڑھا دیا۔

"جینک یو اوتار نگہ! اسے شک ہے کہ جیسی تار لہر خیال ہے۔"
رچڑ نے کہا۔ مگر وہ اس کو پال کی طرف مڑا "ہم۔۔۔ ہم۔۔۔ اپنے
دیوی و دیوتا کی درست بات کر سکتے ہو؟"

رام کو پال منہ ٹھٹھو لے کر اٹھا۔ اسے کچھ سوچ نہیں رہا
تھا۔ وہ خود کو بھی لگتا تھا جتنا تھا۔ لیکن رچڑ سے ایچہ بیٹھا تھا۔
"نہیں معلوم۔۔۔ ہمیں کبھی نہیں معلوم۔۔۔ میرا خیال ہے، ان
کی تعداد ہزاروں کی تو ہوگی۔۔۔ کب شاید لاکھ سے اوپر ہو۔ تو
تھما وے دھرم میں کچھ تو ہے۔ دھرم پچھڑا دیوی اوتار کی تمام
دیوی و دیوتا ہوں گی جو چارنا توڑ دیوی و دیوتا کی پوجا کرتے ہیں۔ کب سے
ہم بھی معلوم نہیں ہوں گے ہر چار نوکر۔۔۔ ہر پنج کو تم نے دیوتا
بناد رکھا ہے۔ گائے، بندر، باگھی، سورج، چاند، درخت اور نہ
جانے کیا کیا۔ اگر تم نے تمام دیوی و دیوتا کی پوجا کرتے ہو۔
تو زندگی میں پوجا کے سوا کچھ کر ہی نہ سکو گدگی اور حفاظت کا یہ
عالم ہے کہ گائے کو برا اور شیشاب کو تم مقدس کہتے ہو۔ میں
کہتا ہوں کہ یہ جیسے ہوئے۔ میرا شباب کی شہریت کرے ہو۔
اور جہات کا یہ عالم ہے کہ دیوی و دیوتا کو ان کے شہر کی لاش کے
ساتھ زندہ جاوید ہے۔ ہو علم کے فروغ کی اس مددی میں تم اس
جہات کو دھرم کہتے ہو۔ اس دور میں بھی لوگ زندہ انسانوں کو
دیوی و دیوتا کی پوجا کرتے ہیں۔ ہنڈھ چڑھا دیتے ہو۔ تم مائے گائے کی لاش کے
طرح ہی ہے۔ ہو اور تمہیں درست اور نلکا کا احساس بھی نہیں۔"

رچڑ خاموش ہو گیا۔ دیر تک خاموش رہی۔ کوئی کچھ نہیں
بولتا۔ اوتار نگہ کو رچڑ تھا۔۔۔ جگہ گہرے رچڑ نے کہا تھا۔ وہی سب
کچھ وہ سوچتا رہا۔ قذاب اور رچڑ نے کہا کہ یہ تار اور کس کے پاس
اس کا جواب نہیں تھا۔

اور یہاں اس کے سامنے دو دروازے آئے تھے۔۔۔ دو مختلف
طرحوں کے رچڑ کے کچھ نہیں تھا۔ اس نے اعتراض کیا کہ اس کا
ذہب شراب کو منور قرار دیتا ہے۔ لیکن وہ شراب پیتا ہے۔
دوسری طرف مودقتا۔۔۔ مسلمان، اس کا ذہب بھی شراب کو منور
کرتا ہے اور وہ اس کی پینڈی بھی کرتا ہے۔ اور اس نے کہا کہ
اس کا ذہب اسے رول کے ذہب سے تنقید سے روکتا ہے۔

یہ جوئی تارو داری اور اس کے نیچے میں افسان کی سیمپا
اس سے اتار ننگے اور دوسرے سے چوری چھوڑ کر
لیکن اب اسے دوسرے مذاہب کو کھنچا تھا۔
”کیا کیا میں نے پیشہ ترک کیا؟“ ایک رجب
خاموشی کو ڈرا، ”تھیں یہ احساس نہیں کہ یہ میری جڑ
باری ہے۔“
”سری برہا“ نام کو پالنے سے جلدی سے کہا۔
”کسی دل آزاری کوئی نہیں تو اس کے لیے معافی
ہوں۔“ چڑنے نے نرم لہجے میں کہا۔ ”لیکن یہ سچ ہے کہ
الٹک کر ناہت آسمان ہوتا ہے۔ اور منتقل ہونے کے لیے
برقرار رکنا بہت مشکل ہے۔ یہ پران، جو اسے قبول کر
آفرآل، ہم سب دوست ہیں۔“ چلیں۔۔۔ اب بانی
کرتے ہیں۔“ چڑ کو اپنے دوسرے کراموں کی طرف
اور ایک، ایک یا ڈھنگ کر کے کہتا تھا۔
کرتے ہیں دھرم سوتیلی کی آواز برنجی۔ چڑ نے
طرف بڑھا اور ہاتھ پھیلائے ہوئے بولا۔ ”کم آؤ نہ
اس ڈالیں۔“
دو دروں ہانپے گئے۔ بانی پتوٹ اٹھیں۔ دیکھ
تھے لیکن ان میں کوئی نہیں تھا۔ دوسب چوری چوری
چیکے اتر کر گئے کو کچھ نہیں۔ اس کی آنکھوں میں اس کی
کے خواب تھے۔
دیکھا، چڑ، اور چڑ اور ہر رنگ الٹا ہو گئے۔ چڑ اور
تبدیل کرنے کے لیے کراموں کی طرف بڑھ گیا۔
اتار ننگی طرف چلی آؤ۔ ”آؤ میرے ساتھ دھرم کر۔“
نے کہا۔
اتار ننگہ بڑھ گیا۔ ”لیکن مجھے تو رقص کرنا نہیں آتا۔“
”دو کم آن۔“ کچھ ایسا مشکل نہیں تھی۔
سکا دوسرے۔
اس دوران دوسرا دیکھا دیکھنے لگا تھا۔ ہاتھ اور ننگہ
تھام کر کھلی جگہ کی طرف چلی۔ دوسری طرف چڑ ہاتھ
رقص کی درخواست کرنا تھا۔ ”اس دوران آج سب
سکا دوسرے۔“ اس نے سسکا رہے ہوئے کہا۔
اب ایک کی جگہ دو جڑے میدان میں تھے۔
ہو جانے اتار ننگہ کا ہاتھ پکڑ کر پورکھا۔ ”دوسرا
لاؤ اور دوسری طرف تھام لیں۔“ اس نے کہا۔ اتار ننگہ
جھکتے اس کی مادیات کی تھل کی۔ روٹے لائے دونوں ہاتھ

یہاں پر رکھ دیئے "اب سو کرو... ایسے" اس نے
 سہلے لہر دکھائے۔
 اندر تک کہ چند گھنٹوں میں اعجاز وہو کیا کہ اُس کرنا کچھ
 سہل نہیں ہے۔ یہ ایک بات کہ کچھ گھنٹوں کے بعد اچھا نہیں لگ
 لگا۔ وہ سن کر ہوتا رہا کہ ساتھ وہ رہا تھا۔ کیوں کہ وہ اس کی
 لڑکی خراب نہیں کر چاہتا تھا۔
 لیکن اس نے بڑے ہوشیار تھے۔ اس وجہ نوسوانی قربت کا
 یہاں پر اس کے لیے نفاق۔ ذرا سی دیر میں وہ بے حد مخلص اور
 سارا کیفیت سے لڑ گیا۔ بھڑکی طور پر یہ بہر حال،
 ۱۷ سال کا جان لڑا تھا۔ نوسوانی اس کو پکڑا پکڑا جاتی ابتدا
 میں اس کے لیے بے حد خیر نہیں تھا۔ اس کا پورا وجود کوشش
 کر رہا تھا۔ رہتا ہے وہو لڑکی۔ جس کی یہ کوشش اس کی
 اس کے چہرہ کے درمیان بہت تھوڑا فاصلہ تھا اور بنا
 اس لی آنکھوں میں چمک رہی تھی۔
 قربت کے ابتدائی گھنٹوں میں وہ سوکھ رہا تھا۔ اسے اچھا
 لگا رہا تھا۔ لیکن پھر اچانک اس کی سماعت میں وہ نوسوانی
 آئی۔ وہ آواز جس کی وجہ سے اس نے عربی بڑی شرمیلی کی
 آواز سنی۔ وہ آواز جس سے اس نے آواز سنی ہے محبت سے کہہ سکی۔
 اس پر اسے کسی نہ خیال آئے۔ محبت جس کی اس نے ایک سے
 لڑکی۔ پھر اسے محبت سے بڑے میں اپنے اسکول کے
 "وہ اس کی سادگی مکتو رہا تو..."
 وہ ابتدائی محراب کے زیادہ تر مہلوں میں ٹوٹا تھا۔ سب
 پہلے تو اس لڑکی کی آواز نے اسے احساس دلایا کہ وہ اس
 کی بارگاہ محبت ہے۔ اس نے اسے احساس ہوا کہ کہت
 اس سے اس نے وہ آواز سنی جس کی اور آواز دانی کے
 سے سوچا تھا۔ اس کے بارے میں اس نے آواز دانی کے
 میں ہی تازہ اور تازہ ہے۔ بلکہ سماعت میں وہ آواز ابھری
 کا دل دے دینے، ہر جہاز کا جیسے اس کا وہ گویا ہارس کا مرکز
 اور قربت کا وہ مرکز تھا۔ کیا جس نے چند گھنٹوں میں اسے
 سر کر لیا تھا۔ آج اسے بے پناہ پارس میں لگنے لگی اس کے
 اس سے کہہ آتے تھے۔
 پھر اسے پہلی بار اس کی پہلی محبت کی محبت ہوئی ہے۔
 ہاں کہ اس گھنٹوں میں شرم تو ہوئی ہے۔ حساسی قربت
 کی ایک سی جہاز کی میں گھنٹہ وہاں کیڑا وہ جس کے الفاظ
 کو وہ نہیں سمجھ سکتا۔ مہلوں تک سے ناواقف ہے، آج بھی اس کی
 انگلیز ہے کہ اس چٹائی کی بددلی کا احساس دلا سکتی ہے۔

اُسے دروازہ پر پہنچ کر کھڑی تھی۔ اس کی محبت اردو کے استاد کی
جہاں کہہ کر تعریف پہنچ رہی تھی۔ وہ محبت نہ تھی، جیسا
نہیں۔ بلکہ اس نے وہوں کے ارمان کو بھی باطل کر دیا تھا۔
اس کے ہاتھ وہ رہے جہاں سے کہیں اس کی نگاہوں
کا تار بدل گیا۔ وہ نے خود ہی دیکھ لی۔ لیکن وہ جس
کیفیت میں تھی اس میں اس جہاں کی صفویت کو وہ نہیں سمجھ
سکتا۔ اسے تو آج پہلی بار اہمیت کا موقع مل گیا تھا۔ وہ اسے کتنا
جیسا سمجھتی تھی۔ "کیوں ادا کرتے ہیں؟" "کیوں یہ اچانک کیا ہو گیا؟"
اس نے سرٹوٹی میں ادا کرتے ہوئے پوچھا۔
"پچھلے کھیل، جیسے کیا ہوگا؟"
"جیسی۔۔۔ تم اچانک دوسرے ہو گئے۔"
"وہ۔۔۔ میں تو اچانک اہل اس جہاں نہیں کاٹھنے۔"
"اوہ۔۔۔ مجھے تمہاری بات اچھی لگی۔ آئندہ میں۔۔۔" ٹوٹا
پتھر اور بھی کہتی۔ کمراسی کے ریکارڈ ختم ہو گیا۔ اچانک خاموشی
کی وجہ سے کہتے ہیے کھٹک گئی۔
ادا کرتے تھے۔ اپنے ہاتھ اس کی کرے ہٹا لے۔ لیکن روٹا
نے اس کے دونوں ہاتھ تمام لیے۔ "جتنی جلدی کیا ہے
ادا کرتے آج رات پہنچو ڈھسے۔" اس کی سرے سے ساتھ دوسرے۔
اور کہہ دے۔ "اس کے لیے میں انتہائی۔"
اسی لیے رام کوپال ان کی طرف چلا آیا۔ "آئیے آئیے
وہی آخر۔"
روٹا نے ادا کرتے کے ہاتھ اور سرٹوٹی سے بکڑ لے۔ "یو
وہل ہو یو وٹ فورس نام۔" اس نے رام کوپال سے کہا۔
"چلیں۔ ڈوٹ نامٹو۔"
رام کوپال کا چہرہ دیکھتا ہی تھا۔ چہرے سے
وہیں ساکت نظر آ رہا تھا کہٹ کیا۔
اسی وقت رچرڈ نے دوسرا ریکارڈ گایا۔ وہ بہت رومان
انگلز سٹیوٹن تھی۔ رچرڈ کے ساتھ اب امرتاسی۔ لیکن اس کی
نظروں کا مرکز ادا کرتے اور رہتا تھے۔ دوسری طرف رام کوپال
کے پاس بیٹھی ہوئی پہلی بھی اس دونوں کو دیکھ رہی تھی۔
"روٹا تمہا کی کو کچھ سوچی نہیں رہی ہے۔" اس نے
سرگرمی ادا کرنا شروع کیا۔
"وہ قوسہ بھی دیکھ رہا ہوں۔" رام کوپال بولا۔ "تم یہ
بناؤ تم کس میں اسٹریٹ ہو؟"
"میں صرف قوسہ اسٹریٹ ہو۔" "پہلا۔۔۔ تخت سے کہا۔"
"بھری بھی اسی میں ہے۔ سراب کے پیچھے بھاگنے

والوں کو پیاس کے بوا کچھ نہیں ملا۔

”تمہیں یہ بات ریٹا سے کہنی چاہیے۔ اوتار سنگھ کے تاثرات دیکھ رہے ہو۔ وہ بے چارہ بس مرقت کر رہا ہے۔“
 ”اوتار سنگھ کو میں نے کبھی کسی لڑکی میں دل چسپی لیتے نہیں دیکھا۔“ رام گوپال نے سرد لہجہ میں کہا۔

”دیکھتے رہو۔ جو تک پتھر میں بھی لگتی ہے۔“
 ”وہ مجھے پتھر نہیں لگتا اور تم بھی جو تک نہیں لگتیں۔“ رام گوپال نے سادگی سے کہا۔

”پلیز تم خاموش رہو۔“ پٹپ نے ہمت کر کہا۔ ”آج پہلے ہی تم بہت شرمندہ کرا چکے ہو۔“
 اُدھر ریٹا نے بھی اوتار سنگھ سے کھل کر بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ”مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے اوتار سنگھ۔“ اس نے غمور آواز میں کہا۔ ”مجھے کبھی کسی کے ساتھ رقص کرنا اتنا اچھا نہیں لگا۔ جانتے ہو، میں تمہیں بہت پسند کرتی ہوں۔“

”میں بھی تمہیں پسند کرتا ہوں۔ یو آ رہے گلا فرینڈ۔“
 ”مگر میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ وہ محبت جو ایک صورت ایک مرد سے کرتی ہے۔ وہ محبت میں نے پہلی بار تم سے کی اور اب کسی اور سے کبھی نہیں کر سکوں گی۔ میں تمہارے لیے کچھ بھی کر سکتی ہوں اوتار سنگھ۔ میں خود کو بدل بھی سکتی ہوں۔“

بات اس قدر راجیک اور اتنی صاف گوئی اور دونوں انداز میں کی گئی تھی کہ اوتار سنگھ ششدر رہ گیا۔ چند لمحوں تو وہ کچھ سوچے۔ کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں رہا۔ پھر اس نے بڑی تیزی سے خود کو سنسٹھالا۔ ”سورہی ریٹا وہ محبت تو مجھے بھی پہلے ہی ہو چکی ہے کسی سے۔ اور مجھے یقین ہے کہ اب میں کبھی کسی سے اس طرح محبت نہیں کر سکوں گا۔“ اس نے کہا۔

ریٹا کے چہرے پر اُداسی چھا گئی۔ ”مائی لک!“ اس نے آہ بھر کے کہا۔ پھر بولی۔ ”کون ہے وہ خوش نصیب، بہت... بہت خوب صورت ہوگی۔“

”جانتیں۔ میں نے کبھی اسے دیکھا نہیں۔“
 ”کیا مطلب؟“ ریٹا کی آنکھیں فرما حیرت سے پھیل گئیں۔
 ”دیکھا نہیں تو محبت کیسے ہوگئی؟“

”میں نے بس اس کی آواز سنی ہے۔“
 ریٹا کی آنکھیں جھکنے لگیں۔ ”تب تو اس محبت کا کوئی اعتبار نہیں۔ کبھی تم اسے دیکھو اور وہ تمہیں اچھی نہیں لگی تو تمہاری محبت ختم ہو جائے گی۔“

”میں بھی یہی سوچتا تھا۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔“ اوتار

سنگھ نے کہا۔

”اسے دیکھو بغیر تم یہ بات کیسے کہہ سکتے ہو؟“

”میں خُسن پرست ہوں۔ خوب صورتی برورپ میں اچھی لگتی ہے۔ اسی لیے مجھے شہر ہوتا تھا کہ اردو خوب صورت ہوئی تو میری محبت ختم ہو جائے گی۔ لیکن ریٹا، میں سچ کہہ ہوں کہ تم بہت خوب صورت ہو۔ اس کے باوجود مجھے تم سے محبت نہیں ہوئی۔ تو میں نے سمجھ لیا کہ محبت میں کوئی شہرہ نہیں ہوتی۔ وہ تو بس ہو جاتی ہے... اور ہوگئی۔ اب تو مجھے اس کی آواز سے ہوئے بھی عرصہ ہو گیا۔ لیکن وہ آواز اب بھی میری سامنے میں گونجتی ہے اور اسے سن کر میری اب بھی وہی کیفیت رہی ہے۔ یہ بات نہ ہوتی تو شاید آج میں تمہاری محبت کا جواہر محبت سے دیتا۔“

”تم بہت عجیب، بہت انوکھے آدمی ہو اوتار سنگھ۔“
 ”اور ریٹا... اصل میں تو محبت میں کسی اور سے کرنا چاہتا تھا۔“ اوتار سنگھ نے کبری سانس لے کر کہا۔ ”بہت برسوں سے

میں اس دنیا کے نظام پر غور کرتا رہا ہوں۔ میں نے بہت کچھ سمجھ لیا تھا کہ کوئی کمال قوت ہے جس نے یہ سب کچھ بنایا اور مکمل نظام ترتیب دیا۔ وہ قوت والی ہستی واحد ہے۔... ظاہر العنان اور خود مختار۔ اس جیسا کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ مہربان ہے... ماں سے زیادہ شفقت... باپ سے زیادہ مٹا دھ کرنے والی اور ضرورت پوری کرنے والی۔ میں نے بہت غور کیا اور سمجھا کہ میرے پاس جو کچھ بھی اچھا ہے... مجھے ماں باپ سمیت، وہ اس کا دیا ہوا ہے۔ میں والدین کے مہربانیوں کے جواب میں ان کا شکر گزار ہوتا ہوں اور اس کے اظہار کے لیے ان سے محبت کرتا ہوں۔ تو ان سے زیادہ... سب سے زیادہ شکر گزار اور محبت تو اس کا حق ہے۔ مگر سبھی لمحے تو محبت نہیں ہوتی... یا مجھے نہیں ہو سکی۔ چنانچہ میں اسے محبت کی جستجو میں لگ گیا۔ اب درمیان میں مجھے یہ محبت ہوئی میرے بس میں ہوتا تو میں اس محبت کو ختم کر دیتا کیوں کہ میری اصل منزل تو وہ بڑی محبت ہے۔“

ریٹا سحر زدہ سی ہو کر سُن رہی تھی۔ ”مجھے یقین نہیں آتا۔“ اس نے کہا۔ ”تمہیں ہمارے مذہب کے بارے میں کچھ چاہیے۔ میں تمہیں بتاؤں گی۔“
 اسی وقت ریٹا کا رخ ختم ہو گیا۔ رچرڈ نے کہا۔ ”اب ذرا کر لیں۔“

وہ چاروں واپس آ گئے۔

کیا برائی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"حسرت اور رجحان قریب ہوں گے، بے حیائی اور گمراہی کا امکان یقیناً کم نہ ہو جائے گا۔"

"مگر دونوں کے درمیان ہمیشہ تو قدرتی ہے، اور یہ ہے۔" اوتا رنگہ نے اعتراض کیا اس کا ذہن ابھرتا تھا۔

"اس کے لیے شادی ہے۔ شادی کوادہ بارہ خیالی ہا راستہ پر گرتی ہے۔"

"اور محبت کے بارے میں تمہارا مذہب کیا کہتا ہے؟"

"اور محبت کے بارے میں وہ تو بڑی ہی نہیں۔ مگر عمل شادی ہی ہے۔"

اوتا رنگہ کا دل بڑھ رہا تھا۔ اسی وقت اسے ایک بار یاد آئی۔ اس کا مشاہدہ شروع ہی سے غیر معمولی تھا۔

اس نے پہلے ہی کیا حقائق آج اسے چھین چھین کر دیکھے تھے۔ "اب تک انہیں نہیں دیکھے۔" اس نے کہا۔ "رچڑھ میں غیر معمولی دل چھپی رکھا ہے۔"

نادرہ کچھ غجوب ہوئی۔ اس کی آنکھیں جھک گئیں۔ میں باقی ہوں۔ دو تھمے تاکا ہے۔" وہ بولی۔

"اب تمہارا ذہنی معاملہ ہے۔ میں تم سے کچھ بڑھ چکا۔" اوتا رنگہ نے کہا۔

"مگر میں تمہیں سمجھتی ہوں۔ مجھے اس سے کوئی لگاؤ نہیں۔" نادرہ بولی۔ "اور اگر ایسا کچھ ہوتا تو بھی میں اس کی حوصلہ افزائی نہ کرتی کیونکہ میں اس سے نہیں نہیں کر سکتی۔"

"کیوں؟" اوتا رنگہ نے پوچھا۔ "مذہب کے فرق کی وجہ سے؟"

"ہاں، مشرکوں سے شادی کرنا ناجائز ہے۔ یہ ایک اہل کتاب ہیں لیکن شرک کرتے ہیں۔"

"مشرک کے بارے میں نادرہ نے شروع میں ہی کہا تھا، وضاحت بھی کی تھی۔ لیکن یہ اہل کتاب ہی اصطلاح انداز کے لیے تھی۔" اہل کتاب کا مطلب؟

"وہ لوگ جن کے پاس اللہ کا نام موجود ہے، لیکن انہیں عیوی میں موجود ہیں۔ یہودی، عیسائی اور مسلمان۔"

"تینوں کے پاس اللہ کا کلام ہے تو وہ الگ الگ کیوں ہیں؟"

"یہ بہت ہی پیچیدہ ہے۔ مجھ تو وہ ہے۔ ہر حال میں مشرک سے شادی نہیں کر سکتی۔"

"لیکن محبت تو ہوتی ہے تمہیں؟"

کچھ دیر سنانے کے بعد دوبارہ سلسلہ شروع ہوا تو اس بار میدان ان میں تن جن جوڑے تھے۔ اوتا رنگہ اور نادرہ پر چڑا رہا تھا۔ اس پر نادرہ اور نادرہ نے جس میں وہ بھی تھی نہیں لی۔ اس پر اس کو بال بھر اپنا ذہن نہیں سنبھال سکا تھا۔ اعزاز ایسا تھا جسے ان پر مذہب کے حوالے سے خطر نہ چاہتا ہو۔ لیکن پچھلے تجربے کے پیش نظر اسے ہمیشہ کی طرح نہیں ہوئی۔

جس کا سلسلہ کافی پر چلا رہا تھا۔ اوتا رنگہ نے محض مروتا ایک ایک بار اظہار اور پڑھنے کے ساتھ قیاس اور پھر کرائی تھک

چھ نکو کو دے دی۔ اس دوران نادرہ پر چڑا کر اسے اجازت نہ کر

اس کی انگریزی میں چلا گیا تھا۔ نادرہ اپنی پیشگی تھی۔ اوتا رنگہ اس کے پاس چلا گیا۔ اسے وہ مدت بہت طویل لگ رہی تھی۔

اور اس پر پڑنے سے بھی شوق کے دوران اس نے اظہار محبت کیا تھا۔ نہ جانے کیوں اس نے دنیا کی طرح اس سے تعظیم سے بات نہیں کی تھی۔ میں یہ کہہ کر نال اور تھا کہ وہ پچھلے ہی کسی سے محبت کرتا ہے۔

"کیا بات ہے تم نے رقص میں کیا؟" اوتا رنگہ نے پوچھا۔

"مجھے دل نہیں ہے۔" نادرہ نے جواب دیا۔

"تمہارا مذہب تمہیں اس سے روکتا ہے۔"

"ہاں روتتا ہے۔ لیکن بہت سے ایسے ایسے کرتے ہیں جن کے مذہب سے فرما ہے۔ اس وقت میرے لگاؤ کا اصل سبب یہ ہے کہ مجھے فرض نہیں کہ میں دل چھینی نہیں ہے۔"

"اب تمہیں سن ان باتوں سے روکتا ہے؟"

"اب تمہیں کیا تاؤں۔ ہر حال، سب سے بڑا گناہ شرک ہے۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شرک کرنا۔"

اوتا رنگہ چندے سوچا ہوا پھر بولا۔ "مجھے کوئی ایسی بات بتاؤ، جو تم اللہ کے متبع کرنے کے باوجود کرتی ہو؟" اسے احساس ہوا کہ وہ بار بار اللہ کہہ رہا ہے۔ اور اللہ کہنا اسے اچھا لگتی گدا ہے۔

مگر اس سوال پر نادرہ کھینچی۔ "بہت ساری باتیں ہیں۔ ہم کوئی بہت اچھے مسلمان تو نہیں ہیں۔ اہل عمل پر اثر انداز ہوتا ہے۔ لیکن ایمان کی کمزوری اس لیے ہے۔ اب اسی وقت دیکھو۔ میں اس عمل میں شریک ہوں۔ حالانکہ اللہ

نے ہر مرد اور عورت کے اخلاط میں شوق فرمایا ہے۔"

اس جواب سے اوتا رنگہ کچھ ڈوب ڈوب کر اہل کا متبع تمام کر اس کے اندر کا شخص انسان دور تک جا سکا تھا۔ "اس میں

نادرہ میں چھپ چکی تھی اسے کھنکھار لگا ہو۔ پھر نکل کر لے۔" ہاں۔ ہو سکتا ہے۔ لیکن اس صورت میں میں اس محبت سے لڑوں گی۔ اسے دل سے نکالنے کی ہرگز نہیں کر دوں گی اور وہاں اللہ کی رو سے مسلمان ہو جائے۔"

"یہی مسلمان کیسے ہو سکتا ہے؟"

"دو طرح سے ہمارے ہاں۔ ایک ناپاکی کو دور کرنے والا کہ ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ اور دوسرا کوئی دینے

اللہ لا الہ الا اللہ محمد ان اللہ عہد محمد رسولہ آدمی دل کی گواہیوں سے ایمان لائے، وہ انہاں سے بے گناہ ہے تو مسلمان ہو سکتا ہے اس کے بعد اسے اللہ کے احکامات پر عمل کرنا ہوتا ہے جو اللہ کی کتاب میں موجود ہیں۔"

اوتا رنگہ چونکا۔ "یہ تو عربی زبان میں ہیں؟"

"ہاں، اللہ کا نام عربی ہی زبان میں ہی نازل ہوا ہے۔"

اوتا رنگہ کا حافظہ یاد آیا تھا۔ دونوں گلے ایسے یاد ہو گئے۔

اس دن وہ ان کا مطلب سمجھ کر کوشش کر پڑا تھا۔ اسے ایک اعتقاد اور اپنی نفس کی اور ہر شخص کی نفس کی اس نے ایک خاک کر کر چر گیا۔ "اللہ کے ہوا کوئی نہیں۔ اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور دوسرا... میں کوئی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا۔" وہ انک گیا۔

نادرہ نے سمجھ کر سے۔ پوری عجب نظروں سے دیکھ کر کہتی تھی جو میں نے سمجھا تھا۔ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اس نے پہلے پورا کیا۔ وہ اب بھی اس کی آنکھوں میں گہری کمی۔ "تم میری معمولی آدمی ہو اوتا رنگہ کا۔" کاش

"جیسے کہ تمہیں ہو اسے نظر نہیں پڑتا۔"

اوتا رنگہ اتنا بے چین تھا کہ اس کا جملہ مکمل ذکر پاتا۔ اس وقت وہ چھوٹا اچھا محبت تھا جو اس سے گیا لیکن یہ عیوی

اکثر مشروط تھا۔ اسی وقت رقص کا سلسلہ موقوف ہو گیا۔ وہ سب بچکا ہو گئے۔ "میں ڈرا میرے سنائی۔ پھر کھانا کھا لیں گے۔" رچڑھا

نادرہ ان کا کیا۔

وہ پانی اوتا رنگہ کو پونے کے لیے بہت کچھ دے گئی۔

میں نہیں ہاں اس آواز دہائی کی محبت کو پھر سے توانا کر دیا۔

بات نہیں کہ وہ محبت بھی بکلی پڑی تھی۔ البتہ یہ ضرور تھا کہ ضروریات نے اسے دوبارہ اس کے پاس اتنا دت ہی نہیں تھا۔ دوسرے اب وہ اس آواز سے محرم نہیں ہو چکا تھا۔

نادرہ کی بات سنتے ہوئے اسے احساس ہوا اظہار اب وہ اس سوچ پر تھا۔

محبت ایک آفاقی جذبہ تھا۔ اس کے لیے شادی چاہیے۔

ایک انسان کی دوسرے انسان سے محبت، دوستی کی محبت، بھائی بہن کی محبت، ماں باپ کی محبت، اولاد کی محبت اور محبت جو

بڑھ کر حقوق کی اپنے خالق سے محبت ہے۔ سب محبتیں ہیں جو انسان کرتا ہے۔ کرتا ہے گا۔ جو کر دیا میں سے کوئی بھی

محبت سے فرض نہیں ہے۔ انسان نکلتا ہے پر فرض ہو کر کسی دوسرے انسان سے محبت کرے ہوئے عمل نہیں ہے پر فرض

ہو سکتا ہے کہ فرض نہ ہو تو بھائی دور کرنے کی فرض ہو کر

اکیلا تو کوئی نہیں رہ سکتا۔ انسان معاشرتی جانور ہے تو انسان کے کی فرض تو ایک بڑی سچائی ہے۔ وہی کا بھی خیال کرے۔ کوئی بھی خیال چھوڑا بھی لگا ہوا اس سے مل کر... بات

کے دل کا خوش ہوتا ہے۔ فرض تو بولی نا اور اختلاف ہو جائے۔ لیکن فوجیت کا اختلاف تو آدمی اس دور کو چھوڑ

دیتا ہے۔ کوئی اور صورت حال کر لیتا ہے۔ بھائی بہن کی محبت کا اسے تجربہ نہیں تھا۔ یہ محبت اسے ہی ملتی تھی لیکن وصال دین کے حوالے سے وہ اسے بھوکھا تھا۔ بھائی دوست سے

بڑی ضرورت ہوتا ہے۔ ایک بہت اپنا جو ہرگز کے وقت میں ساتھ رہے۔ ہمارا دکھ ہائے۔" ہمیں کسی دے۔ اب اولاد کی

محبت کو کوشش ہوتی ہے۔ تو اولاد کی فرض ہوئی ہی ہے۔ بلکہ اس کوئی بھی مددیں ہوتی۔ آئی کوئی یاد رکھتا ہے ہاں اس سے۔ وہ ان سے محبت نہ کرے تو کیا کرے۔ اور خدا کی محبت ا

وہ تو ہے ہی تھا جن کی محبت جو وہ اس سے کرے، جو اس کی ہر ضرورت پوری کرتا ہے۔ وہ مال ہے۔ بڑھ کر خیال رکھنے

والا ضرورتیں پوری کرے والا ہے۔ میں اس باپ کی اولاد سے محبت سب سے مختلف ہے۔ گناہات سے پرہیز ہونے کے

باوجود فرض سے باہل پاک وہ بھی نہیں ہے۔ باپ کو اولاد سے ایک قصور ہی فرض ہوتی ہے کہ وہ اس کی سب کو گناہ سے بڑھانے،

مرنے کے بعد کسی اس کے گناہ کو نہ دے۔ ہاں اس کی محبت شاید باہل سے فرض ہوتی ہے۔ اس کا سب ملے تو اولاد کا ہر دکھ

خود لے کر اسے اس تک سے محفوظ کر دے۔

مال باپ کی محبت پر اس نے سوچا تھا کہ سب کچھ بنانے والے کی... خالق کی اپنی مخلوق کے لیے محبت کا خیال آیا۔ وہی

سب سے خالص، سب سے بے غرض اور پاک محبت ہے۔ کیوں کہ اسے تو کسی سے کچھ نہیں چاہیے۔ وہ جو سب کچھ بنانے

والا ہے، ہر چیز کا لنگ ہے۔ کوئی اسے کچھ دے نہیں سکتا اور اسے ضرورت کی چیزیں۔ اس سوچتے ہوئے ادتار سنگھ کو اس باب کی محبت میں اس عقیدے کی کتنی ہی تھک نظر آئی۔ اس کے ذہن میں خیال آیا کہ غرض کا مارا، علیٰ اسن اٹھ کر خود اپنی محبت کر ہی نہیں سکتا۔ تو کیا یہ محبت اسے اس طرح سونپی گئی ہوگی جسے اس خالق نے سامنے ڈالوں اور مردوں کو خیال سونا جس کے نتیجے میں ایجادات ہوں۔ ضرور یہی بات ہے۔ کیوں کہ یہ تو ہے کہ وہ جو بھی ہے، اس کی ذات محبت کا پرچم ہے۔ دوسری نعمتوں کی طرح وہ انسانوں کو ایک دوسرے کے لیے نعمتیں بھی عطا کرتا ہے۔ اس نے اس باب کو لاد کے لیے اسے بھی محبت عطا کی کیوں کہ اس کا عطیہ پودا اسٹیم ہے جس کے پتے اس لاچار اور کم زور پودے کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ غافل وہاں تک کہ یہ پتے بکھلے میں جڑیں کھینک کر سکتی ہیں۔ کچھ نہیں کر سکتی۔ اگر خود سونے اور کون کی ضرورتیں۔ کہاں خطرہ ہے، اسے نہیں معلوم ہوتا۔ تو اگر اس نے اس باب کو وہ محبت نہ دی ہوتی تو انسانی نسل ختم ہو چکی ہوتی۔

اب نادر کی فکرتوں نے اس کے لیے اور دو واڑے کھول دیے تھے۔ سرمد اور موت کی اس محبت کا اسے یاد دلا رہا تھا۔ وہ ہے تاکہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ ایک دوسرے کے ترپ رہیں اور دل کر لپیٹ لے آگے بڑھا دیں۔ اور اب وہ محبت انہوں کے فرق کو کھینچ رہا تھا۔ اس کو اسے اسے استاد نے شاعری کے حوالے سے محبت اور موت کا جو فرق سمجھا تھا وہ وہاں وضاحت سے اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ لیکن اب وہ دیکھ رہا تھا۔ قربت محبت کے بغیر کچھ ہو پا ہے۔ محبت اور موت میں وہی فرق ہے جو باب اور موت میں ہے۔ اور ادتار سنگھ نے یہ بھی سمجھ لیا کہ محبت انہوں کو اپور والے سے کرے یا اس کی طرف سے، وہ عبادت ہوتی ہے۔ شراب کرے کہ پاک ہو اور محبت تو ہے والا پہلی ہے یا دوسرے کا سے اور اس کے بعد کو اپور والے نے بنایا۔ احسان کیا ہے۔ اس کی نہیں، ان کے دلوں میں محبت بھی ڈالی، وہ دتہ وہ پاک ہو سکتے تھے۔ تو یہ اپور والے کا احسان ہے۔ اس خیال کے ساتھ محبت عبادت ہوئی۔ اور اس کے بغیر موت؟

یہ وہ مشترک نہیں تھیں۔ اب نادر کی فکرتوں نے اس کے لیے اور دو واڑے کھول دیے تھے۔ سرمد اور موت کی اس محبت کا اسے یاد دلا رہا تھا۔ وہ ہے تاکہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ ایک دوسرے کے ترپ رہیں اور دل کر لپیٹ لے آگے بڑھا دیں۔ اور اب وہ محبت انہوں کے فرق کو کھینچ رہا تھا۔ اس کو اسے اسے استاد نے شاعری کے حوالے سے محبت اور موت کا جو فرق سمجھا تھا وہ وہاں وضاحت سے اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ لیکن اب وہ دیکھ رہا تھا۔ قربت محبت کے بغیر کچھ ہو پا ہے۔ محبت اور موت میں وہی فرق ہے جو باب اور موت میں ہے۔ اور ادتار سنگھ نے یہ بھی سمجھ لیا کہ محبت انہوں کو اپور والے سے کرے یا اس کی طرف سے، وہ عبادت ہوتی ہے۔ شراب کرے کہ پاک ہو اور محبت تو ہے والا پہلی ہے یا دوسرے کا سے اور اس کے بعد کو اپور والے نے بنایا۔ احسان کیا ہے۔ اس کی نہیں، ان کے دلوں میں محبت بھی ڈالی، وہ دتہ وہ پاک ہو سکتے تھے۔ تو یہ اپور والے کا احسان ہے۔ اس خیال کے ساتھ محبت عبادت ہوئی۔ اور اس کے بغیر موت؟

خدا کے سلسلہ

جبکہ آدائی کے بعد یہ زمانہ اس کی سماجی حالت دوسرے تک درگزر کر رہی۔ آخر وہ باب یوسف خان، ورنہ رام پور نے نو دہائی میں خلافت، غلط فہم کر دیا۔ وہ باب یوسف خان کی بھی اس کی عقل کو باری رکھا۔ وہ باب یوسف خان کی وفات کے چند روز بعد وہ باب یوسف خان کی خلافت کو ختم کرنے کے لیے برلی روایت ہوئے تو پہلے وقت میرزا صاحب سے کہنے لگے، "خدا کے پور"۔

عاطف احمد کا حوالہ

میرزا صاحب نے کہا، "حضرت! خدا نے مجھے آپ کے آپ بھائی کے ساتھ رکھ رکھ کر رکھے ہیں"۔

اب نادر کی فکرتوں نے اس کے لیے اور دو واڑے کھول دیے تھے۔ سرمد اور موت کی اس محبت کا اسے یاد دلا رہا تھا۔ وہ ہے تاکہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ ایک دوسرے کے ترپ رہیں اور دل کر لپیٹ لے آگے بڑھا دیں۔ اور اب وہ محبت انہوں کے فرق کو کھینچ رہا تھا۔ اس کو اسے اسے استاد نے شاعری کے حوالے سے محبت اور موت کا جو فرق سمجھا تھا وہ وہاں وضاحت سے اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ لیکن اب وہ دیکھ رہا تھا۔ قربت محبت کے بغیر کچھ ہو پا ہے۔ محبت اور موت میں وہی فرق ہے جو باب اور موت میں ہے۔ اور ادتار سنگھ نے یہ بھی سمجھ لیا کہ محبت انہوں کو اپور والے سے کرے یا اس کی طرف سے، وہ عبادت ہوتی ہے۔ شراب کرے کہ پاک ہو اور محبت تو ہے والا پہلی ہے یا دوسرے کا سے اور اس کے بعد کو اپور والے نے بنایا۔ احسان کیا ہے۔ اس کی نہیں، ان کے دلوں میں محبت بھی ڈالی، وہ دتہ وہ پاک ہو سکتے تھے۔ تو یہ اپور والے کا احسان ہے۔ اس خیال کے ساتھ محبت عبادت ہوئی۔ اور اس کے بغیر موت؟

یہ وہ مشترک نہیں تھیں۔ اب نادر کی فکرتوں نے اس کے لیے اور دو واڑے کھول دیے تھے۔ سرمد اور موت کی اس محبت کا اسے یاد دلا رہا تھا۔ وہ ہے تاکہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ ایک دوسرے کے ترپ رہیں اور دل کر لپیٹ لے آگے بڑھا دیں۔ اور اب وہ محبت انہوں کے فرق کو کھینچ رہا تھا۔ اس کو اسے اسے استاد نے شاعری کے حوالے سے محبت اور موت کا جو فرق سمجھا تھا وہ وہاں وضاحت سے اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ لیکن اب وہ دیکھ رہا تھا۔ قربت محبت کے بغیر کچھ ہو پا ہے۔ محبت اور موت میں وہی فرق ہے جو باب اور موت میں ہے۔ اور ادتار سنگھ نے یہ بھی سمجھ لیا کہ محبت انہوں کو اپور والے سے کرے یا اس کی طرف سے، وہ عبادت ہوتی ہے۔ شراب کرے کہ پاک ہو اور محبت تو ہے والا پہلی ہے یا دوسرے کا سے اور اس کے بعد کو اپور والے نے بنایا۔ احسان کیا ہے۔ اس کی نہیں، ان کے دلوں میں محبت بھی ڈالی، وہ دتہ وہ پاک ہو سکتے تھے۔ تو یہ اپور والے کا احسان ہے۔ اس خیال کے ساتھ محبت عبادت ہوئی۔ اور اس کے بغیر موت؟

یہ وہ مشترک نہیں تھیں۔ اب نادر کی فکرتوں نے اس کے لیے اور دو واڑے کھول دیے تھے۔ سرمد اور موت کی اس محبت کا اسے یاد دلا رہا تھا۔ وہ ہے تاکہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ ایک دوسرے کے ترپ رہیں اور دل کر لپیٹ لے آگے بڑھا دیں۔ اور اب وہ محبت انہوں کے فرق کو کھینچ رہا تھا۔ اس کو اسے اسے استاد نے شاعری کے حوالے سے محبت اور موت کا جو فرق سمجھا تھا وہ وہاں وضاحت سے اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ لیکن اب وہ دیکھ رہا تھا۔ قربت محبت کے بغیر کچھ ہو پا ہے۔ محبت اور موت میں وہی فرق ہے جو باب اور موت میں ہے۔ اور ادتار سنگھ نے یہ بھی سمجھ لیا کہ محبت انہوں کو اپور والے سے کرے یا اس کی طرف سے، وہ عبادت ہوتی ہے۔ شراب کرے کہ پاک ہو اور محبت تو ہے والا پہلی ہے یا دوسرے کا سے اور اس کے بعد کو اپور والے نے بنایا۔ احسان کیا ہے۔ اس کی نہیں، ان کے دلوں میں محبت بھی ڈالی، وہ دتہ وہ پاک ہو سکتے تھے۔ تو یہ اپور والے کا احسان ہے۔ اس خیال کے ساتھ محبت عبادت ہوئی۔ اور اس کے بغیر موت؟

عاطف احمد کا حوالہ

میرزا صاحب نے کہا، "حضرت! خدا نے مجھے آپ کے آپ بھائی کے ساتھ رکھ رکھ کر رکھے ہیں"۔

لگا۔ استخوانوں کی وجہ سے پڑھائی کی بہت زیادہ محنت ہوئی تو شاید وہ بہت ترقی پا۔ جدائی کی پہلی رات وہ اپنے کمرے کی تنہائی میں جی بھر کے رونا پس نے دو آنسو بھی بہا دیے۔ وہ جی کے سامنے نہیں ہاسکا تھا۔ مجھ پر ہر حال، پڑھائی، جدائی کے اس احساس کو گم بہت ہی کم کر دیا۔

و سوال دین گاہیں پہنچا تو سب سے پہلے اس کی اذان سے ہوئی جو کہیں کہیں کام کر رہے تھے۔ اس نے ایسا کو سلام کیا۔ مگر کوئی انھیں پرہانہ کیا۔
”کب آ وصال دین؟“ جمال دین نے پوچھا۔

”ابھی آ رہا ہوں بابا۔“

اور حیرت کا تاثر ابھرا۔ ”جھوٹے غار کہاں ہیں؟“
 ”وہ تو نہیں آئے لہا۔ ابھی تو ان کے امتحان بھی نہیں ہوئے ہیں۔ مہینہ اڑھائی کے بعد انہیں گے وہ۔“
 ”تب تو تجھے بھی نہیں آنا چاہیے تھا وصال دین۔“
 جھوٹے غار کو کلا کلا جھون آیا۔ جمال دین نے خست لہجے میں کہا۔

”میں نہیں آ رہا تھا اب۔ چوٹے ٹھاکر نے زبردستی مجھ سے مجھے۔“ وصال دین نے غدا سے کہا۔ ”چاہے رگھو سے پوچھ لو اب۔“

جمال دین نے حوالہ نگاروں سے رکھو کو دیکھا۔ ”وصال
دین ٹھیک کہہ رہا ہے چاہا۔“ ”رکھو نے کہا۔
”لیکن جمال دین کے رونے میں نرمی نہیں آئی۔“ اور
رکھو کھسی لے آیا۔ انھیں بالکل اکیلا کر دیا تو نے۔
”میں تو جا حوالہ دین کو چھوڑنے آیا ہوں۔ کل دانتی

چلا جاؤں گا۔“ رگھونے کہا۔
 ”تجھے تو بالکل نہیں آنا چاہیے تھا رگھو۔“ جمال دین نے

کی طرف مڑا۔ ”اب پہلے گھر نہ جانا۔ ٹھا کر جی کے پاس جانا۔“
 ”میں وہیں جا رہا ہوں ابا۔“
 جمال دین نے پہلی بار بیٹے کو نظر بھر کر دیکھا۔ وہ چہرہ
 جوان ہو گیا تھا۔ تھیں ہی اونچا ہو گیا تھا اور جسم بھی بھر گیا تھا۔
 ”اب اس کے سر پر آجہ کر کے رکھو۔“

اب چلا جا۔ یہاں دیر نہ کہ وہ سخت الجھ میں ہوا۔
وصال دین سال بھر کے گھڑے سے باپ سے لپٹا جاتا تھا

”عبدالحمید! آپا ہوں غا کر جی۔“
 ”عبدالحمید! بہن نے نہیں ملے؟ جمال دین نے نہیں۔“
 ”ابا! تو کہیں میں ملاقات ہوئی تھی۔“
 ”ابو! پر پہلے میں نے ملاقات۔“ غا کرنے تو پ کر کہا۔
 ”بس! تو فوراً مگر جا اپنے۔“
 ”جاتا ہوں غا کر جی۔ پر ایک بات کرنی ہے آپ سے۔“
 ”بولو۔ کیا بات ہے؟“

”مجھے اجازت دے دیں کہ میں ہر روز کچھ دیر کے لیے آپ کے پاس آ جایا کروں۔“
 خاکر کھل اٹھا۔ ”اجازت کی کیا بات ہے پتر۔ یہ تمہارا گھر ہے۔ جب چاہے، آ سکتے ہو۔“ اس نے مسکراتے ہوئے

کہا۔ پھر اچانک کسی خیال سے سنجیدہ ہو گیا۔ "پاپے ماں باپ کا حق نہ مارنا اور کب سے ترس رہے ہیں تمہیں۔"
 "جی خدا کرے جی... میں خیال رکھوں گا۔"
 "بس اچا جو تم۔" خدا کرے کہ شفقت سے کہا۔

وصال دین چلا گیا۔ مگر شاگرد دیر تک دروازے پر نظر نہیں
جمائے رہا۔ کیا میرا دوار سنگہ بھی ایسی ہی بڑا ہو گیا ہو گا۔ وہ سوچ
رہا تھا۔ پچھلی بار جب وصال دین کو دیکھا تھا تو وہ اتنا بڑا نہیں
تھا۔ اس کا دل چمکنے لگا دوار سنگہ کو دیکھنے کے لیے۔ پھر اس نے
سوچا۔ ٹھوڑے ہی دن کی تو بات ہے۔ امتحان ختم ہوں گے اور

وہ آجائے گا۔
اس کا جی چاہا کہ دہلی چلا جائے اور اوتار سنگھ کو جی بھر کر
دیکھے۔ یہ کوئی ایسی جڑی بات بھی نہیں تھی۔ لیکن امتحان کے
دنوں میں مناسب نہیں تھا۔ وہ بھی پیاسا رہ جاتا اور اوتار سنگھ کی
سزا کا اثر بھی غلط رہتا۔

اس نے چونک کر سر تھمایا تو رگھو پر نظر پڑی۔ "میرے لیے کیا حکم ہے مالک؟ چھوٹے ٹھاکر کا حکم تھا کہ وصال دین کو پہنچا کر آؤں۔ اب حکم ہوتا وہیں چلا جاؤں۔"

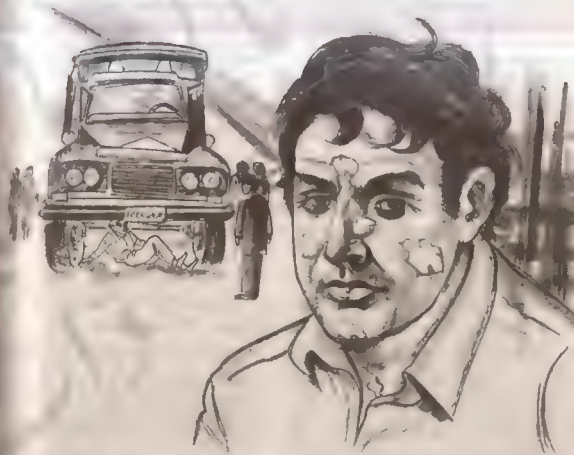
بھج دو۔“ فغا کر نے کہا۔
 دھکوتے ہاتھ جوڑ دیے۔ ”جو حکم آں راتا۔“
 باہر وصال دین کھر کی طرف بھاگ رہا تھا۔ اس کا بس
 نہیں پتا تھا کہ آؤ کر کہاں کے پاس پہنچ جائے۔

۴۲

زنگنه

اختر مشہور

ایکھ مرہا تو اس پر کہ تہمت علیہ کا قتلہ ایلیہ واقعہ اسور کے
ساتھ ایسا پیشو آیا کہ اربہ مرتد ہر ذہر شکوہ ہر ذلک



آمین قلم کا حصہ بنادیا ہو، یا پھر وہ یوں ثوب پر موجود کسی کلمہ پر
کا کیریکٹر ہو۔

محض چند گز کے فاصلے اور چند لمحوں کے گزرتے ہی اہل
دم ایک نئی دنیا اور اک نئے ماحول میں داخل ہونے والے
حساس نا تجربہ سڑانی کو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

ذاتی کوں دن کا معرہ یاد آ رہا تھا جب کہ ایم اے
میں سے اترتے ہی اک روزہ خیر معطر سے نہ بیٹھا تھا۔
میں سے اترتے ہی ذاتی کوںوں کا اک جھوم پڑا
تجسس نے اسے موڑنا سیکل روکنے پر مجبور کر دیا تھا۔
برائے معلوم ہوا تھا کہ ایک لوڈروزی کا بھلا ناز بھنگ

ہرزور کا ڈائریور جیک لاکا جائزہ دینے کی کوشش کر رہا تھا کہ
ہوئے آنے والی کار سے بری طرح ڈنچی کرتے ہوئے کل گئی
تھا اس سے جس کار ڈائریور نے رکنے کی زحمت بھی نہ کی تھی مگر
اول کا جیکم ڈنچی کی مدد کو فتح ہو گیا تھا۔ خاص طور پر وہاں سے
گرنے والا برسٹرو سائیکل سوارز کی کج حالات کا جائزہ لیتا اور در
مقدور مجرا پتا چھوڑنے کی کوشش کرتا۔

اس وقت بھی کسی دینی سرپرے پر ایسے ہاتھ لگائے کہ اس نے اپنی زندگی اور بچے اپنے سے لگاؤ تھا کہ اس نے اپنے جانے والے لوگوں کو روک کر دیکھ کر کہا کہ اپنا دل جانے کی درخواست کر رہا ہوں۔ اس نے کہا کہ میں اس کے ساتھ راتوں رات جا چکا ہوں اور وہ اس کے معلوم کر رہا تھا کہ اس کے ساتھ راتوں رات جا چکا ہوں اور وہ اس کے دل کی بات آخراں پہنچے۔ ہم دوسری رات کو رہا۔ پھر جس پریسٹن تھا جسے اس نے دیکھا تھا اس نے میری زندگی ہو گیا۔

ڈوٹائی نے بھی اس پر خیر فرمایا۔ وہ نے کسی کو کوشش کی کہ وہ اپنے کے روتے کے ساتھ کہہ دے کہ وہ ڈوٹائی اس کی زندگی کو بہال سے جانے پھر وضاحت ہوئی کہ ڈوٹائی نے اسے ایسکس لے لیا۔ آن کی آن میں ایک ایسکس لے آئی اور دیکھ کر اس کے رات ہو گئی۔ دیکھ کے جانے کے بعد ایک موٹر سائیکل پر دیکھ کر اس کے بچے کو موٹر سائیکل پر بٹھا کر اس کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے بچے کو موٹر سائیکل سوار ماری کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ راتوں ہو گئے۔ ڈوٹائی بھی مطمئن ہو کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

ذوقانی کے لیے یہ مضر ہے، ماحول، یہ بھگم کوئی بھگم کے
 ذمہ کی۔ یہ اس کا چار اچھا قلم ہے اس کی اپنی ذوقی۔ یہ
 یہ ہے کہ لوگ تھے۔
 وہاں سے رات ہوتے وقت ذوقانی کوئی آیا کہ ایک بار
 کے ایک دوست سے اس سے سوال کیا تھا "کیا تم سکتے
 کر سکتی ہو سب سے بڑی سب سے محمد اور سب سے
 کے محمد اور سب سے کوئی ہے۔" یاد وہ ان کی اپنی اس کے جو
 کے "نسل اور مذہب کا خیال کے بغیر سب سے کرتی ہے۔
 کے کہ پوری کی چیزہ ہندوؤں کا خیال ہو تو وہ دے کہ حق
 کیوں کے مگر وہ نہ تھا، پتھر کا ہے۔"
 ذوقانی نے بہت سوچا بہت کی ہماروں کے نام کے مگر
 کے دوست سے سب کو سراسر کر دیا۔
 "اچھا اب خودی جواب بھی دے دو۔" ذوقانی نے نگہ

”وہ ہے کراچی کی موٹر سائیکل برادری!“ اس کے دوست نے انکشاف کرنے والے انکاڑ میں کہا۔ ”تم نے خود بھی مشاہدہ کیا ہوگا کہ سڑک پر اگر کسی کے ساتھ کوئی مسئلہ ہو، کوئی زخمی ہو، کسی کی گاڑی خراب ہو یا کوئی حادثہ ہو جائے تو ہرگز نہ سنے والا موٹر سائیکل سوار رک رک کر حجب مقدور ہد کر کے اوپر مہلکین ہو کر ہی وہاں سے آئے گا۔ ورنہ ہوتا ہے۔“

ہبات و دینی روزانی کے مشاہدے میں آئی گئی کہ
موفرا نعل سواروں پر کوئی مسئلہ دیکھنے ہی کے لئے تھے۔
ایسا ایک واقعہ روزانہ خودی کے ساتھ پیش آچکا تھا۔
ایک دن روزانی اپنے چھوٹے بیٹے کو موفرا نعل پر بیٹھ
بٹھا کر اور دروازے کی سیسٹم میں رکھ کر کہہ کر اپنے کمرہ لارہا
تھا۔ اس کے بیٹے نے بجائے روزانی کو چکارتے کے سوٹ کیس کو
مسکھالارہا تھا۔ وہ اپنے معمول کی رفتار سے گھر کی طرف
رواں تھا کہ ٹانگہ برابر سے گزرنے والی تیز رفتار بی بی بس
کے آگے چلے گئے۔ اس کا وزن خبر کاروں اور روزانی کا چٹا
سوٹ کیس کو کھینچنے کی قوت میں موفرا نعل پر بیٹھ
کمرز پر جاگرا۔ یہ تو آچھا نہ کہ جب وہ کمر کو سوٹ کیس
اس کے نیچے آگیا تھا وہ چٹ اور خراشوں سے محفوظ رہا۔ مگر
بیچے سے آجولی تیز ٹھیک کے بارے میں سوچ روزانی خوف
زدہ ہو گیا۔ یہ تو فراریسک لگا موفرا نعل رکھی۔ مگر وہ کمر
دیکھا تو بیچے کا مسٹر دیکھ کر وہ حیرت زدہ ہو گیا۔ وہ مقررہ پیش
آئی۔ اس کی آنکھوں میں غمزدہ ہو گیا تھا۔

ڈوٹائی نے دیکھا، اس کے پیچھے آئے دانے ایک آدھو سے
منہ دی رہی ڈوٹائی دالے جس نے اس کے پیچھے کے قریب
موٹر سائیکل روک لی تھی اور موٹر سائیکل پر بیٹھنے کے بجائے
کھڑے ہو کر اس کے پیچھے چڑھ جانے لے گا۔ وہ دونوں
گھبراہٹ سے پھلتاے ہوئے کھڑے ہوئے، خالی ہاتھوں سے۔ وہ پیچھے
آئے والی تمام ٹریک کروڑ لے گا۔ یہ تو خدائی مہر کی
تھی کہ پیچھے سے آئے والے ڈرائیور کو بھی روکنا اس کے پیچھے
چلتے ہوئے شاید وہ بھی مارا جاتا۔

اس شخص کی ہم دردی اور انسانیت دیکھ کر ڈوٹائی کی
آنکھوں میں آنسو آئے اور اس سے پہلے کہ ڈوٹائی موٹر
سائیکل سے اتر کر اپنے پیچھے کو لٹکا دے، وہیں موٹر سائیکل سوار
ڈک کر چلے گئے۔ اس میں سے ایک نے اس کے پیچھے کو
نگاہ اٹھا تو اس سے سائیکل منٹ ہاتھ پر لے آیا تھا لہذا ڈوٹائی
بھی آواز مارتا سائیکل سوار سے ملے گا۔

اور قومی سیاستچوں وغیرہ کی پوری لائبریری تیار کر لی۔
ہمارے پاس کرنا کی اقامت گاہوں، گولف کلب، بکس گھر
اور یوٹ باؤسز کی دل کش تصاویر کا ذخیرہ جمع ہو گیا۔ وہ
دست یاب کروں اور سٹیشن کے کرایوں کے موازنے کے
لیے ان اقامت گاہوں کے اداکاروں سے دو ماہ تک خط کتابت
کر کے بے پناہ سکین حاصل کرنا رہا۔

”جہاں تک آؤٹ لگ ہاؤس کا سوال ہے۔“ وہ اعلان
کرنا۔ ”وہ کمرے بکشت گاہ اور جی جی خانے کے چوبیس
ڈالر ماہ تک رہے ہیں۔ جب کہ بالکل اسی طرح کی اقامتی
سہولیات کا ریزر ہو کر سٹیشن میں صرف بیس ڈالر میں چس کرنا ہے۔ تاہم
کاروبار میں کوئی بیش کوٹ نہیں ہے لیکن دوسری طرف
آؤٹ لگ ہاؤس والوں کے پاس کیراج کی سہولت نہیں
ہے۔ جب کہ وہاں پانچو گئے کمروں میں ساتھ لانے کی
اجازت بھی نہیں ہے۔“

میں جانتا تھا کیٹ ٹینس کھیلنا نہیں جانتا جب کہ ہمارے
پاس گاڑی کی نہ تھی اور نہ ہی چوبیس ڈالر۔ لہذا مجھے یہ تعلیمات
اجتنابی فضول اور بے جا تھی لیکن کیٹ کو سمجھانے کی
کوشش کچھ زیادہ محنت افزا نہ ہوئی۔ کیوں کہ اس کے کہنے کے
مطابق اس کی قوت عمل اتنی زور تھری کہ وہ خود کو کافی طور پر یقین
دلا سکتا تھا کہ اسکی ہر چیز اس کے پاس موجود ہے جس کی اس کی
زندگی میں کمی ہے۔ نہ صرف یقین دلا سکتا ہے بلکہ اس کی ملکیت
کے احساس سے غلبہ اندوز بھی ہو سکتا ہے۔

کیٹ اپنے لباس پر بے پناہ توجہ دیتا تھا۔ یہ سوال اس
کے دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا کہ ان تعلیمات کے لیے اسے کس
طرح کے لباسات کا انتخاب کرنا چاہیے۔ جب میں نے کہا کہ
میرے خیال میں اس بارے میں غور مند ہونے کی ضرورت
نہیں، تو وہ ہنست ہنست۔

”مجھے ضرورت نہیں ہوگی۔“ اس نے کہا۔ ”اگر میں
تمہاری طرح نامی گیری کی کشتی کیجئے پروان چڑھا دوں،
میری جلد کی رنگت بھی ریلوے ٹرین لوگوں کی طرح چمک
داتا ہے جیسی اور بال گندم کے کپے ہوئے خوشن کی طرح
سنہری ہوتے تو مجھے بھی لباس کی پروا نہ ہوتی۔ سڑا جتنی
بے کرم بالکل اسی ایسے انگشتانی نواب جیسے دیکھتے ہو، جس
نے عام آدمی کا ہمیں اپنا رکھا ہو۔“

میں نے بھی کوئی انگشتانی نواب نہیں دیکھا، ہمیں میں
اور ہمیں جس کے بغیر۔ مجھے اعتراف ہے کہ مجھے دیکھنے

کے ہوئے ان واقعات میں سے صرف نصف پر یقین کر
سکتا ہوں۔ میں کچھ کہہ رہا ہوں نا؟“

مجھے ڈھٹاکہ کہیں میرا جواب اس کے جذبات بخروج
کر لے۔ میں تذبذب کی کیفیت میں تھا لیکن اس نے
میں سے سوال میرے جواب کا انتظار نہیں کیا۔ ”تو اس تقریبی
درجے کے دوران میں تم کیٹ کو اپنی آنکھوں سے مصروف
دیکھ لو گے۔“ مجھے میری زبان پر جانے کی ضرورت
تھی کہ اس نے یہ دیکھو گے کہ کس طرح ایک کے
معدہ دماغ و پھر خود کی میری طرف آئے گا اور میرے
حواس انعام کو پہنچے گا۔“

وہی تعلیمات کا آغاز ہمیں خبر سے ہونا تھا لیکن ہم نے
لگاتار سے ہی منصوبہ بندی شروع کر دی تھی جس کا سلسلہ
درجہ سے جاری رہا۔ اس کے ایک رات پہنچ کر باہر رہا۔
اس کی شکل جتنی کسٹنڈن کے شان میں وہاں غیر پورٹ
پر اعلان چڑھا تھا اور اب مجھے ملک کی ہیک سے لب پر
پاسی ہوا تھا جس بارے میں سمندر اور بحر کی یادیں
میں تھری تھیں۔ اگرچہ وہاں لنگر انداز ہونے والے اکثر بحری
زیارت ڈھونڈنے پر مامور ہو کر آتے تھے لیکن میں سمندر کے
لہار سے نیم دراز ہو کر ان کا نظارہ کرنے اور اپنی ایک سترلی
حال پر اپنی فکری میں، موجود سے دور دنیا کی لیے بے

تاب تھا۔ کیٹ نے احتجاج کیا کہ وہ جگہ چھٹاں گزارنے یا ہم
فرار کے لیے موزوں منزل نہیں ہے۔ وہ میرا پورٹ کا ذکر کرتے
وہی تھیں۔ ”اس کا کہنا تھا کہ گھوٹوں اور سٹیوں کی تلاش
کے لیے کوئی شش نہیں رکھیں۔ اسے اندیشہ
تھا کہ میری اپنی گیری کی کشتی کی فخر آبی یا کھڑوں سے لدا
پھر اٹھنا۔“ پھر چوٹ میں ہمارے لیے ایڈ دہرے سے ہم کنار
کے کس جکی مواقع ہوں گے اس کا ممبرا تھا کہ میں
بازاروں کی طرف جانا چاہیے جہاں قدم قدم پر ایڈ و پھر مارا
منہل کر رہی ہے۔

جون جولائی اور اگست کی بے خواب اور میں زندہ
میں بنے اسی طرح کے اختلاعات اور تعلیمات پر بحث
میں گزار دیں۔ نیویارک سے پانچ سو میل کے
غور کوئی ایسا کرنا کی سیاسی مقام نہیں تھا جس پر ہم
غور و خوض نہ کیا ہو۔ کیٹ نے معلومات کی فراہمی کے
لہذا اور نیویارک سے نکلنے والی تمام ریل لائنوں کے
موس سے حاصل کردہ ریل کے نظام الاوقات، نقشوں



جینی: "اے! میں جنو پہنوں گی۔"

ہاس: "تمہیں بیٹا کو کھیلنے کے لیے؟"

جینی: "اے! میں بیٹی اسکرٹ پہنوں گی۔"

ہاس: "میں تو بیٹی! کچھ پہنوں گا!"

"ڈاکٹر صاحب! میرا علاج کریں۔ میرے ہاتھ بہت زیادہ دھبے ہیں۔"

"کیا تم زیادہ شراب پیتے ہو؟"

"جی نہیں، زیادہ تر چائے ہے۔"

"میرا جگر میسجسٹ آ رہا ہے۔ پیوے کی جین کہیں اندر چھپا ہوا؟"

"کیوں؟ کیا تمھارا دوست چور ہے؟"

"جی نہیں، وہ اسے دیکھے گا تو پھانسی لگاے گا!"

"آپ آج ڈاکٹر کے پاس جانے والے تھے؟"

"ہاں، راضی جاؤں گا۔ آج وہ طبیعت نماز ہے۔"

قاری: "ڈاکٹر صاحب!"

جینی: "ہر ماہ میں دواں سے جانے کے لیے قدم اٹھا لیکن میں نے ایک اور سوال کر کے مجھے روک لیا۔ مجھے اس کے بارے میں کوئی چیز نظر نہ آئی لیکن ایک جگہ میں لکھا ہے کہ میں نے صرف مجھے مدد کے لیے سوال کیا ہو۔"

اور وہ عجیب سی کھینچ کے لیے سوال کیا ہو۔

"میرا دماغ میں پانی چھپک رہا ہے؟"

میں نے اسے بتایا کہ وہ آگ بجانے والی مٹی ہے جس کا علاج پانی اور ٹوئین کی آڑ میں کرنا ہے۔ جیسے جیسے جہاز دماغ کے گزرتے گزرتے میرے اندر میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور میں نے اسے "خبرہ آڑاؤی" گور کے جزیرے اور

بھوکھن سے کھانے سے حصار فرمایا۔

پھر حقیقت بظاہر اس کے لیے تغلیب پریشان نہیں تھی کہ وہ ایک ایسی سے تم کلام ہے۔ جیسے پورا زمین پر ہر لوگ اس سے

انکر دیتے اپنی ہی نہیں کتنے ندی اس کی کھینچ کے لیے غلطی میں جتا ہوں گے۔

جس سے اسے اتنا تاننا تاننے کے بارے میں سوچا۔ پہلے

فوق خیال سب جذب محسوس ہو کر مجھے لاکھ بے خود گاہیں

پہنوتے کے مترادف ہو گا کہ وہ صرف نیویارک کے

رہنما کی حیثیت سے مجھ میں دل چسپی لے رہی ہے۔

میں نے غصہ بغیر یاد سے گزرتے ہوئے میں نے وہاں

لکھا تھا کتنی جہازوں کے بارے میں اسے بے چارے جوش انداز

میں تقصیل سے غلطیاں کیں لیکن گھر کو گناہ میں مدد

فرمائی یا دعا ہوں۔ "کیا تم بکری فوج میں ملحق ہو؟"

یہی ذرا ذہین کا پہلا سوال تھا۔

"میں اپنی بکری کی کشتی چاہتا تھا۔" میں نے بتایا۔

"میں جوش ایڈ کار کی کشتی کے دفتر میں کام کرتا ہوں۔"

میں نے جواب دے کر اسے بے حد اذیت پہنائی ہے

وہ جا کر گیا ہے اس نے ایک بکری بکری سے جو میرا کھانا

"میں دفتر میں کام کرتے ہو؟" ایک ایک اس کی آگ میں چمک

میں جیسے اس نے میری بکری بکری کی ہو۔ "تو تم خود کو اتنا

توانا اور چاق چمک چمک رہے ہو؟" اس نے بلانچک پہ چو

پہنوتے کی بکری میں دوسرے مرد سے میرے بچے، مجھے خودی

اس کا قہقہہ کہہ سونال کرتے ہوئے اس کی نظریں میرے منہ کی

پارکڑ کر دی ہیں۔ جیسے اندازہ دہاری ہوں کہ ضبط خانوں

الایا سب تازی کتاؤں کی کھینچ کے استطاعت رکھتا ہے۔

"میں نے کبھی مرید پہلے پھانسی لگا کر مارا ہے۔"

ہاتوں میں بکری نہیں ہوتا۔ اس کی حیثیت اتنی مستحکم ہوئی ہے کہ یہ جوں کے تو گزرتے ہیں۔ مثال کے طور پر کیا تم توجہ دے کر وہاں ہی رہا تھا؟"

میں نے کہا کہ میں نے اس بات پر توجہ نہیں دی۔

لیکن اسے ان خیالات کے لیے سناؤں گا کہ میں خود کو

جوں کی بلانچ سے تعلق سے کھن زیادہ مہم تھا۔ وہ اس وقت

بھی ایسا ایک سنگاری بنا تھا اور جیسے جیسے وہ چل کر چھوٹا ہوا

تھا، کھن اس کے چلتے سر سے کڑو ایک لکھنیا ستر اڑھیا

سے نیچے کھانا بنا تھا، ہم اب اس نے اپنے سگڑا کو بڑا

نظر میں دیکھا اور اسے غصے سے کڑی پھینک دیا۔

"میری کڑی سنبھالے رکھیں، میں نے پانی سے لگ

آتا ہوں۔"

میں نے کڑی پھینک کر کتاب پر نظریں گاڑ دیں۔ لیکن مجھے

خیر سمجھ آ رہی کہ اور حقائق دکھائی دے رہے تھے۔ وہاں

موتی صورت مجھ پر سایہ کیے ہوئے تھی۔ میں نے چھپکار نظریں

کتاب سے اٹھائی تو سب گارہ گارہ دی۔ لڑکی میں میرے ساتھ

موجودی پیکل صورت کی دوسری طرف ان چاقو کھن نے مجھے

کڑی سے اٹھا کر لڑکی کی پڑا کر اس کی کشت میں اس کی

طرف متوجہ کیا۔ لیکن میں نے بد وقت کو سنبھال لیا اور میرے

ہینے انکر کھن سے چمکنا میں وہاں سے رخصت ہونا چاہتا تھا

لیکن اس حسی نظریں نے مجھے کھن کا حکم دیا۔

میری جمران نظریں کی دیکھ کر اس کے پاس کے چہرے

پر جرات ہوئی لیکن وہ دل کی اس دردان میں مجھے اوروں کا

جاتی ہو یا میری اصل ایسی کسی اٹھنے کی یاد دلائی ہے جس

سے وہ برسوں سے آشنا کیا گیا ہے اور وہاں وہاں سے اس کی

گاد سے، ہوا کیوں کہ اس کی نظریں میں کھن تھی۔ اس

کے نیویارک کی ایک ملک اس کی غارت کی طرف اشارہ کر رہی

ہوئے کہا۔ "آپ تاکتے ہیں میرا کام کیا ہے؟"

اس کا سوال ثابت نہ کرتا تھا اس کا کھن سے متاثر کیا کہ وہ

صرف اپنی لکھنیا نہ تھی تھی۔ اس کا لکھنیا نہ تھا اور اس کا

آؤ تھا۔ اس کا پچھلے سارے سوال میں کھن کے سر سے کھن کا

کھن پہنچا تھا۔ میں نے اسے عمارت کا نام یاد دلا دیا کہ اس کا

دماغ میں قہقہہ نہ کرتے نہ پر وہ اس سے یاد دلا دیا کہ وہ

خانہ کا نام نہ دے سکے۔ وہ اشتیاق سے میری بات پر

وہ دل چسپی بکری چمک دار آگھوں سے مجھے دیکھتی

رہی۔ مجھے خردی ہی ہوئے کی اور اس خوف سے کہ میں

وہ تیزی سے اپنے کین کے طرف لپکا۔ وہاں کینوں کو اس کے

سز پر کڑی زبردستی لپٹا بیٹھا تھا۔

چند لمحوں میں کھن کو رام کر دیں۔ ہاں تو جو ان

سے چھوٹے کھن کا صاف کھن کا رہا تھا کہ ہاتوں کی بیش تر سے

دار کی کھن نے اپنے شانوں پر اٹھا رکھی ہے اور وہ جو ان اس کی

ہاتوں پر تو براہ روبرو ہے پچا دہن میں اس کے بجائے اس کی

نظریں مسافروں کے جہاز پر سوار ہونے کے قبل پہنچی ہوئی

تھیں اور جب اس نے اپنے تمام مراکب کو جو ان کا لڑکی کے

ساتھ جہاز میں لے آئے دیکھا تو اپنی جگہ سے اٹھ کر دین چمک

کھن پر ایک نظر ڈال کر وہ بار بار کڑی سی خوش گیا۔

وہ لڑکی ہلا کی خوب صورت تھی۔ قدرتی کین کا شاہکار!

اس کی دیکھنے دیکھنا جانے۔ قدرتی کین کا شاہکار!

آکھیں کھن جی نہیں۔ مجھے لگا کہ اس کے رعب جمال

سے ہر آدمی رنگ جائے۔

قدرے وقت کے بعد اس کی بار بار دین والے بہت

کا رنگ تو جو ان اٹھا اور سر کی پیش سے کھن کا لوداں کہہ

کرے۔ میں نے ان کی اس لکھنیا سے اسے اٹھا دیا

کے پیچھے چل دیا۔ میں شہری ڈانوں والی اس حیدر کو بار بار

دیکھنے خواہش پر تکیا ہوا تھا۔ مجھے یہ مطلب نہیں تھا کہ

وہ مجھے دیکھے۔ میں نے اپنی پہلی کھن کی کھن کی تھا۔ لیکن اس

سے پہلی کھن نے مجھے اپنی طرح حیرت انگیز تو نہیں کیا تھا۔

اس کی تلاش میں مجھے جہاز کے ایک سرے سے دوسرے کھن

سرگردا ہونا پڑا لیکن وہ دل کی اس دردان میں مجھے اوروں کا

ہوا کہ میرا طرز عمل کتنا خیر تھا نہ تھا۔ یہ احساس ہوتے ہی

میں اس ارادے سے تیز رفتوں سے اوپر اٹھ کر غصے پر پہنچا کہ

خود کتاب کے مطالعے میں غرق کر دوں گا۔ اس سے وہ کین

چہرے میرے ذہن سے اوجھل نہ ہو تو کم از کم میری گستاخ

نظریں اس سے ختم ہوں تو جو ان کی چھڑی ہوئی آرام کر

سنبھالے ہی اٹھا دلا کھن نے مجھے ٹوکا۔ "میرا وہو مجھ سے

کھن کھن بکری دل چسپی لے رہا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ کھن آئے۔"

مجھے حقیقت معلوم کی تاہم میں کڑی پریشان تھا۔

"اگر یہ ہو جائے کوئی شخص زادہ ثابت ہوتا تو مجھے قطعاً

حیرت ہوتی۔ اس نے کہا۔ وہ بار بار کھن کا شاہکار

اور اس کے اطوار اپنی مہذب ہیں۔" اس نے حیرت مضاحف

کی۔ "ایک خاندانی کھن کی طرح چھپنا چاہتا ہے۔ ان کی

جذبات کا اظہار نہیں، محض چہرے کا ایک رسمی ماسک جیسے کسی فوٹو گرافر نے کہا ہو ”ذرا مسکرائیے۔“ اور وہ مسکرایا ہو۔

”ہمارے مشنئی خیر اندیشوں کا آغاز ہو چکا ہے۔“ اس نے سر ہنسی سے
 کیٹ جانے سے مشنئی خیر اندیشوں کے بارے میں سن کر
 دلاخانیہ خیر اندیشوں کی شریعت ہو چکا تھا۔ اس میں اس نے
 سے ملاقات تھی۔ زندگی کا سب سے دلورہانہ واقعہ تھا، اور اس نے
 کیٹ اور اس سے ایک دو کبریاؤں پر مشتمل تھا۔
 کاغذ پر کیا تھا تاہم اس میں اس معاملے کے بارے میں اسے کیا
 مکی جانے کا دلائل اور تھا۔ جس کی مثال کی شریعت طلب ہو سکتی
 جہاں اس نے سرخوشی سے ہر طرح کی مخلوق کو بھونکا۔ اپنے
 میں وہ ساری چیزیں اور لوگوں کا اس کے لیے کیا تھا کہ وہ اس
 کی جادو دیا تھا۔ جس کو اس میں شریعت نہیں کر سکتا تھا۔ سب
 بہت سی چیزیں تھیں۔ خیر اندیشوں کا مقصد!

[illegible]

کینٹ کی زبان سے اس لڑکی کا ذکر بھی محل پر ہاتھ پڑا تھا۔
اس کی زبان بند کرنے کے لیے میں نے مختصر کہا۔ ”وہ مجھ سے
مگر بلڈنگ کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔“

”اوہ؟“ اس تو میں کہہ رہا تھا۔ یہ دونوں انھیں ہمارے کیمپ
کی کوڑی کے قریب کھڑے تھے۔ میں نے اپنے باپ کی تلاش
کے دوران میں اس امر کی رائے کے آواز نہ دیا۔ وہ کافی عرصہ اور
میں کہہ رہا تھا۔ میں نے جسکے بتایا ہے تاہم یہ جہاز اور ہے۔

2 فروردی 1390

—


میں نے تھمائی کی جادو ہے۔ تم لوگ اس وقت تک محفوظ رہیں
جب تک نیا دروازہ سے دور نہیں چلے جاتے۔ فوراً اسے کھینچیں
میں اس پر زور دوں گا کہ حضور ہونے کا انکشاف کر کے لے گیا۔
میں اس کی توجہ دوں گا۔ یہ سنگ اپنا کرے۔۔۔۔۔

کیونکہ اسے اچھی بات میں اور انسانی تاثر پیدا کرنے کے لیے
توجہ دے گا۔

”اچھا۔ میں نے کہا۔ تو پھر اس میں کیا ہے؟“
 ”مگر پھر جو ہے اس میں کیا ہے؟“ وہ دم توڑ کر میری نظروں
 میں مجھے دیکھتے ہوئے چلا۔ ”اس میں میری ان کی کئی بات نہیں
 کہ میری ایک اور چیز ہے دو چار نہیں ہوتے۔ تو بالکل سامنے کی
 بات ہے۔ یہ لوگ مسافر و مہاجر ہیں۔ خصوصاً انھوں نے لڑکا ہے
 جس کی نظر میں سے پوشیدہ رکھے تو کبھی کی جارہی ہے۔“

مجھے صرف اس باریکی کی طرف توجہ نہیں ملے
 تھا۔ یہاں پر اعتراضات ابھڑ رہے تھے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ
 "میں نہیں" کہہ کر تقریباً چار سو سالہ "کتابتِ نام" سے
 نام مجھ کو چھین کر خود کو مل سکے؟ میرے اس طرح کے نام سے
 کینٹ کی طرف سے دو آرتھری خانوں کے کامیوں پر
 حرام توڑی تھی جسے میری گلی کی ایک اور لکھی ہوئی
 نام لکھ دیا جاتا تو میں فوری طور پر اس کی مخالفت کرتا لیکن
 کینٹ سے براہِ روبرو خدو ہوتا نہ تھا۔ میں نے اسے فوری
 کر کے حاکم کو کہہ دیا کہ وہ اپنے خدو اپنے نام کا نام سے
 کر کے شیعہ باندی کے کہتا ہے اور اسے خدو اپنے نام کا
 کر کے اے معصوم لوگوں کے کہتا ہے ہونے کا تین دلاتا ہے تو
 دوسری طرف زیرِ حین ٹرین میں کسی خانوں کے لیے اپنی
 خدمت پہنچانے کے لیے کسی کو یہ اعتراضات کیا کر رہا ہے کہ وہ
 فون در اس ایک سے کسی ایک نام رہتا ہے جو حضرت زہ

”کیا راجا“ میں سے اس احتجاج کیا۔ ”لوگ محرم نہیں ہیں۔“
 میں نے اس آزمائشی طرح سے بات کی ہے۔ اس میں اتنی
 دلچسپی ہے جو کہ کوئی غصے کے لیے دھکا دیتی ہے۔“
 ”ہر طرح سے دشمنی کی عمرانی کی جارہی ہے۔“ کینٹ نے
 جواب دیا۔ ”کیا کسی دیانت دار شخص کو اس بات کی گھر دینی ہے کہ
 اسے دشمنوں کی عمرانی کی جارہی ہے؟ نہیں کیا جائے
 ہے؟ کیا تم ہو اور کہتے ہو؟ اور کیا تم نے خود ہی کہہ
 دیں کہ ساتھ جو مشکوک بارود اس کی چھوڑا کرتا تیار ہے“





١٠٠

بلاشہ میں نے اس بات پر توجہ دی تھی اور مجھے یہ بھی یاد تھا کہ اس شخص نے اس حسینہ کو کہا تھا۔ ”یہ اب کس بات پر بھڑکنا یا ناہوا ہے؟ اس نے کہا تھا کہ جہاز چلنے کے بعد میں مرے پر آ سکتا ہوں۔“

یہ الفاظ اسی باتوں کی تصدیق کر رہے تھے جو جیوف نے
 انہیں لیکن میں وہ سب کر اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرنا
 چاہتا تھا۔ "ہوسکے، وہ عدالت میں ملٹی کا حکم نامہ وصول
 کرنے سے بچنا چاہتا ہو۔" میں نے رائے پیش کی۔ "مشاہدہ
 بحیثیت گواہ مطلوب ہو سکتا ہے، یہ دوائی استغاثہ ہو یا اس
 کے ذرا بیورے کی نگہ راندی ہو۔"

”کیسے نہ تھی میں سر ملایا۔“ عارف رٹا۔ ”اس نے کہا۔“ ”میں مجھے ڈپے کے قوت میں سے بے بہرہ ہو رہا ہوں۔“ عارف فراموش ہیں۔ خطرناک کجزم اور مرد عورت ان کی سہیلی ہے۔ میں نہیں جانتا انھوں نے کس واردات کا ارتکاب کیا ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ جان چکا ہوں جو انھیں شکوک کرداروں کی حیثیت سے گرفتار کرنے کے لیے کافی ہے۔ ”کہ مجھے تو قوت کے بعد اس نے دانا ہی شے نہ کہا۔“ ”سفر ان کے

کرے گا کہ جیسے ہے اس کی کڑی گلایہ کی گئی کہ اس کو
 دوسرے کے بدلے اپنی اگلا لگا کر اسے درج تھے۔ نے اپنے فرضی
 مسافر فرقیں کیا کہ وہ ان لوگوں میں ہرگز سے تھے جو
 کیا کیا کام کا جو پرہیزوں کا تھا۔ اس سے تھے طلبہ
 کہیں چھپا رہا ہے اور وہ لوگوں کی نظر میں آئے اسے
 کیا کیا کام کا جو پرہیزوں کا تھا۔ اس سے تھے طلبہ

[illegible]



”مجھے ہونا ک اور تان کن تھلا تھا اور ہے ہیں“

”ہم بھی جوتا جاتا ہے ہیں۔“ آلفرد نے دانت سکھنا کر کہا۔ ”یہ ہر حال، ہم نے آج رات کے لیے تم لوگوں کا ٹھکانہ روک دیا ہے۔ تم کل پولیس کے سامنے اپنی صفائی پیش کر سکتے ہو اور وہ تمہارا دستہ“ اس نے دھن دھن کی آواز میں کہا۔ ”ہاں میں جہاز پر ہر ایک سے کہتا ہوں کہ وہاں سے کہہ کر لاؤ اور یہی وہ خواہے ہمارے پاس بھی اس نے بے تحاشا اندر سے گونگی کی ہے جو یہ بات کہنے کے لیے کافی ہے کہ وہ خود بھی بھل سا ہے۔“

پوری جگہ میں پوری بات آگئی تھی دل چاہہ رہا تھا کہ اسے گھونسے سے معاملہ نکلنا لیکن وقت کا تقاضا تھا کہ اس آتش کیٹ کی جان بچانے کے دماغ استعمال کروں۔ میں نے ہاتھ پرے لڑی سے قبضہ کیا اور ہر قسم کی طرف مزاح۔ ”اوہ اچھا تو یہ بات ہے اچھے پہلے ہی بچھ لینا چاہیے تھا کہ کیٹ کا کیا رہا ہے۔“ میں شب آلفرد کی طرف مزاح۔ ”میرا دوست بھیٹے تھے لمبی مذاق کا لڑکا نہ ہانا ہوتا ہے۔ وہ آپ سے بھی ملائی کر رہا ہے۔“ وہ نہیں جانتا تھا کہ آپ لوگ ہیں۔

”کیا واقعی؟“ آلفرد دھاوازا اس نے جب میں ہاتھ ڈال کر کھانا کا ایک بڑے ڈسک کا۔ ”دیوگو۔“ وہ نے میری طرف لہراتے ہوئے چٹا۔ ”یہ اس دائرے میں پٹام کی نقل ہے جو میں نے اپنی تصویر کے پورے پورے پورے چھک چھکایا ہے۔“ اس نے دھمپنا ہوا آواز میں کہا۔ ”میں آواز بنا رہے ہوں۔“ اس نے جہاز پر داخل سا موجود ہیں جن میں سے ایک خود کو میرے ہونے والے بہنوئی لاؤ اور آئیو کی کیفیت سے چٹا کر رہا ہے جب کہ اس کی ایک کھڑکی ہاتھوں سے۔ جب کہ کڑت ماب لاؤ اور آئیو بذات خود جہاز پر موجود ہیں۔ جہاز کے کنارے لگتے ہی ان لوگوں کی گرفتاری میں پائی جاتی ہے۔ وہ خود دستاویز دائرہ کریں گے۔ جہزی قلم آلفرد۔“

”ایک اہل کار نے پیغام دیا کہ جہاز کا قسم مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ میں نے شین کے دفتر پہنچا تو وہاں سے اس امریکی دوست ہارٹر کے کیمپ کے دارا اور ہم کو وہاں حق پانے میرے پیچھے رہا۔ میرا نام جہزی قلم آلفرد ہے۔“ اس نے جھپٹے اور کمر کھینچے مجھے مخاطب کیا۔ ”کیا تم اپنا نام بتاؤ گے؟“ اس کا بوجھ ہے کہ وہاں ایک لگا۔ جب کہ ایک انجینی کی طرف سے بازپس کے لیے بھی مجرم کی گرفتار تھا۔ ”آفریکس؟“ شین نے مخاطب کیا جاتا تھا۔ ”میں نے آفریکس؟“ ”کیوں کہ۔“ آلفرد نے کہا۔ ”میں پناہ دے کر تم آج ہاوس کے مالک ہو جن میں سے ایک ہاوس معزز میں کاہی ہے۔“ اس نے انجمن کی طرف اشارہ کیا۔ ”یہ جیتنا چاہے ہیں کہ میں ان کا کیمپ استعمال کرے گا۔“ اس نے انجمن کی طرف دیکھا۔ اس نے مجھے اسے اپنے ہتھ میں سکرٹ میں سے نوازا جو وہاں چارے پر سجائے رکھا لیکن آلفرد کی طرف سے رش ہری شیلوں سے گورے جانے اس نے مجھے سے ہونٹ نکالے۔

”میں نے اپنے ذاتی نام کے علاوہ بھی کوئی اور نام استعمال کیا ہے۔“ اس نے کہا۔ ”اور مزید کہ۔“ میں نے خوش گوار کیے ہیں بات آکے پر بھائی۔“ اگر مجھے کوئی بات تھیں یا کسی ہوتا تو کم از کم انجمن جیسا سمجھتی تھیں ہم جڑ نہ ہوتا۔“

آلفرد کا چہرہ کسی نے سانس کھینچ لیا ہو۔ ”ان کا نام انجمن نہیں ہے۔“ وہ ہراسی سے چٹا۔ ”یہ آئیو کی بات ہے جانشین ہیں۔“ اس نے وہی ہوگی کہ میں نے سن کر بھوکھا جاؤں گا اور مجھے واقعی حیرت ہو گئی تھی۔ میں نے دل میں پوری لہروں سے آفریکس کو اب زادے کو دیکھا۔ آلفرد نے میری خاموشی کا غلط مطلب لگا لگا اور توجہ لے لیے جس میں خوش گواری کی تنگ بین میں نہیں تھے جھوکا۔ ”جو کچھ مجھ میں آیا تمہارا ہے۔“ اس نے اپنی مخصوص انداز میں دہرائی۔ ”میں نے انگریزوں کی آئیو کے دل میں ہمدانام ہی چرانا تو تھا کم از کم جہاز تو کوئی اور منتخب کرنا تھا۔“

”معاذ اللہ! کیا یہ خوب تھا کہ میرے ہٹے پر ہیرت غالب آگئی۔ میں نے سچ سے کہا۔“ لیکن مجھے لاؤ آئیو کا ہمانا نے کی ضرورت کیا ہے؟“

”میں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ اگر تم اپنے طور پر ایک ایسا ہی خواہش کر سکتے ہو اس کے ساتھیوں کی گرفتاری کے دوران میں آفریکس نے میں سے مدد سے کہتے ہو۔“

”تمہاری طرف سے اس کے لیے مجرموں کی ساتھی اصطلاح استعمال کرنے پر مجھے سخت اعتراض ہے۔“

”جہاز۔“ آفریکس نقل کر رہا تھا۔ ”وگ مجرم ہیں بھی تو ان کی گرفتار کرنے سے تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟“

”میں نے نظر اس جڑ سے چک نہیں۔“ آفریکس ہاتھ کے بارے میں سوچا اس کی گرفتاری کی خبروں سے میرے ہاوس کے۔“ اس کا مکمل اسے اخبارات کی جڑوں میں لگا رہا تھا۔ ”کیا ثابت آفریکس کا۔“ نیو راک پولیس کی آنکھوں میں داخل ہو چکا کہ گرفتار ہونے والے لاجپور کا کشمیر کے دو بڑے گورہ کی گرفتاری کے نتیجے میں گرفتار اس کے کچھ سے میں گھر نمایاں تھی۔“ وہ ہلکا ہے۔ وہ میری تصویر میں چھپا دیں۔“

”مجھے کیٹ پر مشدہ وعدہ آنا ہے تمہیں درحقیقت مجھے اس کی جتنی کیفیت پر ہم آ رہا ہے۔“ اس نے ایک سارلیٹ جاتا تھا اور اس دوران میں مجھے اور ایک ہوا تھ کہ اس کی بن آ رہا تھا۔ ”میں یہ معلوم نہیں کرتی ہے۔“

”جو۔“ اس نے کہا۔ ”تم نے آپ کو بہت بڑی مشکل میں ڈالنے والے ہو۔ اگرچہ میں تمہارے اس ایڈوکیٹس میں نہیں ہوں لیکن تم جانتے ہو کہ میں تمہاری کوئی دھمک نہ ضرور کروں گا۔“

اس نے میرے گھر پر ادا کیا۔ ہم دونوں نے جہاز کی تمام گاہ کا گڑ کیا۔ وہاں میں ایک فریج میں جڑ پر سینہ کاٹنے اس اور ایک تو جہاز سے تیار ہوا جان لڑائی۔ ”مجھے کہہ دو کہ میں لوں پر ایک بار پھر سکرٹ ہوا تو ہم باقی اس کے قسم میں شک و شبہ کی جگہ کی۔ جب کہ اس کے برعکس امریکی فوجان کے ذہن میں بھی طرح کا اشتباہ پائی نہیں تھا۔“

”وہاں سے خوں خورائے تھوں سے مجھے اور کیٹ کو گورہ ہوا۔“

”میں نے فادر ہونے کے بعد کیٹ میرے روکنے کے باوجود امریکی فوجان سے کپ شپ کرنے کھینچا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ اس کی زبان کھلانے کی کوشش کرے گا۔“

”شاید کوئی کام کی بات معلوم ہو جائے۔ میں اس کی ساتھ بیٹھا چھوڑ کر میں نہیں سن آ گیا۔“

”میں جگہ ایک جگہ تھکے ہوئے جب میں لیکن میں تھا تھا جہاز

”مجھے اس کی خیال آ یا اور مرشد گمانے مجھے گھر میں لے لیا۔“

”تم نے بہت غلط حرکت کی۔“ میں چلا گیا۔ ”تمہیں ایسا کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ تمہاری غلط بیانی ہم دونوں کو کسی ناخوش گوار صورت حال سے دوچار کر چکی ہے۔“

”تم کی بھی طرح اس معاملے میں ملوث نہیں ہو۔“

”کیٹ نے احتجاج کیا۔“ ”نمبر نو فورڈ پیچھے تم جہاز سے کھسک جانا اور ہوں میں میرا انتظار کرنا ان بدحاشوں سے نفرت کرنا تم سے آں لوں گا۔“

”نفرت کرنا۔“ میں چلا گیا۔ ”تم ان کے ساتھ کیا کرنے والے ہو؟“

”میں گرفتار کر دوں گا۔“ کیٹ نے غصے لکھے میں بتایا۔ ”مجھے کسی کو دیر نہیں ہے تمہیں ان کی شکریہ ہو۔“

”میں تمہیں کھسک سکتا۔“ میں نے کہا۔

”میں ایسا کر چکا ہوں۔“ کیٹ نے جواب دیا۔ ”انجمن گرفتار کھسک میں نے نیو بڑے فورڈ کے پولیس چھٹ کا طیارہ بھیج دی ہے۔“ اس کے کچھ میں بلا کا تھا تھا۔ ”کہ گوری پر مجھ سے ملو۔ میں نے دائرے کا استعمال کیا ہے۔ یہ ہر میری طرف سے بھجا گیا پیغام۔“

اس نے جیپ سے ایک رتہ بردہ کر دیا اور پلٹ کر دوائی لکھے میں پڑنے لگا۔ ”بگ امپر جہاز کی آمد کے وقت گوری پر مجھ سے ملو۔ نیو راک پولیس سے اور ہونے والے دوسرے مجرم جہاز پر موجود ہیں۔ میں ذاتی طور پر ان کے خلاف اخراجات کا تذکرہ گا۔“

”میں نے ابھی رات آفریکس احتجاج کیا۔ میں نے صاف صاف کہہ اس کا طر عمل دہرے۔“ متعلق اور اشتعل انگیز ہے اور اس طرح کے کئی بیٹوں کی بنیاد پرانے سنگین الزامات کا ذکر کے دہرائی کا دوائی کو گھومت دے گا ہے۔

”یہ سب سن کر وہ رادھی دیکھ لیا۔“ ”تو میں یہ سمجھوں۔“ اس نے اپنی حالت کو لکھے میں کہا۔ ”میں تم ان کے خلاف کارروائی میں حصہ نہیں لیتا چاہے۔“

”ان حقائق سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ تمہیں اس ایک دل خانہ کو پریشان کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔“ اہل حیرت چاہے ہو انجمن پولیس کو تھک دے کہ تمہیں غلطی ہوئی ہے۔“

”میں ان مختصر کو گرفتار کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔“ کیٹ نے سخت لکھے میں کہا۔ ”میں نے اپنے پیغام

مجھے ابورک ہوا کہ یکے بعد دیگرے دو عدد منشی خیر بیانات کی وصولی اور منشی الصباح جیسے بچے سبز چمڑے گروہ پر جہاز کے استقبال کی وصیت نے پولیس چیف کی حالتی حالتی انتہائی نفرت گہری ہوئی کہ کسی کو بھی گرفتار کرنے میں جھگڑنے سے گریز نہیں کرے گا۔ اور اس حال سے اس کا انتحاب یقیناً میں ابورک ہوں گے۔ لاکھ احتیاط نہ کی لیکن یہ سب ہمارے لیے شہرہ فرمندی کی باعث بن گیا تھا۔ قضاہ میں لارڈ آئیوئی سے خطاب ہوا۔ "یہ سراسر غلطی کا نتیجہ ہے۔ آپ سرکینٹ کو بلائیے تب تک میں معاملے کی وضاحت کرتا ہوں۔"

لارڈ آئیوئی نے جواس دروان میں شریعہ بجز اہری کا شکار ہو چکا تھا، سہرا سے ہونے سہرا ملا۔ لیکن آ لڈریج کوئی شخص مجھ سے کوئی تائید تھا۔ اس نے خطرہ اظہار کیا تھا۔ "سرکینٹ اسے سنیں میں اب جب ایک اہل کار دوڑاؤں اور دھڑکی کی گھنٹی اب گھر باہر چل کر پولیس کے سامنے وضاحت کر سکتے ہوں۔" لیکن میں قیدی رہ کر کہہ سکتا ہوں کہ کیا تم نے سرکینٹ کو جے بارے میں قانون کیا کہتا ہے؟

"مجس دہان یا پینڈس کیا گیا ہے۔" "ہم نے دفاعی نیچے میں کہا۔" جب آپس بچا کر اہل کاران کا چھپا کر ہے

ایسا ہوا ہے کہ میں نے چلے گئے۔"

اور اگر میں نے کسی کو اپنا چچا کر کے بڑا لڑاؤ تھا کہ پانی میں پھینک دوں گا۔"

میں نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ میں نے غریبی علم تھا کہ میں غریب نہیں ہو سکتا۔ دو ہولگ تو میری روایتی سے خوش دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے پچھلے کینڈ بھیجے کہ کانسپل سے بیٹھا تھا اس کے چہرے پر ہنسا کی لڑائی تھی۔ اس نے ایک سو لڑاؤ کے ساتھ میرا استقبال کیا۔ اس کی آنکھوں سے ٹپک ٹپک چیخ چیخ کر اچھا کر رہی تھی کہ میں اس پر غصہ نہ اتاروں۔ اس نے فریاد کے انداز میں ہاتھ اٹھائے ہوئے بات شروع کی۔ "مجھے ایک غیب سے پتا چلا کہ دوسرا ہلال داروں اور لارڈ آئیوئی اور دھڑکی کی لیلیٰ ہو گیا ہے۔" "خود کیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

کینڈ نے اس وقت بھی بہت بہن نہ کہا تھا۔ اس نے وہ سر سے اتار کر تین پر پٹا دیا۔ "یہ سب اس شخص بیٹے کا کیا دھرا ہے۔" وہ چلا گیا۔ "یہ درست کسی کہ رہن ہمارے پوٹھو خیر

کا ہے۔ لیکن مجھے یہ کون بتاتا کہ اسے پوٹھو خیر کی کشتی راول کی کم کے انکار کی جانی تھی کہ میں نے کہا کہ آ لڈریج نے اسے اچھا کر رہی تھی۔ دو دیکھ رہے اور جب اس نے کہا کہ "پوٹھو خیر پوٹھو خیر کی کشتی راول کی کشتی میں ہو" تو میں نے اندازہ لگایا کہ اس کے کہنے کا مطلب کیا ہے۔ میں نے کہا۔ "میں پچھلے سال کی قسم میں تھا میری بدقسمتی دیکھو۔ خود کو تین سال کی قسم میں صرف شامل تھا۔ لیکن اس کا پتہ اس تھا۔ اس بات نے اتنے شکوک کر دیا اور کھانے کے بعد اس نے مجھ پر سوالات کی ایک چھانچا کر دی۔ میرے جوابات عجیب غیر معمولی تھے۔ میں نے ہوں کہ کہیں کہ وہ اچھا کر لے گا۔ لڑاؤ ہو گیا اور مجھے دھوکے باز اور چل مارا مجھے اقلیت ہے تو اڑنے لگا۔ میں نے جانی کارروائی کرتے ہوئے کہا کہ خود بخود سے اور اس ایک سران میں نے، کڑی میں نے اس کی گرفتاری کے لیے زور دیا اور اس میں زور دیا اور وہ پتہ بچھا دیا ہے۔ اس نے مجھے پتہ چل گیا کہ میں اس میں ہونے کا باعث تھا۔ لیکن جڑا ہمارے نہیں تھی کہ میں اس سے ہونے کا باعث تھا۔ لیکن کر کے آپس مجھ پر لگاؤ رکھنے کا اور خود مجھ کے پاس چلا گیا۔ گھنٹی میں رہا میری طبیعت پر اس کو زور ہے۔" لہذا میں یہاں چلا آیا۔"

"تم نے اسے کہا کہ میں لارڈ آئیوئی ہوں؟"

وہ ہانوں میں اٹھان پھیرے ہوئے کہ "کیا جہاز کی روایتی سے پہلے کی بات ہے۔" اس نے بتایا۔ "یہ شخص ایک غافل قائد ہو میری باتوں میں دل بھی نہیں لے رہا تھا میں نے سوچا کہ میں خود کو لارڈ آئیوئی کا دست خانہ بن کر یہ میرا کہنا ہے کہ جانتے گا اس وقت میں میرے سامنے سے گزرتے رہے۔ لہذا مجھے یاد آگیا کہ میرا سزا جیسے کہ کم اقلیت کو اب ڈلوے لگتے ہو۔ لیکن یہ تمہاری طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ میں نے یہ میرا دوست لارڈ آئیوئی "میں نے خود کو ہمارا سکرینر بتایا۔ میں نے دیکھا کہ وہ اب میری بات کی رول بھی سے سن رہا تھا۔ اور۔۔۔" اس نے مختصر کچھ بات آگے بڑھائی۔ "میں کچھ زیادہ سی بول گیا تھا۔ مجھے غصے سے تھیں خود بخود شریعہ کا سامنا کرنا ہے۔" "اچھا کہ اس کی آنکھوں میں امید کی کرن تھی۔" لیکن اگر ہم فرار ہوئے تو کامیاب ہو جائیں تو جان بچ سکتی ہے۔" اس نے سر کوئی کی۔

میں نے کچھ میں سوچ کر ہاتھ لیکن یہ خیال مناسب نہ لگا تھا تو اہل قافلہ محل بھی میں جاتا تھا۔ ہم طوع و آقاب تک ایک

کے قافلہ میں مقیم تھے جس کے بعد میں ایک بے حد شرم اور توہین آ کر میرے بے دوچار ہونا پڑا۔ اس کا اختتام اس کے متعلق اس کی بات کو گھر کا روپ دے کر تمک کی کرکٹ کر کے کرنے کے لیے یہاں تھے۔ یہاں تک کہ وہاں میرے ذہن میں گردش کرنے لگے کہ میں نے کینڈ میں اپنے والدین کیا وجہ سے میرے دست کہاں سے قائم کیے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جواس اینڈ کارنی والے کارروائی میں لگے ہیں اس کے چل سارے کینڈ سے گرفتاری کے بعد میرے لیے قانون اور دھوکا کی انجمن کا ذکر کرنے کے بھلائے امکانات باقی نہیں کے؟ ہم مجھے احساس دے گئے تھے ان وقت سب سے زیادہ اس بات کا ہے کہ وہ جواس قانون مجھے چال بازی کا اڑے وہ دف بھکی اس کے دل سے مجھ کو خطاب سے آہرنے پر مجبور کر رہا تھا۔ رات کو اس کو لڑو کی اس کرکٹ کو مجھے ہونڈ جانا تھا۔ "اور میں جہاز سے چھلا کر دیتا اور تیر چھوڑا۔ انکار سے کچھ ناگوار تھیں۔" جواس نے کہا کہ اس میں کچھ کی طرف جاتی تھی۔ "میں نے اسے دالے مجھے جیسے کھینک کر اس کے پاس چلا گیا۔ لیکن میں کینڈ سے پہلے اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں کرتا تھا۔"

"کیا تم میرے کہتے ہو؟" میں نے سوچا امید کے سہارے

جواب دیا۔

"ہرگز نہیں! اس نے رنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔ "میرے بچاؤ، ہمارے سوت کسوں پر ہمارے اہل نام نہون کے ہم نہیں سمجھ سکتے تھے۔" جاسکے اور میں بچاؤ میں جاتے تھے۔ لیکن اچھا اس کے لیے کہ میں جاتے دے رہا تھا۔ لیکن اگر ہم جہاز کی دوکرینوں سے شنگ جانے والے تھیں تو میں نے کوئی ایک پٹر آئیں۔ ہم اپنے جاسکے اس میں چھپا دیے۔ اور جب سب لوگ سو جا میں نے اسے پانی میں اتار دیا۔"

جہاز پر موجود سب سے چھوٹی کشتی میں افراتفر کا جوہر لگنے کی استعداد رکھتی تھی اور کین چاکرنا میں پانی میں لگنے کا مطلب یہ ہے کہ جہاز کو بیکار کرنا تھا میں نے کینڈ کا ہاتھ نہ چھوڑا۔

"میں نے غصہ نہ اٹھاؤ۔" کینڈ نے مجھے خطا بتا کر میرے لیے کہا۔ اس کی سیاسی نظرت ایک بار بیکار ہو رہی تھی۔ وہ خطرے کے احساس نے گویا اس میں نیلا ہوا پیرا

کردیا تھا۔ "سوچو۔" اس نے حکم دیا۔ کوئی ایسی ترکیب کوئی ایسا طریقہ نہ ہو کہ میں نے اسے دیکھ لیا۔ "پہلے جہاز سے فرار ہو سکتا۔" ہر صحت میں اس کی کشتی پر گرفتار نہیں ہوتا ہے۔ یہ ہمارے لیے بے حد چٹان بن ہوگا۔"

مجھی اس نے کینڈ میں میرے کے ساتھ اپنی ہی بات کاٹ دی۔ "مجھے راستہ بتایا۔" اچھا کہ اس کی چیخ سرگوشی میں بدل گئی۔ "آپس آگے لگنے کا الام بہادر اس کا کہنے کے امکان رہا۔ کینڈ کی طرف دوڑنے پر اس کے ہمتیاس میں پانی لگائی جائیں گی۔ ہم ان میں سے ایک کی ری کاٹ کر پانی میں گرا دیں وہ جہاز سے الگ ہو کر پہنچے گی۔" افراتفری میں۔۔۔"

اس کی قوس میں چل جانا بھگتے والی تھی لیکن میں اس وقت جب کہ وہاں ہوا اور افراتفری سے کسی بچہ کے ساتھ تھا۔ پہلے تو ہم نے ایک دھڑکی میں انسانی جانی۔ پھر بہت سے چھتے چلنے والے لوگوں کے دوڑنے دوڑنے کا شہر اٹھ کر پھر جہاز کے اندر دوڑنے کا ہم قشر پر کر پڑے۔ تھیں دھات اور دھوکے کے گھرانے لڑو کھانے اور ڈونے کی مہیب کوڑھ اس نے پھر جہاز اور کوڑھ اس سے شور پر غالب آگئی۔ ہوں کوئی جاتی ہوئی بلند غارت دشمن نہیں ہوئی ہو گئے۔ اس نے کسی جہاز کے اگلے سرے پر نصب ٹھیم چلی ہانہ لکڑی کے راستے ہمارے کہیں میں اس آہستہ میں اس اتنی جگہ پانی تھی کہ میں کینڈ کو بوجھ کر دوڑانے سے نکل سکوں۔ وہ اچھا کچھ گھٹوں کے بل پر تھا۔ اسے کچھ کراہ اور داری میں نے ایسا نہ ہوتے ہی دوہلی ہاتھوں سے پر قافلہ۔ "میں کہاں کہاں ہے۔" وہ چلا گیا۔ میں نے سنا تھا کہ جہاز کے زیریں عرشوں میں پانی بہتا جا رہا ہے اور اپنی داری میں آئے والے سامان اور گروہ کو دھکیلنے کا بڑھ رہا ہے۔ ایک جگہ میں بندھا گھڑا لاکھل کسی انسان کی طرح چلا رہا تھا۔ جب کہ ہم سے انسان باہل جانوروں کی طرح چیخ چیخ کر لاکھ رہے۔ سوچتے تھے کہ قافلہ ہوتے ہی مجھے سب سے پہلے اس دل آرام حین کا خیال آیا۔ میں نے کینڈ کا بازو دھجوا۔ خود غور تھا تھا کہ اس کے کونوں تک باز پہنچانے کے لیے مجھے کسی پتھر پانا۔ لارڈ آئیوئی کا کہیں کہاں ہے؟" اس نے دیکھنے والی نظروں سے مجھے دیکھا۔ میں نے کہا۔ "تم نے بتایا تھا کہ اس کی بہن کے کہیں کے ساتھ ہے۔ مجھے وہاں لے چلو۔"

تَبَرَّكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا

آپ کے ستارے کیا کہتے ہیں؟

آپ کیلئے کون سا سال "میلاد النبی" ہے؟ محنت و دولت اور دیگر معاملات میں کب کامیابی ملے گی؟

معروف اہل فلکیات سید محمد علی قادری سے راجنامہ حاصل کریں۔

اس کے علاوہ قادری صاحب آپ کی ذاتی مسائل کا طرز آئی آیات اور اساتذہ کرام کی پیش کرتے ہیں۔



جہاں آپ جانتے ہیں وہاں امکان بہت کم ہے۔

☆ میں نے الف ایس ای کیا ہے اب میں بی ایس کر کروں یا بی بی ای؟ کیا مستقبل میں نوکری کے کسوں کی؟ بیرون ملک جانے کا امکان ہے شادی کب ہوگی انہوں میں یا غیر وہ میں؟ (انگریز فعل آباد)

☆ موجودہ صورتحال واضح نہیں ہے۔ بی بی ای کے مضامین کو ترجیح دیں آپ کی طبیعت میں ٹھنڈا دم ہے وقتی طور سے کیونکہ فی ضرورت بے زیادہ بائیک بی سے تجربہ کیا کریں ذہن دین ہیں امتحان میں کامیابی ہو سکتی ہے شادی کا امکان اپریل 2010ء تا دسمبر 2011ء میں اپنوں میں ہے۔ ممکن ہے آپ کو فوراً نہیں کارپاز سے بیرون ملک سفر کا امکان ہے۔

☆ شادی کب ہوگی ہندو وغیرہ نہیں ہے؟ (شادی بھرت) شادی سے خشک برج ضرور ہے۔ ہندو وغیرہ نہیں ہے بصورت حال تبدیل ہو رہی ہے خود اعتمادی کام لیں ڈیڑھ سال اہم ہے ممکن ہے اس دوران آپ کی شادی ہو جائے۔

☆ لاہور میں رہنا کتنا زیادہ بہتر ہے یا کراچی میں؟ (بغیر سبب) لاہور زیادہ بہتر ہے۔

☆ قادری صاحب! میری دو چھال آپ پرشن سے اور

جب کوئی حج سے لوٹے تو یہ دعا دینا: قَبْلِ اللَّهِ شُكْرًا وَفِعْرًا دَلِيلًا وَأَخْلَفْتُكَ

ترجمہ اللہ شہود ہے کہ میں نے تجھ کو حج سے لوٹتے ہوئے شکر اور تحفہ عطا کر دیا۔

تصویریں جس اور اب وہ جگہ کو ایک میل کر تھا اور جگہ سے چھوٹا کا مطالبہ کر تھا میں سخت شیش کا ٹکڑا تھی میرے شوہر کو اس بار سے میں پتہ چل جاتا تو میری پوری زندگی تباہ ہو جاتی۔ پھر میں نے آپ کو فون کیا اور آپ نے ایک نقش بنا کر دیا! اللہ کا شکر ہے جب سے وہ غلطیہ پڑھنا شروع کیا ہے اس کا فون وغیرہ نہیں آیا اور مجھے بہت سکون حاصل ہے۔ اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے اور کئی عمر دے! (فرزانہ زولپنڈی)

☆ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا! جلیفہ مکمل ہو جائے تو فون کر کے ملنے بھیجے تاکہ آپ کو اس کی ہدایت دی جا سکے۔

☆ سائیں! اولاد پریند کے لیے آپ سے نقش بنوایا تھا کیونکہ میری جاہ بنیادیں میں اور لاڑ کا کوئی نہیں تھا میرے شوہر نے مشکل دی تھی کہ اب کے لڑکی ہوئی تو میں تجھے خلاق دے دوں گا! سائیں! اللہ نے مجھے ایک لڑکا عطا کر دیا ہے جس میں منہ سے آپ کا شکر ہے ادا کروں دن رات آپ کے لیے دل سے دعا کرتی ہوں کہ اللہ آپ کو سلامت رکھے اور آپ لوگوں کے مسائل اسی طرح حل کرتے رہیں! (آمین)! (ظاہر پرائیوٹ)

☆ میں اللہ کا شکر ادا کرتی اور دو رکعت نماز پڑھانے کی ادا کرتی! اللہ آپ کو اور خوش عطا فرمائے! (آمین)۔

☆ قادری صاحب! میں نے اپنی بیٹیوں کی شادی کے لیے آپ سے نقش بنوایا تھا! اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ایک بیٹی کی نسبت ملے ہوئی ہے جس کے بارے میں آپ سے استخارہ بھی کر دیا تھا آپ نے مناسب بتایا تھا اب اگلے ماہ اس کی شادی ہے وہ غلطیہ ختم ہونے والا ہے لوح کا اب کیا کرنا ہوگا؟ (ذریعہ فخر، اختر اقبال)

21 روپے خیرات کر دیجیے گا۔

☆..... شاہ صاحب! میں نے اپنی بھانجی کی شادی کے لیے نقش بنوایا تھا شاہ صاحب! بخش لینے کے بعد درشت آئے مگر ہمارے معیار کے مطابق نہیں تھے! آپ دعا کریں کہ کوئی اچھا شرطہ مل جائے! (میمونہ سہووال)

☆..... بیٹی! انسان بہت ناشکرا ہے پہلے آپ نے کہا تھا کہ بالکل رشے آتے ہی نہیں ہیں اب رشے آنا شروع ہوئے ہیں تو آپ بجائے اللہ کا شکر ادا کرنے کے معیار کے پیچھے پڑ گئے ہیں اب کوئی رشتہ آئے تو فوراً فون کر کے بتائیے گا کہ میں اسخارہ کر کے آپ کو جاسکوں کہ یہ آپ کے لیے بہتر ہے یا نہیں!

☆..... قادری صاحب! میں نے کسی کے ساتھ مل کر کاروبار کیا تھا لیکن اس نے میرے ساتھ دھوکہ دیا اب حال یہ تھا کہ میرا بال ترے میں بکرا گیا تھا! آپ کو اپنا مسئلہ بیان کیا تو آپ نے مجھے لٹو حنفی بنا کر دی اور اس کے ساتھ ایک وظیفہ بھی پڑھنے کے لیے دیا۔

قادری صاحب 61 دن وظیفہ پڑھنے کے بعد میں بہت اویس ہو گیا تھا کہ حالات جوں کے قوں تھے آپ سے دوبارہ فون پر رابطہ قائم کیا تو آپ نے 31 دن مزید وظیفہ پڑھنے کا کہا میں نے اللہ کا نام لے کر دوبارہ شرا کیا ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ میرا ایک بوٹہ 5 سال سے رکھا ہوا تھا! لگ گیا جس سے میرے کافی حد تک مسئلے حل ہو گئے! قادری صاحب اب یہ بتائیے کہ وظیفہ کے 31 دن ابھی پورے نہیں ہوئے تو اب نقش اور وظیفہ کا کیا کرنا ہے؟ (عدنان علی گوجرانوال)

☆..... "اللہ تعالیٰ کی ذات سے واپس نہیں ہونا چاہیے"

● بیٹی جب وظیفہ کی مدت ختم ہو جائے تو فون کر کے آگے کی ہدایات لے لیجیے گا! اللہ آپ کی دوسری بنیوں کے لیے بھی جلد انتقام فرمائے (آمین)۔

☆ قادری صاحب! میں ایک لڑکے کو پسند کرتی تھی لیکن کچھ عرصے سے اس نے مجھ سے بات چیت نہ کرنا بالکل ختم کر دی تھی! آپ نے بتایا کہ کوئی اسے اپنے بس میں کرنے کے لیے عملیات کر رہا ہے! اور آپ نے مجھے ایک نقش اور اس کے ساتھ وظیفہ پڑھنے کے لیے دیا! قادری صاحب میں آپ کی حد بھوکھ ہوں اور زندگی بھر آپ کے لیے دعا کرتی رہوں گی کیونکہ اب وہ میری طرف پلٹ گیا ہے اور رشے کے لیے اپنے والدین کو کچھ بڑوں میں بھیجے والا ہے۔ وظیفہ کے کچھ دن ابھی رہتے ہیں! نقش کا کیا کرنا ہے۔ (سائرنا بھور)

● بیٹی! اللہ کا شکر ادا کریں اور درگت نماز شکرانے کی ادا کریں وظیفہ شادی ہونے تک جاری رکھیں اس کے بعد نقش کو دوبارہ مسند میں ٹھنڈا کر دیا جیئے گا۔

☆ بابا سائیں! میں نے آپ سے لوحِ تغیر خواص جوانی تحفی مسئلہ یہ تھا کہ میرا بڑا نہیں لگ رہا تھا بہت عاقلوں سے کام کر دیا مگر بات نہیں بنی پھر کسی نے آپ کے بارے میں بتایا آپ نے نقش اور وظیفہ پڑھنے کے لیے دیا! اللہ کا لاکھ شکر ہے کہ وہ عقیقہ کی مدت ختم ہونے سے پہلے ہی میرا نام نہ گیا! اللہ کرے آپ اسی طرح لوگوں کی مدد کرتے رہیں (آمین)۔ (تو قیر احمد آزاد کشمیر)

● بیٹی! اللہ کا شکر ادا کریں اور درگت نماز شکرانے کی ادا کریں وظیفہ کی مدت ختم کر کے نقش کو ٹھنڈا کر دیا جیئے گا۔ نماز کی پابندی رکھیے گا اور جھرت والے دن

بھی بات کہی تھی جب آپ نے مجھے فون کیا تھا اور نتیجہ آپ نے خود دیکھ لیا! اللہ آپ کے دیگر مسائل بھی حل کرے (آمین)۔ وظیفہ ابھی جاری رکھیے اور مدت ختم ہونے کے بعد مل جائیے۔

☆..... السلام علیکم! قادری صاحب! آپ سے مشورہ کر کے فریوٹرس کا کام شروع کیا ہے اللہ کے فضل اور ان کی دعا سے کام بہت اچھا چل رہا ہے اور مگر کہ مالی حالت بھی بہتر ہو گئے ہیں۔ اللہ ایکسر جرتی ہے! سارے آپ یونہی لوگوں کی دعائیں لینے رہیں فون کے بارے میں بتادیں کہ اس کا کیا کر دوں؟ (فیض علی گرامچی)

☆..... اللہ کا شکر ادا کریں اور دوئل شمرانے کے واسطے۔ لوح کو ٹھنڈا کر دیں وظیفہ کی ایک ایک تصحیح جو تمام جاری رکھیں۔

☆..... بابائی! السلام علیکم میں زیادہ پر حال نہیں ہوں شادی سے پہلے دکان بنائی اور اپنا کام شروع کر دیا! انوار سے لائن چل کر پڑا پھر اللہ نے 4 بنیوں سے انوار دینا چاہیں ہوا میں اکیلے لگانے والا اور دکان سے بھی اپنی آمدنی نہیں ہوتی تھی! بس جب بڑی بیٹی نے میٹرک کیا تو اس کو کمر بٹھایا! اس طرح 2 بنیوں میٹرک کے بعد کمر بھی نہیں میں اور میری بیوی ہر وقت سبھی سوچتے کہ 4 بنیوں کی شادی کیسے ہوگی؟ جبکہ معمولی بڑھی لکھی بن۔ ایک بابر ایک میگزین پڑھنے کا اتفاق ہوا تو آپ

کے کالم پر نظر پڑی! میں نے عمل یقین اور اعتماد کے ساتھ پڑھا اور اس پر توکل کر لیا! اللہ کے فضل و کرم سے اور آپ کی دعا سے 2 بنیوں کے رشے اچھے لوگوں میں ملے ہوئے ہیں اب کیا کر دوں؟ اگر رہنمائی کر دیں آپ کی دعاؤں کا طالب! (ایکات علی شیخو پورہ)

●..... میرے کام میں لوح کو اس وقت تک رکھیں جب تک باقی دو بنیوں کے رشے نہیں ہو جاتے اور وظیفہ کی تصحیح و مشام کر دیں! اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

☆ قادری صاحب! میرے کپڑے کے ڈکان تحفی شروع کے دو سال بہت اچھی چلا کر پھر آہستہ آہستہ کاب آنا بند ہو گئے جو آتے بھی تھے تو سدا پتے نہیں ہو پاتا تھا! میں بہت مشکل میں آ گیا تھا تحفی کے ڈکان کا کرایہ لگانا بھی مشکل ہو گیا تو میں نے آپ سے فون پر رابطہ کیا آپ نے کہا کہ "بغیر" کروائی گئی ہے جس کے لیے آپ نے ایک نقش مبارک اور مسدود پھر ارسال فرمایا اب وظیفہ مکمل ہو چکا ہے! 50 فیصد کامیابی ہوئی ہے تقریباً! مزید ہدایت فرمادیں! (ارسلان گرامچی)

●..... بیٹی! آپ 31 دن مزید وظیفہ پڑھیں! انشاء اللہ حالات اور بہتر ہو جائیں گے۔ وظیفہ ختم ہو جائے تو فون کر کے مطلع ضرور کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے رزق میں اضافہ فرمائے (آمین)۔

○.....○.....○

نوٹ: خدا جیسے وقت اپنا نام اپنی والدہ کا نام تاریخ پیدائش اور وقت پیدائش ضرور لکھیں۔ براہ راست جواب کے لیے جوابی تلفاز ساتھ بھیجیں۔ رابطہ کے لیے:

A-911-ٹیکسٹر 11-8 تھانہ کراچی ٹیڈ ٹیلی فون ایجنسی کراچی۔ موبائل: 0300-2756587
E-mail: mashal_e_raah@yahoo.com / mashal_e_raah1@hotmail.com

مَنَّا مَحَبَّت

عافیہ احمد

سَمِعَ كَامِيْبِيْتَسْ كَهْزَوْلِيْ اِيْكَوْ پَرُوْلِيْكَ اَحْوَالِ

امروز مسیاه کارگر که اندر بهشت و شرف و تمویذ و کثرت و از سر و تنش گلزار و نیش و چاه

کیا تھا۔ دونوں کے اندر چورخانی بن گئے جن میں انہوں نے ایک دوسرے کے لیے جذباتی خواب اور ارمان چھوڑنے شروع کر دیے۔ اسی میں وہ کبھی بات نہیں کرتے تھے۔ لیکن انکے دونوں کی بولتی تھیں، اور بہت بولتی تھیں۔

جیسے صبح کے وقت پرندوں کے مسلسل چہ چہ، جیسے ساون میں کوال کی کوا جیسے موسمِ گل میں بلبل کا نغمہ یہ تانا اس بولتی خاموشی میں دونوں گہرا کر، اہل اپنی پگ ڈنڈی چھوڑ کر، کسی کھڑی فصا

میں چند لمحوں کی عید کر لیتے تھے۔ اپنے اچانک کی دید کر لیتے تھے۔ اور نئے چاند کی دم ہی کتنی دیر کی ہوتی ہے!

مریم کو حویلی بہت اچھی لگتی تھی۔

شہر میں بھی وہ اسے یاد کرتی تھی۔ بچپن میں عادل کے ساتھ اس کی کبھی نہیں بٹی تھی۔ ہمیشہ ان کے درمیان تکرار ہوتی تھی۔ ہمیشہ کھیل لڑائی پر ختم ہوتا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ کھیلتے ساتھ ہی تھے۔

پھر شعور آتے آتے اسی حویلی کی بھول
 بھلیاں میں نہ جانے کب وہ عادل کی اسیر
 ہو گئی۔ کچھ پتا ہی نہیں چلا۔ کم عمری میں
 آدمی دل سے کیسا بے خبر ہوتا ہے۔ اور جب
 خبر ملتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ یہ تو پیرصوں
 پرانی خبر ہے۔

پھر نہ جانے کیسے، بڑوں کے درمیان بات چلی اور ان کے حق میں فیصلہ بھی ہو گیا۔ پھر

سنا جا رہا تھا کہ چند ماہ بعد عادل کی جان بچ گئی ہوگی۔
 ہے۔ مریح کے ساتھ۔ میں بھی مریح کا حکم نزو پی... عادل کی
 طرح۔ لیکن میں نہیں پانی نہیں کر سکتا تھا۔ اپنے گھر میں
 نہیں کر سکتے تھے۔ اور محبت والے تھے۔ اور مجھ میں
 عادل میں بھی فرق تھا۔ میں اندر سے سیاہ تھا اور اندر
 روشن۔ کون سا کون سا کہتا کہ روشن مل جائے تو میں بھی اندر
 روشن ہو سکتا ہوں۔ عادل سے بھی زیادہ روشن!

سوسائٹوں ان کا گلوں پر چلنا تھا، اور آپ کے
کے تلوں میں پڑتے تھے۔ تو جس کی تڑپا نہیں
طلب کی ہوتی ہے آشنا ہی نہیں تھا۔ شکار طلب
نہیں تھا۔ نہ ہریوں کے پیچھے بھاگنا پڑتا تھا، نہ
جان کر نشانہ لینا پڑتا تھا۔ وہ تو مجھے دیکھتے ہی ڈر رہے
تھیں۔ مگر میری... اور میری!

جوشدت، جو خوب میرے اندر سے مریم کے لیے

"مذاق مت کرو۔ میں سنجیدہ ہوں۔"
 مریم بھی سنجیدہ ہوگئی۔ "تو جاہلیت
 کیا ہو؟"
 "تم اپنا راستہ بدل لو۔ میں ابیا جان سے
 بات کرنے والا ہوں۔"
 "کیوں... مجھ میں کوئی کمی واقع
 ہوگئی؟"
 "کسی تو مجھ میں ہے۔ تم میں کسی
 کہاں..."
 "تو یوں کہو کہ مجھ میں کمی دیکھنا
 چاہتے ہو۔"
 "کیا مطلب؟"
 "تمہارے بغیر تو میں پوری ہی کم
 ہوجاؤں گی۔"

وہ تڑپ گیا۔ "دیکھو... تم..."
 "سیدھی سنی ایک بات پوچھتی ہوں تم
 سے۔ جواب سچا چاہیے۔ اگر یہ حادثہ میرے
 ساتھ ہوا ہوتا تو کیا تب بھی تم..."
 "عادل نے یہ ساختہ اس کے منہ پر ہاتھ رکھ
 دیا۔ "یہ سب کچھ پلٹا؟"
 "میری محبت کئی اچانک ہوتے والی چیز
 نہیں۔ اس کی بنیادیں تو شاعر کے ساتھ ساتھ
 گہری ہوتی ہیں۔ تم نے سوچا بھی کیسے..."
 وہ اس کا ہاتھ تھام کر رو دی۔ "میں تمہارا
 سبازا بنوں گی۔ تم اب کم قدم اٹھانا، دوسرا میرا
 دل بن جائے گا..."
 عادل محبویت سے اسے دیکھتا رہ گیا۔

میرے قریب قریب وہ تھا کہ میں ٹھہر کر گھٹن گاؤں
 میرے پیچھے مریم اور عادل کی شادی ہو جانے ل۔ شادیاں
 ایسے کی ہوئی ہیں، اچھے رہا ہے، خاندان میں تو وہ سب کی شادیاں
 میں نے شکایت کی کہ مجھے اطلاع بھی نہ دی۔ لیکن
 شکایت بلا جواز تھی۔ شکار کے دوران میرا کوئی ایک ٹھکانا تو ہوتا
 نہیں تھا۔ اور بڑی چارچر نہ ہونے کی وجہ سے اصل فون بھی
 بند کر دیتا تھا۔

اس پر میرے کہیں دواں آیا تو وہ ایک دن پلٹتی مومن

کے لیے لگ چکے تھے۔ جتنی مومن!
 "شادی کسے لگائی؟ وہ روزانہ ہو گئے باپا جان؟" میں
 نے جرات خاں کی۔
 "ورائل عادل تھا تھا تھا۔ اب شادی کر کے تو فون
 ہوتا چاہے بند کر۔"
 "ہ؟"
 "ڈاکٹر نے کہا ماحول تبدیل ہوگا تو بہتری آئے گی۔"
 "اور وہ کہاں؟"
 "پتیل علاقہ میں۔"
 "تمہیں... عادل کو پانی پیے کیا کہ ماحول کی تبدیلی سے
 فتنے پڑے گا۔ ڈاکٹر تو کچھ ہیں۔" میں نے نفرت سے کہا۔
 باپا جان نفرت سے مجھے دیکھنے لگے۔

شمالی علاقہ... ارضی جنت، جیسے
 خوب صورت خواب! پھر مریم کا ساتھ فرق
 تو پڑنا ہی تھا۔ عادل کا دل بہل گیا۔ بولیں
 سے روٹھی ہوئی مسکراہٹیں لوٹ آئیں، جیسے
 موسم کی سختی سے گھبرا کر کوچ کر جانے
 والے پرندے موسم بدلتے ہی اپنے ٹھکانوں کا رخ
 کرتے ہیں۔

وہ نسبتاً آسان ٹریکس پر جاتے۔ عادل کا
 اعتماد بھی بحال ہونے لگا۔ اور ان کی خلوتیں
 اتنی حسین اور خواب ناک ہوتیں کہ ان کی
 سامنے نارن کا خمسن ماند پڑ جاتا۔ اور مریم
 اس پر نشان ہوتی۔ اس کی اور فتنگی سے عادل
 کو لگتا کہ رنگ، روشنی اور خوش بوئیں اسے
 اوزہ لپٹی ہیں۔ وہ جب بھی اسے چھوتا، وہ
 پہلے جھڑی بن جاتی۔ وہ سوچتا، اس کے جلنے
 بجھنے کے ڈھنگ کچھ تو کیا جانتیں، اس کے
 روشن رنگ ستارے اور چاند کیا جانتیں۔
 وہ دونوں ہی فائنٹ جیتا۔ وہ دونوں ہی
 مفتوح جذبات کا مال غنیمت تھے وہ لڑتے،
 اتنا ہی بڑھتے۔

کوئی کہ روایت تھی کہ ہر پختہ تیز بھائیوں کی لپٹوں
 رات کا کھانا تیار کیا کہ گھر کا کھانا۔ میں اب اس میں ضرر

شریک ہوتا۔ ان کی خبر خیر مل جاتی۔ عادل کا تو سبیل نہر میرے
 پاس تھا۔ ساتھ ساتھ اس نے مریم کو بھی سبیل فٹنٹ کر دیا ہے مگر
 اس کا نمبر کسی کے پاس نہیں تھا۔ عادل کا نمبر کسی کی نہیں ملتا۔
 شاید وہ بھڑک کر ہوگا۔ کیوں؟ اس خیال سے ہی میرے سینے پر
 سناپ لوٹ جاتے۔
 ان کے پاس وقت اور وسائل کی کیا کمی تھی۔ پھاڑوں میں
 پتھر سے بھی راجے، میرے لیے کریم ایک ایک بانڈ تھا۔
 ایک ایک اسات قمار کی۔
 گاؤں میں بڑی کی شادی ہوئی۔ وہاں بڑی کی سونہ کی۔
 گڑی دو گڑی دل بہل گیا۔ مگر پھر ایک رات مریم کو خواب
 میں دیکھ لیا تو رات کو اٹھ کر راتے بڑے صحن میں مرادی
 باوجود پھر تیار۔ پیچھے میں کوان بخار بھٹکا۔

"اگر تم نہ ملتے تو میرا کیا ہوتا؟" مریم نے
 سوچاری سے کہا۔
 "تمہارا تو مجھے نہیں پتا... لیکن ابھی،
 میں تو بہت پچھتا رہی ہوں۔" عادل نے سرد آہ
 بھرتے ہوئے سرگوشی کی۔
 "پچھتا رہی ہو؟" مریم کو جیسے کرنٹ
 لگا۔ وہ تیزی سے اس سے ڈور ہوگئی۔
 "ہاں مریم، اور ساری عمر پچھتاؤں گا
 کہ اتنی زندگی تمہارے بغیر کیوں گزاری۔"
 عادل نے دوبارہ اسے لپٹا لیا۔
 "ختم ہوگئی ہو تم۔" وہ ناز سے بولی۔
 "تم نہ بھی مٹتیں، میں نے پھر بھی تمہیں
 ہی پانا تھا۔ یاد ہے، بچپن میں کتنا لڑتی تھیں تم
 مجھ سے۔"
 "یاد ہے۔ لڑتے تو تم تھے۔"
 "میری پر چیز پر قبضہ جمالیاتی تھیں..."
 "اور اب تم پر؟" پوچھتے تھے میرا قبضہ
 ہے۔ "وہ اس کے چہرے پر چھکی اور بلکے سے
 کات لیا۔
 "ظالم بھی ہو۔" وہ کراہا۔
 "وہ تو ہوں۔" مریم نے دوسری طرف سے
 بھی کات لیا۔

"پتا ہے، جب تم اپنے ماموں کے گھر رہتے
 بادل زمین پر اترتے ہوتے تھے، اور وہ ان کے

کچھ

... اسے پھر سے سرکامٹ کا میک اپ اس
 غریب مومری کے کہ چہرے سے ڈھکوں اور مٹوں کی محنت کی
 کوشش کرتے۔
 ... بڑی کی کی معیشت کم کرنا چاہتے ہو تو زیادہ سے زیادہ
 مصرف رو۔
 ... سب سے محنت کر مگر کسی سے محنت کی توقع نہ کرو۔
 ... اگر کرے گا تو کھانا پانی گڑوں کو دینی کی کڑی
 میں بھگوار کرنا۔
 ... لوگوں سے اس طرح سبیل جمل کرنا کہ تم زہر ہو
 تو تم سے ملنا چاہیں اگر مر جاؤ تو تمہارے لیے روکیں۔
 ... کسی کی گول کی گہرائیوں سے مت جاہر کرنا کہ اب
 زمانے میں اس کی پختہ گہرائی۔
 ... بڑی کی محنت کے لیے کم ہے نہ جانے لوگ نفرت کے
 لیے دلتے کہاں سے گالے پڑتے۔
 ... بڑی کی اپنے کام کر دے۔ سب سے بہرہ دار ہو گے۔
 ... تم سرکارت سے بڑی کی خود کو سرکارتی نظر آئے گی۔
 ... اس میں جان ہاں کی ہے

چلی گئیں تو مجھے تمہاری کمی محسوس
 ہونے لگی۔ اس کمی نے میرے اندر ایک احساس
 جگا دیا۔ جب بات سمجھ میں آئی تو میں نے کہا
 جان سے بات کی...
 "کیا کیا تم نے...؟" مریم نے اس کے ایک مٹکا
 جڑا۔ "کیا سوچا ہوگا تیار جان نے؟"
 "کچھ بھی نہیں سوچا۔ کہنے لگے، یہ تو
 میری بھی خواہش ہے۔ اب اپنا گھروانا تو تم
 جانتی ہو نا کہ یہ مقابلہ۔"
 مریم کو میرا خیال آیا۔ مگر وہ کچھ بولی
 نہیں۔ وہ عادل سے اس کا تقاضا چھیننا نہیں
 چاہتی تھی۔ چپ چاپ اس کے سامنے وجود
 کی سپرد ڈال دی۔
 بادل زمین پر اترتے ہوتے تھے، اور وہ ان کے

خوف اس کے دل میں بیٹھ گیا تھا۔ اوپر سے ہاتھ ناپاک ہونے کے وہم میں مبتلا ہوگئی۔ بار بار جاتی اور ہاتھ دھوتی۔ عادل پریشان ہوگیا اس کی طرف سے۔

وہ کسی کو کچھ بتا نہیں سکتی تھی۔ ایک تو چھوٹی تائی کا احسان تھا اس پر۔ انہوں نے اپنی تو اسے بھایا تھا، ورنہ... دوسرے وہ زبان کھولتی تو خاندان کا شہزادہ بکھر جاتا۔

پورا گھر پریشان ہوگیا اس کے لیے۔ تائی اسان صدقہ خیرات کرتی رہیں۔ آخر یہی طے پایا کہ اسے شہر والے گھر شفقت کر دیا جائے۔

اس سے بھی فرق پڑا۔ وہاں مردم بڑی حد تک بہل گئی۔ شام کو وہ عادل کے ساتھ پلرک چلی جاتی۔ عادل نے بہت گریبا مگر اس نے کچھ ہٹاکر نہیں دیا۔ اس کی طبیعت کے پیش نظر عادل نے بھی زیادہ اصرار نہیں کیا۔

عادل کے جاوے کے بعد سے میں نے بھی دوستوں سے بددعیاں لی تھی۔ مریم کی بات میں دیکھنے کی سے نہیں کر سکتا تھا۔ اس واسطے کہ بعد تو میں دوستوں سے دور رہی ہو گیا۔ بچا چھائی لگتا تھا۔

تجرباں میں جس تہہ پہلی لائی۔ میں سوچنے والا جاو رہے گا۔ بچے میں جھانکا تو وہ روشن نقطہ نظر کے منہ پر جڑا کرکٹ مٹا کے ناچنے لگا۔ اپنا بھی نہیں سوچے۔ کچھ کی کرلو۔

اس پر میں نے غور کرنا شروع کیا۔ مریم میں ایسی کوئی بات ہے جو مجھے کسی طرف متوجہ کرے۔

ایک بار سوچا تو ریل گاڑی کی ٹیل پر ڈی۔ شاید اس کی رفتار اس کا کردار... اس کی بائیکریڈاں وہ دھمکے جاسے۔

ایک بارلے گاؤں میں لٹکا اٹھا ہوا جاؤں۔ میں نے پروردگار کے سامنے سر جھکا کر پکڑی بارش دعا کرنا تھا۔ اسے میرے سپرد۔ تو پروردگار دھمکے۔ دل میں

ایک روشن نقطہ ادا ہے تو پورا سیدھا روشن کر دے۔ دل مجھے اچھا بنادے۔ میری ایک بندگی کے چھائی کی تھک دوائی ہے تو

چاہے تو میری ایک بندگی سے ڈل جاؤں۔ پاک ہو جاؤں۔ وہ روشن تھا جاؤں۔ وہ کچھ تو کیا انداز چاہے۔ وہ میرے ڈر سے دوپڑا رہے، اور میں مرد و گر میں پھولوں سے یہ

گاؤں کی زندگی، سب رہنے والے تھے۔ مگر میری یہ ہے۔ صرف میری ہی ہے۔ مریم کوگی ہے۔

میں نے اپنا پاس پورٹ نکالا۔ دل میں ایک ارادہ کیا اور پورے کی طرف نکلی۔

یوہپ میں کیا تھا۔... جن، اوٹا، میں نے باکی۔ مریم، کہہ سکتا تھا۔ بہت سستا۔ چھپ چھپ کر ہوا تھا۔ سستی چیزوں سے دل پر گیا تھا۔ رنگین دل کی مٹی، نہ رومیاں، نہ گیتیں۔ دل کا ارادہ تھا۔ قیام۔ وہاں میں بنانا۔

میں نے ایک بار اپنے اندر جھانکا تھا۔ وہاں مریم کی شکل میں چٹائی کی۔... روٹی کا نقطہ پایا تھا۔ ایک سب کو باہر اور نے میرے سینے میں نہیں جھانکا تھا۔ ایک۔ سب کو باہر سے اندر آیا اندر سے اندر آنا قیام۔ اندر میں جھانکے۔ اور جھانکتے کی کوئی دے سے میں نے خود کی جھانکا پھر پڑا تھا۔

عادل اور مریم دونوں کی دل کشی چھوڑنے لگا تھا۔ پھول سجدا ان کے گلشن میں کھلا تھا۔ زندگی مسکراتی تھی۔ انہی دنوں اقصیٰ کی بات اپنے ماموں زاد کے ساتھ چکی ہوئی، اور منگنی بھی ہوگئی۔

حوصلی بھری رہتی تھی۔ مریم کی تو باری ہی نہیں آتی تھی سجدا کو لینے کی۔ سب کی آنکھ کا تارا تھا۔ وہ، خاندان بھر کا پہلا بچہ جو تھا۔

”عادل، بس اب مجھے پکڑاؤ۔ میں نے دوپہر سے نہیں لیا۔“ مریم فریاد کرتی۔

”تم ایسا کرو، نیا لے آؤ۔“ عادل اسے چھیڑتا۔

”یہ بازار میں نہیں ملتے ہیں۔ پور پور بنانا پڑتا ہے اپنے اندر۔ اپنے لہو سے، اپنے گوشت سے۔“

”تو پھر سنو۔ وقت کی بچت کیوں نہیں کرتیں۔“

”کیا کہو ویسے؟“

”یہی کہ اس بار Twins کا سوچو۔“

مریم نے بھانکا اس کے بازو میں دانت کڑو دیا۔

”جنگلی ملی۔“ اپنے سجدا کو کانوں۔

”کیوں کانوں؟ وہ تو میرا بیٹا ہے۔“

”تو میں بھی تو کسی کا بیٹا ہوں۔“

مریم نے بالآخر سجدا کو اس سے چھین لیا۔

”جانتی ہو، یہ سجدا کیا ہے۔“ عادل نے کہا۔

”میں تو جانتی ہوں۔ پر تم کیا جانو۔“

”بھلا بتاؤ تو۔“

”یہ میرا دل بھی ہے اور دھڑکن بھی، آنکھ بھی ہے اور نو بھی، چاند بھی اور ستارہ بھی۔ میرے ایک ہوسے میں ہزار لمس پوتے ہیں اس کے لیے۔ اس کے رونے پر، مسکراتے پر مجھے سمجھ نہیں آتی کہ میں کیا کرلوں خود کی۔“

اس پر تنہا چور چلاؤں۔... یا اسے لے کر، ڈور کسی چیز پر چلی جائوں۔“

”اور میں مومن، مومن کو تمہیں ڈھونڈنا پڑیگا۔“

”ہاں... ہے نا۔“ عادل قہر میں آکر دونوں کو باجوں کے کھیرے میں لے لیتا۔

اب وہ چلا گیا تھا تو مریم کا ڈرنکل گیا تھا۔ حوصلی کے دو بڑے کمرے اس نے اپنے لیے مخصوص کرکے گانو کی لڑکیوں کے لیے ایک ادارہ بنادیا تھا۔ جہاں وہ سلاخی، کڑھائی، رنگنگ اور کمپیوٹر سیکھتے ہیں۔

بسبب کام وہ فقیر سبیل اللہ کر رہی تھی۔ اس کا عقیدہ تھا کہ جتنی وہ دوسروں کے کام آئے گی، اتنی ہی سجدا کے لیے آسائشوں بھی۔

جتنی وہ خوشیاں بانٹے گی، اتنی ہی سجدا کو خوشیاں ملیں گی۔

اتنی مصروفیات تھی۔ مگر وہ سجدا سے ایک پل کو بھی غافل نہ ہوتی۔ زندگی کچھ ڈھب پر آتی تھی۔ سجدا ایک سال کا ہوچکا تھا۔ وہ چلتا تو مریم کو اس کے قدم اپنے دل پر پڑے محسوس ہوتے۔ وہ اس کی طرف لپکتا تو وہ نیبال بوجاتی۔ اس کا لمس اسے کلی جانوں کی سبز کردیتا۔

ان مصروفیات کی وجہ سے ماہر، ماہر، اس سے روٹ جاتا۔ وہ گلہ کرتا تھا وہ ماہر بالکل وقت نہیں دے رہی ہے۔ اور جب ماہر پڑا تو وہ سب سے پہلے بھول کر اس کے آگے بڑھ کر پھرنے لگتی۔ وہ تو تھی ہی مہربان کی ماہر سب کا خیال رکھنے والی، کیا اپنے کیا پڑا تھا پھر تو تین دن بیمار رہ کر میری ماں چل بسی۔ بے چاری، خالی دامن لیے رخصت ہوگئیں۔ اپنے کسی بچے کی تو انہوں نے خوشی دیکھی ہی نہ تھی۔ مریم کے اور ان کے درمیان کبھی مہوے بارے میں بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ جب تک زندہ رہیں، اس پر مریم کی شکر گزار رہیں۔ جب کہ مریم تو کسی کو اپنے سامنے شرم صدار دیکھنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ یہ اس کے باپ کی تربیت تھی۔

دارو کو اس سامنے کی اطلاع نہ دی گئی!

میں نے بھی ماں سے معافی بھی نہیں مانگی تھی۔ ماں، جو عبت کرنے والے خدا کی ایک جھلک بکراتی ہے۔ محبت کا یہ حصہ کسی کو لٹا ہے، کہ دنیا کی کوئی خود کو بلاشبہ نہ کہے۔ لیکن، میرے لیے، اور میری بہن کی۔

میں پردیس میں تھا، اٹلیا تھا۔ اور ویسے ہی خاموش تھا کہ وہاں کی خوشیاں لکھتا ہے۔ بیٹھا تھا۔ میں تو اسے طور پر وہاں اپنے جرائم کی سزا کاٹ رہا تھا۔ وہ کالا پانی تھا میرے لیے۔

میں نے پانی میں میرے لیے کوئی تیرا نہیں تھا کہ جس پر سرکہ کر میں دلیلتا۔ کوئی نہیں جانتے میں بھگوتا۔ میں اپنی جانی میں ماں کی تصویر چتا رہا۔ وہ دتا رہا۔

مگر یہ دم نہ لگا تو کب سے روک دیا گی۔ ایک اسٹور میں چاب کرتا۔ عیاشیاں ترک کرنے کے بعد اخراجات کو بھی گنتی تھے۔ کمانے پینے کی اشیاء وہاں سے ہی ہوتی ہیں۔ چاہے تو جہاز، وہ ضرورت سے زیادہ ہی تھا۔ بخت بڑھتی رہی کی میری۔

میں ان میں سوچا رہا۔ چاؤں کرتا جاؤں۔ ارادہ تو اب بھی وہی تھا، اور پڑا تھا۔ لیکن اب پکارتی۔ وہ دیر سا لاء نہ کی، اب ماں کی قبر پر پڑاؤں لے کر۔

سجود کرنا تھا۔ اب وہ گہرا گہرا کر سونے لگا۔

”کیوں کر سونے لگے نہیں اٹھایا۔ ایک بلے... میں ایک بلے
اس نے میرے خراشوں سے جے چرے کو اور ایک بلے میری
تاتار میں کو بکھا۔ پھر پلٹ کر بھاگی ہوئی کرے سے نکل گئی۔“



عادل اسے اپنے برآمدے میں ملا
”کہاں تھیں تم؟ تمہارا سیول فون بھی بیڈ
روم میں ہے۔“

وہ کوئی جواب نہیں دے سکی۔

”مفضل بابا ملا تمہیں؟“

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

”وہ اپنے کوارٹر میں سو رہا تھا۔ اس نے
بتایا ہے کہ پریشانی کسی کوئی بات نہیں۔“

سجاد شعور سے گھبرا رہا تھا، سو نہیں پارہا

تھا۔ اور تم اقصیٰ کے ساتھ تھیں۔ تو اس نے

سجاد کو دلاور کے کمرے میں شلادیا تھا۔“

وہ کچھ سن ہی نہیں رہی تھی۔ دیکھتے ہی

دیکھتے اس کے ہوش و حواس جواب دے گئے۔



وہ وہیں ڈھے گئی۔



”کتنے اعزاز لگے... کتنے شرف... میرے وجود پر۔“

یہ خراشیں تو تھیں، اس کی انکلیاں، اس کی ہتھیلیاں بڑھ۔

میرے دھکے دھکے ہوئے سر پر... کتنے بوئے عطر... میرے

پتے پر اس کے کندے... ارے کوئی ایسے کی لاال ہوتا ہے۔

اپنی شرفوں... ساتھ!

میری کونسی کونسی میرے لیے خزانہ تھی؟ کئی سال سے

مٹہ پر کھڑے تھا، کونسی کولا سنا کر بیٹے پر کھ لیا۔ کئی سال

دیتا... اپنے اعزاز پر کئی سال دو دو جاتی تھیں۔ اور اس

کا ہاتھ اس کے طیفے، اس کے کپڑے، اس کے کپڑے... میرے

جس جواو کے ساتھ گزرے تھے، وہ دوڑنے آیا تھا۔ ”میرا کیا کہا
بڑا... کتنے لوگ؟ کیا کیا...؟“ میں نے بڑا کٹ کر دیا۔
دواڑیں پلٹیں۔ پھر بوش و حواس میں جو آخری چہرہ میں
نے دیکھا، وہ دواڑا بڑا تھا۔



اس سوہلی کو خوشنماں راس کیوں نہیں
آتی۔ سب لوگ آدماس تھے۔ اقصیٰ کی
رخسختی چوگنی تھی۔ مریم تھوٹ تھی مگر

چپ چاپ۔ اور دلاور اسپتال میں تھا۔ چپ

بھی پوش میں آتا تو چیخ پکار شروع کر دیتا

کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اسے کیا

ہو۔ فضل بابا کو کچھ اندازہ تھا۔ مگر

مالکوں کے معاملات میں نوکر کب زبان

کھولتے ہیں۔ یہ تو گستاخی ہوتی۔ البتہ اسے

دلاور سے ہم دردی تھی۔

اور مریم چپ تھی۔ وہ سوچتی... میں

لبالب بھری ہوں عادل کی محبت میں... اس

کی سنگت میں۔ جو میرے پاس آئے گا، وہ خود

ہی چھلکے گا... اپنے کناروں سے بے گنا۔ وہ

جس نے میرے عادل کو چھڑی کا محتاج بنایا...

جس نے سجاد... میری زندگی کو مجھ سے

جدا کیا۔ وہ نفرت سے سوچتی اور آندھ کے

لالہ عمل کے ہاں میں غور کرتی۔



”تاتیا ابو! اگر آپ خوشی سے اجازت دیں

تو ہم مستقل طور پر پشاور شفٹ ہو جائیں۔“ وہ

ان کے کندھے سے جھول گئی۔ یہ بات منوانے کا

اس کا پرانا انداز تھا۔

”نہیں پتھری! ابھی نہیں۔ ابھی کون سی

سجاد کی پڑھنے کی عمر آئی ہے۔ پھر دلاور کی

بھی فکر ہے۔ اقصیٰ بھی رخصت ہوگئی۔

زویب باسٹل میں رہتا ہے۔ اور تمہارا بابا...

وہ تو کتاب کا کپڑا ہے، کتابوں میں جیتا ہے۔ ہم

نہ بھی تو جینے نا۔ میرا نہیں تو اپنی تائی

امی کی تنہائی کا خیال کرو۔“

وہ بے دلی سے اٹھ کر وسیع لان میں آگئی۔

کتنے رنگ رنگ کے پھول کھیلے تھے۔ ہر سُو بہار
تھی۔ مگر دل خزاں کے پتے کی طرح لرزتا رہتا
تھا۔ کہنے کو تو اس رات کی آزمائش میں وہ

مسجد سے دست بردار ہوگئی تھی۔ لیکن اگر

دلاور مسجد کو... اس کے بعد وہ سوچ نہ پائی

اور بے تابی سے مسجد کو خود میں سمیٹ

لوا... اس کا روم روم چوم لیا۔ اللہ مجھے بادل

بنائے۔ میں جی بھر کر مسجد پر برس جاؤں۔

مجھے گلستان کر دے۔ میں پتی پتی ہو کر اس پر

نچھاور ہو جاؤں۔ مجھے گہنی چھائیں بنادے

کہ میں سجاد پر دھوپ نہ آئے دوں... اللہ میرے

... اللہ... سجاد... میرا مسجد اس کے اندر بس

یہ ہی تو نام ردم بن گئے تھے



شجاعت صاحب کا بہت برا حال تھا۔

بیوی بھی ساتھ چھوڑ گئی تھی۔ اب جوان کبیر

بیٹا دیوانگی کے عالم میں میٹل ہاسپتال میں

پڑا تھا۔ نوجوانی میں اس نے بڑی لغزشیں

پوئی تھیں۔ کس سے نہیں پوئیں۔ مگر انہوں نے

اپنے خاندان اور اپنے گاؤں کی عزت کا ہمیشہ

پاس رکھا تھا۔ اس لیے تو تینوں بھائیوں کی

ذُر ذُر تک دھماک تھی۔ عزت شرافت ان کی

شان تھی۔ وہ گڑ گڑا کر اللہ سے بیٹے کی

صحت اور سلامتی کے لیے دعاؤں کرتے۔ لیکن

شاہد دعا کے لیے اٹھنے والے ہاتھوں کو دیر

ہوگئی تھی۔ شاید وقت نکل گیا تھا۔



سات ماہ بعد دلاور کہیں نارمل ہوا۔ لیکن

بے کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ بہتری بس

ظاہری ہے۔ اندر تو بس ایک ہی منظر چلتا رہتا

تھا۔ سجاد کے ننھے منے وجود کا الوہی

لمس... شاید وہ اس کے لیے عبادت تھا۔ پھر

اگلا منظر مریم کی آمد... اور اس کے بعد... وہ

سب کچھ اس کے ذہن میں بار بار روناؤ

ہوتا اور بار بار پلے ہوتا۔ وہ تڑپا ہے حال ہوتا۔

کبھی حظ اٹھاتا تو کبھی نڈھال ہوتا... اور

کبھی مخمور ہوجاتا۔ چاک گریبان والی قمیص
کبھی اس کے پہلو سے جدا ہی نہیں ہوتی تھی۔
بالا وہ سطرارتا ہی نہیں تھا کہ کہیں لمس نہ

مٹ جائیں۔ چہرے کی خراشوں پر کم از کم

پوش میں تو وہ مریم لگواتا ہی نہ تھا۔ اور جب

پوش میں ہوتا تو مریم کو یوں بناتا کہ

خراشیں پھر سے تازہ ہوجاتیں۔



”تم میں کتنی شدت آگئی ہے

موصو“ عادل حیران ہو کر اٹھ بیٹھا۔ ”تم

تو شبنم تھیں“

مریم کو کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ کیا کہہ

رہا ہے۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

اس نے پوئیں بات کرنے کی غرض سے پوچھا۔

”اور اب؟“

”اب تم آتشاں ہو... تندر تیز آتشاں۔ بہا کر

لے جاتی ہو مجھے۔ ایسا تو اوائل کی راتوں میں

بھی کبھی نہیں ہوتا تھا“

”تو تمہیں برا لگتا ہے؟“

عادل سوچتا رہا۔ ”برا تو نہیں لگتا۔ لیکن

اجنبیت کا احساس ہوتا ہے۔ تم کسی سے

خائف ہو... کیوں... کچھ تو بے جو میری سمجھ

میں نہیں آ رہا ہے۔“

مگر مریم نہ کچھ سن رہی تھی، نہ

سمجھ رہی تھی۔ اس کی دیوانگی عروج پر

تھی۔ وہ اسپر محبت تھی تو عادل اسپر

قربت۔ وہ کبھی ٹک ضبط کرتا، کبھی ٹک

پوش سے کام لیتا۔

آتشاں اور بادل بابا ایک ہو گئے تھے!

”ابا جان، مجھے کچھ پیسے چاہیں۔“

دلاور نے کہا۔

اور شجاعت جیسے پھر سے جی اٹھے۔

”کتنے میری جان؟“ بیٹے نے کتنی مدت بعد

انہیں پکارا تھا۔ وہ جان بھی مانگ لیتا تو

کم تھا۔ لیکن پھر انہوں کو کسی لاش کی

صورت' پوش و حواس سے بیگانہ دیکھنا' جیتے جی مرجانے کے برابر ہوتا ہے... اور وہ بھی اکلوتا بیٹا! یہ تو مجھے نہیں معلوم۔ دلاور نے کھولے کپڑے لہجہ میں کہا۔

ابا جان نے بغیر گئے 'نوںوں کی بہت بھاری گڈی اس کی چھب میں ڈال دی۔

۱۵ روز ان میرے سے بہت سخت تھے۔ مجھے خود کاٹل جاہت نہ تھا اس کے لیے سب کچھ بھول جانا، کچھ یاد نہ آنا ضروری تھا... اور سنا تھا جیسے ساس روک لکھا۔ لیکن میرا بڑا ہوا آئی بھی کڑھائی کر سکتا ہے۔

تیسرے دن سورج پا کر میں اچھل سے نکل آیا۔ ذہن میں سب کچھ یاد تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے، کب کھائے اور کیسے کرنا ہے۔

بازار جا کر سوٹ لیا، اور دو بچی دھوا دالا۔ بال ترشائے شیر بنوایا، ایک بھوک میں کرا لیا۔ وہاں ہی بھر کے نہایا۔ سوٹ پہن کر باہر نکلا اور دو پارہ پاڑا کر لیا۔ اس پارہ دھوئیں کی روایتی نگارنی... جو کچھ میں سب کے ساتھ لگا، بغیر بھانڈاؤ کے خرید لیا۔ پھولوں کے زیور اور ناک پر چڑیاں اس کی کاٹنی میں شامی جتنی تھیں، اور تھیں اس کے بیروں میں۔

سب کچھ لے کر گلی میں بیٹھا اور دیکھنے میں گاؤں بچے گیا۔

رات گہری ہو چلی تھی۔ گاؤں میں تو مائیں دیے بھی گہری ٹینڈر سوئی ہیں۔ میرا کڑا لاک تھا۔ مخصوص اوزار سے دروازہ کھولا اور اندر چلا گیا۔ وہاں سے گھور دارم لے کر نکلا اور عادل کے کمرے کی طرف گیا۔ اسی انداز میں اس کا دروازہ بھی کھولا اور اندر چلا گیا۔

وہ ناشی میں اُڑی اور عادل کے ساتھ سو رہی تھی، وصل کے بعد کی ٹینڈر بہت جی گہری ہوئی ہے۔ اس ستر پر سر تڑپنے لگی آدھنی کی۔ پھر میں نے عادل کو بے ہوش کیا اور آخری بار۔

چھپا چھپا... پھر میں نے اس کی طرح اپنے مضبوط ہاتھوں پر اٹھایا ایک ہاتھ سے اس کے بھانڈا یا کدہ چنے لگے۔

وہ جاگ گئی۔ کتا سردہ کتا سردہ بھاؤ اٹھا دل کا اس کی آنکھوں میں۔ میرے اندر پھر کچھ نام سنا۔ لیکن فرصت کہاں تھی۔ وہ بے کار ہاتھ پاؤں چلاتی رہنے لگے۔

کمرے میں سے جا کر میں نے دوسرے بار پرکھے۔ اسے بید پر بٹھا کر اس کے کندھے پر ٹپ لگا دیا۔ "اب تمہیں بولنا نہیں ہے۔ بس سنا ہی سنا ہے۔"

اس کی آنکھوں میں خوف سے زیادہ حیرت تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ آج تو اسے بائیس ہی اور گئی تھی۔

آنکھ ایک غیر معمولی احساس کے تحت کھلی... پھر آنکھ کھلی تو مریم نے دیکھا کہ وہ تو غیر معمولی سے بھی آگے کی سوجھ بوجھ سے، نائٹ بلب کی روشنی میں بھی اس کا چہرہ واضح تھا۔ اور وہ اس کے ہاتھوں پر تھی۔ اس نے چھینا چاہا، لیکن اس کا ہاتھ اٹکے پر جما تھا۔

مریم نے اس کا چہرہ دیکھا۔ اس پر وحشت نہیں تھی، سکون ہی سکون تھا۔ اس نے گھبرا کر بید کی طرف دیکھا۔ عادل اور سجاد دونوں ہی خیریت سے تھے اور گہری نیند سو رہے تھے۔

وہ اسے لے کر دروازے کی طرف چلا تو اس نے ہاتھ پائوں چلائے۔ پہلی بار اسے اندازہ ہوا کہ وہ کتنا طاقت ور ہے۔ پہلی بار اسے اپنی وہ جرات مندی حسمانیت لگی جب عادل کے حادثے کے بعد وہ دندناتی ہوئی اس کے ذہن پر پہنچ گئی تھی۔ اگر اُس دن وہ اپنی اس طاقت کا مظاہرہ کرتا تو...؟ اس سے آگے وہ سوچ نہیں سکی۔ اس کے اندر تشکر ابھرا۔ دلاور نے ایسا کیا بھی نہیں تھا۔

لیکن اب کیا ہو رہا ہے؟ کیا ہونے والا ہے؟

دلاور نے اسے بیڈ پر بٹھایا اور منہ پر ٹیپ چھپکا دیا۔ "آج مجھے تمہارے چھیننے کا ذرا نہیں ہے۔ بس میں چاہتا نہیں ہوں کہ تم کچھ بولو۔ آج تمہیں صرف سنانا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے کی طرف گیا اور پردے پر ابھرنے لگا۔

مریم کے ہاتھ کھلے تھے اور پائوں بھی۔ مگر نہ تو اس نے ٹیپ توچا اور نہ ہی دروازے کی

طرف لپکی۔ عورت کے دل میں ایک اٹھنا ہوتا ہے جو کبھی غلط میگزین نہیں دیتا۔ اس نے جان لیا تھا کہ اس کی عزت کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے۔

وہ واپس آکر اُس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ وہ بدن چڑوائے لگی۔ اس کی نالٹی بہت مختصر تھی۔ لیکن عجیب بات تھی کہ وہ خود بھی اس سے نظریں چڑا رہا تھا۔ اُس نے اس کے سامنے لباس ڈال دیا۔ "مومن... جائو" یہ لباس پہن کر آؤ۔ بہت جلدی۔"

وہ ڈالہنوں والا چوڑا تھا۔ لیکن اُس کے سامنے اس نالٹی میں اتنی سی ہچکے کے لیے تو رک جگہ بھی پہن سکتی تھی، وہ کھنک لے کر ڈرسنگ روم کی طرف چلی گئی۔

دل کے بیگنل تو اب بھی پہلے جیسے ہی تھے لیکن عروسی چوڑا پہن کر وہ اندیشوں کا شکار پڑنے لگی۔ ایک بلب کو اس نے سوچا کہ ٹیپ اٹھائے اور شور مچائے۔ مگر پھر سوچا، تماشا بٹنے کا کیا فائدہ۔ البتہ ضرورت پڑنے پر یہ بھی کچھا جاسکتا ہے۔

وہ واپس آئی تو اس کا چہرہ سپید ہو رہا تھا۔ قد آدم اٹھنے میں اس نے دیکھا، وہ کام دار لہنگا اس پر بہت سجا رہا تھا۔

"اُلو... بیٹیو" دلاور نے کہا۔

وہ بھینک گئی۔ وہ بڑی چاہت سے اسے بھولوں کے زیور پہنانے لگا۔ وہ خوف زدہ تھی۔

میں نے اسے پھولوں کا زیور پہنایا۔ ان کاٹوں نے بھی میری دھڑکنیں سرگوشیاں نہیں کی تھیں، مگر میری آہ دیکھی تھی۔ میں نے ان کے ہاتھوں کے اوپر سے پہنا دیا۔ پھر میں نے اسے چوڑیاں پہنائیں اور جھانڈا بٹھا دیا۔ "ہاتھ نہیں ہتھی... میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اُسوں کو کھلے کھلی ہی چاہیے۔ میں نے اس کے ہاتھوں پر سے ٹیپ ہٹا دیا۔ "لیکن تم ہی کہنا کہ یہ موجود ہے۔" پھر میں نے اس کے ہاتھوں پر ٹیپ لگا دی۔

اب وہ لہلہ کی۔ میں اسے بکھرے ہاتھ چاہتا تھا۔ میں اسے بتاتا

دیکھنا چاہتا تھا کہ اس کے لیے ایک عمر کی تھی۔ مگر پھر مجھے خیال نہ پڑتا تھا۔ اس نے پھر غور سے ان رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ "سجاد رات کو دو سو کے لیے اٹھتا ہے؟"

مریم اس کی بات سن کر چوکتی۔ اس نے سر اٹھا کر اُسے دیکھا۔ یہ اس کے لیے اچھا موقع تھا۔ دلاور نے جس انداز میں اس سے بات پوچھی تھی، اس سے پتا چلتا تھا کہ یہ اس کے لیے نجات کا راستہ ہے۔ اسے یقین تھا کہ اگر وہ اُسے چھوڑ دے گا۔ لیکن اسے یہ احساس بھی ہو گیا کہ اس ساعت میں جھوٹ بولنا بہت بڑا گناہ ہوگا۔ اس کے سینے میں موجود عورت کا دل اسے یقین دلایا تھا کہ اسے کوئی خسرو نہیں پہنچنے والا ہے۔ اس نے سمجھ لیا کہ یہ سچائی کی رات ہے۔ وہ جواب طلب نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

مریم نے نفی میں سر ہلادیا۔ اس کی حیرت دہنڈی تھی!

میں حیران بھی ہوا اور سرگمرا بھی۔ میں نے تو اسے جھوٹ بولنے کی اذیت دی تھی۔ مگر سرداری چکا تھی۔ "تو میں تمہیں اور پرک دیکھ سکتا ہوں؟" میں نے غرضی سے کہا۔

اس نے سر جھکایا۔

"مریم، میں تمہارے ساتھ جی نہیں سکتا۔ مرنو سکا ہوں نا۔" میں نے کہا۔

اس کی خوف زدہ نظریں اور خوف زدہ ہو گئیں۔ "تمہیں اس رپ میں دیکھ لیا، حسرت پوری ہو گئی۔ تم معتدلی رہو گی۔ تمہاری پائیز کی اور عزت پر میں آج نہیں آنے والا ہوں گا۔ میں تمہیں اپنے کپڑے کی تکسین کے لیے یہاں نہیں لایا۔"

مریم نے چمک کر ٹوٹتی نظروں سے مجھے دیکھا۔ پھر وہ مطمئن نظر آئی۔ اب اس کی نگاہوں میں کھلا تشکر تھا۔

”...میں دل کی رانی بنا کر لایا ہوں تمہیں۔“ میں کہتا رہا۔
اس کے لشکر نے کچھ تلافی تو کر دی تھی۔ ”میں تو تمہاری زندگی
سے ہمیشہ کے لیے نکل گیا تھا۔ اسی کا دکھ مجھے کھینچ لایا۔
دوبارہ۔ واپس آ کر میں تمہاری راہ کا پتھر تو نہیں بنا تھا۔ بھی۔ تم
نے پھر بھی میرے پہلے تاثر کو آخری تاثر بنائے رکھا۔ تم نے
معاف ہی نہیں کیا مجھے۔“
اب وہ ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔ آنکھیں آنسوؤں
سے بھر رہی تھیں۔

”بھی سوچا تم نے کہ میں نے تمہارے لیے کیا کیا کیا...
کبھی ایک... صرف ایک لمحہ بھی تم میرے لیے سوچ لیتیں تو
شاید آج میں ایک اچھا انسان ہوتا۔ اللہ نے تمہارے وجود میں
میرے لیے ہدایت اور نیکی بھیجی تھی۔ مگر تم نے نکل کر کیا۔ وہ
ہدایت، وہ روشنی تم نے مجھ پر خرچ ہی نہیں کی۔ مجھے اصلاح کا
موقع ہی نہیں دیا۔ یہ ذہر دیکھ رہی ہو... اور میں نے کہا نا کہ ہم
ساتھ ہی نہیں کھتے، لیکن مرنے کو کتے ہیں نا ساتھ۔“
اس کے ہونٹ لرزے۔ وہ کچھ کہنے والی تھی۔

مگر میں نے اسے بولنے نہیں دیا۔ ”تم مت بولنا سمجھ لو،
تمہارے ہونٹوں پر ٹیپ لگی ہے۔ تمہیں بولنا نہیں ہے، صرف
سننا ہے۔ تم نے تو میرے ساتھ نکل کر کیا۔ لیکن سجاد نے...
تمہارے بیٹے نے لمحوں میں مجھے انسان بنادیا۔ آج یہ ذہر ہم
دونوں نے پینا تھا۔ لیکن جاؤ، تمہیں سجاد کی خاطر معاف کر لیا۔
ایک موقع دے رہا ہوں کہ زندگی میں کبھی کوئی دلاور جیسا مل
جائے تو اسے سوا ارد بیٹا... دھکا دے دیتا۔“
بس اس سے آگے میں کیا بولتا۔ اس کے بعد تو میں زار
زار رویا۔ کبھی اسے نہ دیکھنے پر رویا کرتا تھا... اور آج دیکھ کر کبھی
رورہا تھا۔

مریم نے ہاتھ باندھے معافی کے لیے...

میں نے تڑپ کر جدا کر دیے۔ ”بادشاہ لوگ تو کرم کرتے
ہیں، ظلم کرتے ہیں، کمال کرتے ہیں۔ معافی تو زیب نہیں دیتی
انہیں۔ یہ تو ہم جیسوں کا دھپ ہے... ضبط کرنا، ظلم سہنا،
بادشاہوں کے کسی کمال کا مختصر رہتا... اور پھر بنا کردہ گناہوں کی
بھی معافی مانگ لیتا۔ تم تو میری بادشاہ ہو مومن۔“
میں پھر ٹپکتی ہاتھ کر اسے دیکھتا رہا۔ دیکھتا رہا...
دیکھتا رہا۔

پھر میں نے اس کا ہاتھ تمام کراستے کھڑا کیا اور اسے مرنے پا
دیکھا... الوفاق نگاہ! پھر میں آگے بڑھا... بڑھتے بڑھتے ڈکا...

بچوں کے بل گھوما، اور زہر کی شیشی کو ہونٹوں سے لگا لیا۔ اگلے
ی لمبے سرخ الاثر ذہر میرے حلق سے اتر رہا تھا۔
وہ میرے قدموں میں آگری۔ میں لڑکھڑاہا... سنبھلنے کی
کوشش کی، جان نکل رہی تھی۔ قدموں میں سہا نہیں تھی۔ میں
بھی گر گیا۔ آخری دید کے لیے میں نے آئینے میں دیکھا۔ پتا
نہیں، آئینہ ڈھنڈلا رہا تھا یا میری آنکھیں۔ مگر آخری دید تو
آخری تھی۔ وہ کیسا انوکھا منظر تھا۔ ایک مرد وہ لہما کے قدموں
میں گری ہوئی دھنن کتنی خوب صورت لگ رہی تھی...

مریم نے اُس کا چہرہ دیکھا۔ اُس کے
بولٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ لیکن وہ مرجھا تھا۔
اس نے بڑے احترام سے اُس کی کھلی ہوئی
آنکھوں کو بند کر دیا۔ پھر وہ اتنے کھڑی ہوئی۔
دلاور نے اس کی عزت، اس کی پاکیزگی
اور حرمت کا... اس کے اعتبار کا بہرم رکھ
لیا تھا۔ لیکن اب باقی کام اسے کرنا تھا۔ وہ
جھکی اور اس نے دلاور کی پیشانی پر بولٹ
رکھ دیے۔ وہ ایک طویل ہوسہ تھا۔ پھر وہ
دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے ہاتھ میں
اپنی ناٹھی تھی۔

اپنے پیچھے دروازہ بند کر کے وہ اپنے کمرے
میں گئی۔ دروازہ بند کر کے اس نے سجاد کے
پودے چہرے کو بوسوں سے بھگودیا۔ وہ بوسے
اس کے نہیں تھے۔ وہ تو بس اسے دلاور کی
امانت پہنچا رہی تھی۔

پھر اس نے عروسی لباس اتار کر اپنی ناٹھی
پہن لی۔ عروسی لباس اس نے پھولوں کے زیور
کے ساتھ اپنی الماری کے سیف میں رکھ دیا۔
اب یہ سیف محبت سے مہکتا رہے گا۔
الماری بند کر کے وہ بستر پر عادل کے پہلو
میں لیٹ گئی۔ لیکن نیند اس کی آنکھوں سے
ڈور تھی۔ ایسے میں کوئی سو سکتا ہے بھلا۔
آنکھوں میں تو مرنے والے کی دہد تھی... پھر
آنسو بھی اُمڈ آئے۔

صبح ہونے والی تھی!

